شیعہ مذہب

المعروف

تحفۂ جعفریہ

محقق اسلام شیخ الحدیث علامہ

محمد علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ نوریہ حسینیہ جامعہ رسولیہ شیرازیہ

بلال گنج لاہور پاکستان فون 7227228

قال علیہ السلام من سب اصحابی فقد کفر ومن سب اصحابی فاجلدوہ

نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ

صحابہ کو گالی دینے والا کافر ہے اور

اُسے کوڑے مارے جائیں جامع لاخبار ۱۸۳

شیعہ مذہب

المعروف

تحفہ جعفریہ

محقق اسلام قاطع رفض وبدعت مناظر اسلام علامہ الحاج

محمد علی نقشبندی علیہ الرحمہ بانی جامعہ رسولیہ شیرازیہ

بلال گنج لاہور

باب اول: حضرامیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کئے گئے مطاعن کی تردید

باب دوم: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما پر قتل عثمان رضی اللہ عنہ کی تردید

باب سوم: چند مشہور مطاعن کے مزید تحقیقی جوابات

مکتبہ نوریہ حسنیہ

جامعہ رسولیہ شیرازیہ رضویہ

بلال گنج لاہور فون: 042-7227228

نام کتاب ——— تحفہ جعفریہ (جلد پنجم)

مصنف ——— محقق اسلام شیخ الحدیث علامہ محمد علی نقشبندی علیہ الرحمہ

بانی جامعہ رسولیہ شیرازیہ بلال گنج لاہور

کتابت ——— راجہ محمد صدیق کیلیانوالہ شریف گوجرانوالہ

ہدیہ ———

نوٹ

کتاب ہذا تحفہ جعفریہ میں ہم نے ہر موضوع پر اپنے دعویٰ کا اثبات واستدلال صرف اور صرف کتب شیعہ سے ہی کیا ہے جن چند مقامات پر سنی کتب سے استناد کیا گیا ہے وہاں کتب شیعہ سے اس کی مضبوط تائید بھی پیش کی گئہ ہے اور یہی اس کتاب کا طرۂ امتیاز ہے۔

مکتبہ نوریہ حسینیہ

جامعہ رسولیہ شیرازیہ رضویہ

امیر روڈ بلال گنج لاہور فون: 7227228

الانتساب

میں اپنی اس ناچیز تالیف کو قدوۃ السالکین حجۃ الواصلین پیری و مرشدی حضرت قبلہ خواجہ سید نورالحسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سرکار کیلیانوالہ شریف اور نگہدارِ ناموسِ اصحابِ رسول محبِ اولادِ بتول سپہرِ طریقت، راہبرِ شریعت حضرت قبلہ پیر سید محمد باقر علی شاہ صاحب زیب سجادہ کیلیانوالہ شریف کی ذاتِ گرامی سے منسوب کرتا ہوں جن کے روحانی تصرف نے ہر مشکل مقام پر میری مدد فرمائی۔

ان کے طفیل اللہ میری یہ سعی مقبول و مفید اور میرے لیے ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین:

احقر العباد

محمد علی عفا اللہ عنہ

الاہداء

میں اپنی یہ ناچیز تالیف زبدۃ العارفین، حجۃ الکاملین، میزبان مہمانانِ رحمۃ للعالمین حضرت قبلہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب ساکن مدینہ منورہ، خلف الرشید شیخ العرب والعجم حضرت قبلہ مولانا ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدفون جنت البقیع (مدینہ طیبہ) خلیفۂ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا احمد رضا خانصاحب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ عالیہ میں ہدیۂ عقیدت پیش کرتا ہوں جن کی دُعا سے فقیر نے اس کتاب کی تحریر کا آغاز کیا۔

ع - گر قبول افتد زہے عز و شرف

محمد علی عفا اللہ عنہ

تقریظ

پیر طریقت شہباز شریعت حضرت علامہ الٰہی بخش صاحب لاہور

اُستاذ العلماء مناظرِ اسلام۔ شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا الحاج

الحافظ محمد علی صاحب دامت برکاتہ العالیہ ناظم اعلیٰ جامعہ رسولیہ شیرازیہ

بلال گنج لاہور کا وجود اس قحط الرجال کے دور میں علمائے سلف کی ایک چلتی پھرتی تصویر ہے۔ آج سے چند سال پیشتر ہمارے تصور میں بھی یہ نہیں آسکتا تھا کہ قدرت ان سے ایک عظیم الشان کام لینے والی ہے۔ تاریخ عالم کے واقعات اور شواہدات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ بعض اوقات بہت سے افراد مِل کر ایک تاریخی کارنامہ سرانجام دیتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات فردِ واحد ایک ایسا محیر العقول کارنامہ سرانجام دے دیتا ہے۔ کہ بہت سے افراد مِل کر مدتوں تک بھی وہ کام مکمل نہیں کر سکتے۔ اور اُن کا نام صدیوں تک زندہ و تابندہ رہتا ہے عقائد و مذاہب پر تحقیق و تدقیق کا سلسلہ شروع سے جاری ہے۔ بلکہ روز بروز دیسع سے وسیع تر ہو رہا ہے۔ اختلافات و اعتراضات کے دھارے ہمیشہ بہتے رہتے ہیں۔ دلائل و براہین کے ساتھ ان کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ اور یہ دلائل و براہین ہی کسی کی عظمت و شخصیت کا پتہ بتاتے ہیں۔ شیعہ مذہب ابتدا سے ہی تشریح طلب رہا ہے۔ شیعہ مذہب کا بانی کون تھا۔ اُس کے عقائد و نظریات کیا تھے۔ اور پھر شیعہ مذہب میں اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول اور رسول کی اولاد و ازواج اور صحابہ کرام کے متعلق جو شیعہ لوگوں کے زہریلے عقائد تھے ان کے دندان شکن جوابات فقط ان کی کتابوں سے ہی دیئے جاسکتے تھے۔ اس عظیم کام کے لیے

ایک عظیم محقق کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے یہ کام علامہ موصوف سے لیا۔ نہایت محققانہ انداز سے قلم اٹھایا! در تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ اس درویش منفعت انسان نے گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر کتابوں کی دنیا میں سفر کرنا شروع کیا۔ عقل و خرد کے پیمانوں سے علم و حکمت کے خزانوں کی تلاش شروع کی۔ نہایت کامیابی کے ساتھ قیمتی ذخائر کو تلاش کیا۔ شیعہ مذہب کی عمارت کے بڑے بڑے ستونوں کو اُن کی کتابوں سے اتنے مضبوط دلائل کے ساتھ گراتے چلے گئے ہیں۔ کہ شیعہ صاحبان بھی اگر دیانتداری سے اس کا مطالعہ کریں تو اُنہیں فاضل مصنف کا احسان مند ہو کر اپنے عقائد و نظریات پر نظرِ ثانی کرنے کی نہایت پاکیزہ دعوت دی گئی ہے۔ تحفہ جعفریہ کی پانچ ——— عقائد جعفریہ کی چھ ——— اور فقہ جعفریہ کی چار جلدیں ——— ہزاروں کتابوں کے مطالعے سے بے نیاز کر دیتی ہیں۔ یہ حقیقت بالکل بجا ہے۔ کہ اس سے پہلے بھی ایسی بڑی بڑی عظیم کوششیں کی گئیں۔ تحقیق کے بڑے بڑے خزانے ازالۃ الخفاء اور تحفۂ اثنا عشریہ کی صورت میں ہمارے سامنے آئے۔ مگر مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے۔ کہ میرے خیال کے مطابق کسی زمانہ میں بھی اتنی محقق اور مفصل کتاب ردِ روافض میں نہیں لکھی گئی! اور میں یقیناً کہتا ہوں کہ اگر آج حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی صاحب زندہ ہوتے تو یقیناً فاضلِ مصنف کو دُعا اور مبارک باد دیتے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا ہے۔ کہ قبلہ شیخ الحدیث علامہ حافظ محمد علی صاحب کو عمر دراز فرمائے۔ اُن کا سایہ اہل سنت و جماعت پر ہمیشہ سلامت رکھے۔ اور ہم سب کو اُن سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

راقم الحروف

بندۂ عاصم الٰہی بخش قادری

۱۴

تقریظ ۲

شیخ الحدیث والتفسیر جامع المعقول والمنقول استاذی المکرم حضرت مولانا علامہ غلام رسول صاحب فیصل آباد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء وامام المرسلین وآلہ وصحبہ اجمعین !

اما بعد !

میں نے شیعہ مذہب (تحفہ جعفریہ) کا اہم مقامات سے بغور مطالعہ کیا فاضل مؤلف نے محنت شاقہ سے شیعہ کتب سے شیعہ مذہب کے عقائد بڑی تفصیل سے کتب کے مقتضی کے مطابق ذکر کیے۔ اپنی طرف سے ان میں کچھ افراط و تفریط نہیں کی اثنا عشریہ کے عقائد بڑی تفصیل سے باطل کیے اور ان کو بیتِ عنکبوت سے زیادہ کمزور ثابت کیا اور واضح کیا کہ ان لوگوں کے عقائد میں شدید تضاد ہے اور انہی کی کتب میں حضرات اہل بیت کرام علیہم السلام کی شان میں آداب سے تجاوز کیا گیا ہے اوّل سے آخر تک اس کے مطالعہ سے شمس بانہار کی طرح شیعہ مذہب کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ گویا اثنا عشریہ کی کتب ہی اس مسلک کے بطلان کی منادی ہیں مولیٰ کریم مؤلف کو احسن جزا دے کہ انہوں نے نہایت ہی عرق ریزی سے اہلسنت وجماعت کی اہم ضرورت کو پورا کیا اور عوام پر عظیم احسان فرمایا۔ آمین۔

غلام رسول رضوی

تقریظ ۳

مفسرِ قرآن، علامۃ الدھر، شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد فیض احمد اویسی مدظلہ

(بہاولپور)

شیعہ فرقہ کے رد میں جامع کتاب لکھنے کا پروگرام نقیر اویسی نے اس وقت بنایا جب سنی کانفرنس ٹوبہ ٹیک سنگھ (دارالسلام) کی ایک نجی محفل میں قرانا اسلام والملت حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرماتے سُنا کہ کاش کوئی مردِ میدان ہوتا جو شیعہ مذہب کے ایک ایک عقیدہ اور مسئلہ کی قلعی کھولتا، اس کے بعد اگرچہ میری چند کتب ورسائل اس موضوع پر منظرِ عام پر آئے مگر ...... افسوس: کہ نقیر اپنے پروگرام میں کلی طور پر کامیاب نہ ہو سکا اور نہ حضرت خواجہ کی دلی تمنا بر آئی۔

لیکن شیعہ مذہب کے رد میں نقیر کی دیگر کتب کی اشاعت نہ ہونے پر اب کوئی قلق نہیں رہا جب فاضل جلیل شیخ الحدیث حضرت علامہ الحاج مولانا محمد علی دامت برکاتہم کو "تحفہ جعفریہ" کی تصنیف میں منہمک پایا، اب میں سمجھتا ہوں کہ علامہ موصوف نے خواجہ قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی آرزو اور میرے پروگرام کی تکمیل کر دی ہے کیونکہ علامہ موصوف نے تحقیقی اور مفصل کتاب لکھی ہے کہ جس میں ایک ایک شیعہ عقیدہ کے رد میں درجنوں شیعہ کتب سے تحقیق فرمائی ہے؛ اس کتاب کے کچھ ابواب نقیر نے پڑھے ہیں۔ الحمدللہ حضرت علامہ نے اپنے ہر دعوی کا اثبات قرآن اور صرف کتبِ شیعہ سے کیا ہے اور یوں اہلسنت کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو اس کی بہتر جزا عطا فرمائے، آمین:

محمد فیض احمد الاویسی الرضوی غفرلہ (بہاولپور) — ۱۴، شعبان ۱۴۰۴ھ

تقریظ

محقق ابن محقق، شارح بخاری حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی دامت برکاتہم

امیر مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف گنج بخش روڈ لاہور

جامعہ رسولیہ شیرازیہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد علی صاحب، فاضل درسِ نظامی ہیں۔ درس و تدریس اور تبلیغ و اشاعتِ دین ان کا مشغلہ ہے۔ مطالعہ بھی وسیع ہے اور مختلف مکاتبِ فکر کے عقائد و نظریات اور ان کے دلائل پر بھی ان کی نظر ہے۔ ان کی تالیف تحفۂ جعفریہ ایک نہایت وقیع علمی مواد پر مشتمل ہے۔ میں نے اس کتاب کا ایک جزو "حضرت علی اور خلفاء ثلاثہ علیہم الرحمۃ والرضوان کے درمیان خوشگوار تعلقات" کے کچھ اوراق پر نظر ڈالی ہے جسے پڑھ کر اس کتاب کی عظمت، احادیث اور دلائل و براہین کی رفعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس موضوع پر یہ کتاب ایک اچھی، مفید، جامع اور مدلل کوشش ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کی اس دینی خدمت کو قبول فرمائے اور عوام و خواص کے لیے یہ کتاب ہدایت و موعظت کا سبب بنے۔

سید محمود احمد رضوی

امیر مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف

گنج بخش روڈ۔ لاہور۔ ۱۴ راگست ۱۹۸۴ء

تقریظ مناظر اسلام مولانا عبدالتواب صدیقی اچھروی

اہل تشیع ایسا چالاک فرقہ ہے جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر شجر اسلام کی جڑیں کاٹنے کے درپے ہے۔ ہر دور میں علماء حق نے ان کی سرکوبی کے لیے نعرہ جہاد بلند کیا۔ آج کے دور میں اس فرقہ نے مکروفریب کا نیا جال بچھایا ہے۔ اور طرح طرح کے جھوٹے دلائل سے عظمتِ صحابہ کو داغدار کرنا چاہا ہے۔

اہل سنت کی طرف سے ایک ایسی کتاب کا وجود میں آنا ضروری تھا جو شیعوں کی ایک ایک دلیل کو لے کر اس کی تردید کرتی۔ اور فی الوقت ان کے نئے نئے دلائل کا منہ توڑ جواب پیش کرتی۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا علامہ محمد علی کا عوام و علماء اہل سنت پر عظیم احسان ہے کہ انہوں نے یہ کمی پوری کردی۔ اور ایک کے بجائے تین کتابیں تالیف فرمادیں۔ جن کی جلدیں مجموعی طور سے ۱۶ عدد ہیں۔ یقیناً یہ کتابیں طلباء سے لے کر مناظرین تک سب کے لیے ایک نعمت ثابت ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا کی تصانیف کو شرف قبولیت عطاء فرمائے۔

وصلی اللہ علی حبیبہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

محمد عبدالتواب صدیقی

خادم آستانہ عالیہ مناظر اعظم لاہور

تاثرات ۲

پیر طریقت راہبر شریعت افتخار نقشبندیت

قبلہ سید محمد باقر علی شاہ صاحب سجادہ نشین

آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف (گوجرانوالہ)

اس خادم اہل بیت و صحابہ (راقم المعروف سید محمد باقر علی) کی دیرینہ تمنا تھی کہ جھوٹے محبان اہل بیت المعروف شیعہ فرقہ کی تردید میں ایک مفصل اور عام فہم کتاب ہونی چاہیئے اس مقصد کے لیے میں نے چند بار علماء کی میٹنگ بلائی مگر کسی نے اس کام کی حامی نہ بھری۔ اچانک اللہ تعالیٰ نے ہمارے آستانہ کے خادم علامہ محمد علی صاحب کو اس طرف متوجہ کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کے قلم سے تین ضخیم کتابیں تحفہ جعفریہ، عقائد جعفریہ، فقہ جعفریہ ضبط تحریر میں آگئیں جن کی مجموعی طور پر ۱۶ جلدیں ہیں۔ اس میں کسی شخص کو کوئی شک نہیں کہ یہ کتابیں تحقیق کا انمول خزانہ ہیں۔ میرے تاثرات ان کتابوں کے متعلق اس قدر تشکر آمیز ہیں کہ لفظوں سے انہیں بیان نہیں کر سکتا۔ میرا تو اپنے سب ارادتمندوں کو حکم ہے کہ جس کے پاس بھی کچھ مالی گنجائش ہے وہ یہ کتابیں خریدے بلکہ تمام مسلمانوں کو میرا یہی مشورہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی محنت قبول فرمائے اور ہمارے آستانہ کے روحانی اجداد کی شفاعت فرمائے۔ آمین ثم آمین

سید محمد باقر علی سجادہ نشین آستانہ عالیہ
حضرت کیلیانوالہ شریف ضلع گوجرانوالہ

تاثرات مشائخ عظام

شیخ العرب والعجم علامہ فضل الرحمان صاحب (مدینہ منورہ)

بسم الله الرحمن الرحيم

فضل الرحمن بن الشيخ ضياء الدين القادري

المملكة العربية السعودية ص ب ٩٢ المدينة المنورة

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

لان يهدي الله بك رجلا واحدا خير لك من حمر النعم

الحمد لله الذي خص هذه الأمة المحمدية بالعلماء العاملين وجعلها مرجعا للعباد وحفظة للشريعة المطهرة من أهل الزيغ والعناد ونوعهم إلى حفظة ونقاد والصلاة والسلام على عبده ورسوله سيدنا وحبيبنا وشفيعنا محمد صلى الله عليه وسلم اصطفاه من بين سائر خلقه ورسله عليهم الصلاة والسلام فقال صلى الله عليه وسلم إني تارك فيكم الثقلين كتاب الله ثم قال وعترتي أهل بيتي اذكركم الله في أهل بيتي ثلاثا واصطفاله قرابته وصحابته كالنجوم لا بل كالشموس ومنهم من شرفه الله بزيادة الفضل والكرامة كالخلفاء الراشدين وباقي العشرة المبشرة وغيرهم رضوان الله تعالى عليهم أجمعين وبعد أقدم شكري الجزيل لفضيلة الأستاذ الكبير قدوة السالكين زبدة المحققين والمدققين مولانا محمد علي حفظه الله على إهدائه الكتب التي ألفها وصنفها لمحرر هذه الأسطر جزاه الله عني وعن الإسلام والمسلمين خير الجزاء إني قد طالعت في مؤلفاته التي ذكرها من عدة أماكن وأسمعني قراءة بعض المحبين من أجزاء متفرقة من كتابه [شيعة مذهب] المعروف بعقائد الجعفرية [وكذا التحفة الجعفرية من المجلد الأول والمجلد الثاني ---- وغيرها من عقائدهم الفاسدة

بسم الله الرحمن الرحيم

فضيل الرحمن بن الشيخ ضياء الدين القادري

المملكة العربية السعودية ص . ب ٩٢ - المدينة المنورة

والحقيقة أن فضيلته يستحق الشكر والتقدير في بذل مجهوداته القيمة الثمينة في سبيل إخراج هذه المجموعة الكبرى السالف ذكرها والحق يقال - إنها دائرة معارف دينية - في مؤلفاته الثمينة المتوالية والتي جعلها سهلة التناول - لكل من يسر له الله لمعرفة دينه الحنيف وسنة نبيه الهادي إلى أقوم سبيل - وقد أكبرت في شخصه الجليل هذه الهمة العظيمة - والإخلاص العميق - بما تكبده من سهر متواصل وسعي حثيث في تحقيق مشروعه الذي هو الأول من نوعه بهذه السلسلة الذهبية - وبما بوبه ورتبه في كل كتاب منها من فصول وأصول - وبما زانه من آيات قرآنية كريمة - أدرجها في عبارة لطيفة مستفيضة من الأكابر العلماء في بيان فضل أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وما يجب في حقهم من حسن الاعتقاد - ولزوم سبيل السداد - ومن أحسن القول في أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وأزواجه وذرياته - فقد برئ من النفاق - ومن ذكرهم بسوء فهو على غير سبيل ومن المعلوم أن فضل النبي صلى الله عليه وسلم سار منه في فضل أصحابه - الذي هو متفرع عن فضله - فكذلك الذرية الطاهرة فضلهم فرع عن فضله صلى الله عليه وسلم وبهذا يتضح أن أصل الفضلين - فضل الذرية - وفضل الصحابة هو رسول الله صلى الله عليه وسلم - وهما فرعان من أصل واحد

بسم الله الرحمن الرحیم
هو القادر
فضل الرحمن بن الشیخ ضیاء الدین القادری
المملکة العربیة السعودیة ص.ب ۹۲ المدینة المنورة

فمہما حصل لأحد ھما من مدح أو ذم - لا بد أن یتعدی علی الآخر فلعنة اللّٰہ علی من فرّق بولاء بعضھم - ومعادات البعض فإن عادی أحدھما لم ینفعہ ولاء الآخر وکان عدو اللّٰہ ورسولہ - وأعود فأقول لقد حظیت مؤلفات فضیلتہ - من تنسیق جمیل - وفن بدیع - علاوۃ علی ما حظی بہ من تقاریظ جہابذۃ العلم والدین - وتقدیر المشایخ والعلماء العاملین وقد بیّن فضیلۃ المؤلف ما ورد من الادلۃ الواضحۃ أن خیر ھذہ الأمۃ بعد نبیھا أبو بکر الصدیق ثم عمر الفاروق ثم عثمان ابن عفان ثم أسد اللہ علی ابن أبی طالب ثم من بعد الثلاثۃ أصحاب الشوری الخمسۃ رضوان اللّٰہ علیھم أجمعین ھذا ما خطر علی قلبی وجری بہ لسانی - حررتہ وقت السحر وأنا مسرور بما أطالعہ علیہ من السلسلۃ الذھبیۃ المشار إلیھا - وھکذا یکون العلم والعمل إبتغاء وجہ اللّٰہ ورضوانہ أسأل اللّٰہ الکریم رب العرش العظیم أن یبارک فی عمرہ - و أن یجزلہ المثوبۃ - بمحض فضلہ وکرمہ ومنّہ إن ربی سمیع الدعاء وصلی اللّٰہ علی سیدنا محمد خاتم النبیین وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین

حرر فی ۱۲ - ۱۲ - ۱۴۰۶ھ
طابق ۱۷ - ۸ - ۱۹۸٦م

الفقیر إلی اللّٰہ تعالی
فضل الرحمن بن فضیلۃ الشیخ
ضیاء الدین القادری المدنی
فضل الرحمن
عفا اللّٰہ عنہ آمین

ترجمہ تاثرات

شیخ العرب والعجم عمدۃ الاتقیاء میزبانِ مہمانانِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا

علامہ محمد فضل الرحمن صاحب مدظلہٗ

خلف الرشید شیخ الشیوخ حضرت مولینا ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن

مدینہ شریف، زادھا اللہ شرفاً

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "اگر تیری وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی ایک شخص کو ہدایت فرما دے تو یہ تیرے حق میں سرخ رنگ کے جانوروں کے حاصل ہونے سے کہیں بہتر ہے (یعنی یہ نعمت تمام نعمتوں سے بڑی ہے)۔"

تمام تر خوبیاں اس اللہ پاک کے لیے کہ جس نے اُمتِ محمدیہ کو با عمل علماء کے ساتھ مخصوص فرمایا۔ اور انہیں عام لوگوں کے لیے مرجع قرار دیا اور شریعت مقدسہ پر گمراہ اور اس کے دشمنوں کے لگاتار حملوں کے خلاف محافظ بن کر کھڑے ہوئے اور انہیں شریعتِ پاک کی حفاظت کھرے کھوٹے کی پرکھ کرنے کی ذمہ داریاں سونپی۔

اور بے انتہا اللہ کی رحمتیں اور ان گنت سلام اُس کے مخصوص بندے اور عظیم الشان رسول جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوں جو ہم سب کے آقا حبیب

اور شفاعت فرمانے والے ہیں جنہیں اللہ رب العزت نے اپنی تمام مخلوق اور حضرات انبیاء کرام سے ممتاز بنایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:۔

"بیشک میں تم میں دو بھاری اور گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری اپنی عترت یعنی اہل بیت۔ میں تمہیں اپنی اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا خوف یاد دلاتا ہوں"۔

یہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی قرابت یعنی رشتہ داری کو تمام قرابتوں سے برگزیدہ فرمایا۔ اور آپ کے صحابہ کو ممتاز فرمایا جو ہدایت کے تابندہ ستارے نہیں نہیں بلکہ روشن سورج ہیں۔ اور ان میں سے بعض وہ حضرات ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے فضیلت اور کرامت میں حصہ وافر عطاء فرمایا۔ جیسا کہ خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ وغیرہ۔ اِن سب پر اللہ تعالےٰ کی خوشنودی نازل ہو۔

بعد ازیں میں فاضل کبیر، استاد معظم، قدوۃ السالکین، زبدۃ المحققین والمدققین جناب مولانا محمد علی صاحب (اللہ اُن کی حفاظت فرمائے) کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھ راقم الحروف کو اپنی تالیف کردہ کتابیں بطور ہدیہ عنایت فرمائیں۔ اللہ تعالےٰ میری طرف سے اور اسلام و مسلمانوں کی طرف سے بہترین جزاء عطا فرمائے۔

میں نے اُن کی تالیفات میں سے شیعہ مذہب الموسوم تحفہ جعفریہ کی پہلی اور دوسری جلد کے مختلف مقامات کا مطالعہ کیا اور کئی ایک جگہوں سے مجھے اپنے دوستوں سے سننے کا اتفاق ہوا۔ جن سے مذہب شیعہ کے فاسد عقیدوں کی بیخ کنی کی گئی ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت فاضل علامہ کی قیمتی محنت اور اس عظیم مجموعہ کی تالیف اور تکمیل پر کی گئی اَن تھک محنت لائق صد شکر اور احسان ہے اور حق تو یہ ہے کہ یوں کہا

جائے کہ اِن کی کتابیں دینی علوم کا خزانہ ہیں اور ان سے مقصد کا حاصل کرنا ہر اُس شخص کے لیے بہت آسان کر دیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دین مبین کی معرفت آسان کر دی ہو اور حضور علیہ صلوٰۃ والسلام کی سنتِ پاک کا سمجھنا سہل کر دیا ہو۔

میں نے مصنف موصوف کی شخصیت میں عظیم ہمت اور گہرا اخلاص پایا جس کا ثبوت اِن کی اِس تصنیف کے بارے میں لگاتار شب بیداری اور اَن تھک محنت سے ملتا ہے اور پھر مزید یہ کہ اِس کتاب کی ترتیب اور تقسیم ابواب اور مسئلہ کی علیحدہ فصل سے ملتا ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ انہوں نے قرآنی آیات کو ہر مناسب مقام کی زینت بنایا۔ صحابہ کرام کے فضائل کے سلسلہ میں اکابر علماء کی گراں قدر اور نفیس رساں عبارات اِس کتاب میں درج کی اور اِن حضرات کے ساتھ حسن اعتقاد کے سلسلہ میں جو تحریرات لازم تھیں اُنہیں کتاب کی رونق بنایا اور حضور علیہ صلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے متعلق جو عقائد کا راستہ مستقیم تھا اُسے مضبوطی سے تھامنے کے لیے ضروری حوالہ جات سے کتاب و مزین کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس شخص نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، ازواج اور آپ کی آل پاک کے بارے میں اچھی گفت گو کا انداز اختیار کیا وہ شخص نفاق سے بچ گیا۔ اور جس شخص نے اِن حضرات کے بارے میں نازیبا باتیں کہیں وہ سیدھے راستے سے علیحدہ ہو گیا۔ اور یہ بات سبھی کو معلوم ہے کہ حضور علیہ صلوٰۃ والسلام کی فضیلت اور بزرگی ہی صحابہ کرام کی فضیلت اور بزرگی میں موجزن ہے۔ کیونکہ اِن کی فضیلت آپ ہی کے شجرہ فضیلت کی شاخ ہے۔ اور یہی معاملہ آپ کی آل پاک میں موجود ہے۔ اور اس سے یہ واضح ہوا کہ صحابہ کرام اور آپ کی آل پاک کی فضیلت دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ہی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں۔ لہٰذا ان دونوں میں سے جس کی بھی تعریف یا مذمت کی گئی یقیناً وہ

دوسرے کو بھی شامل ہوگی سو اللہ کی لعنت اُس شخص پر کہ جس نے اِن میں سے بعض کے ساتھ دوستی اور دوسرے بعض کے ساتھ عداوت کرکے تفریق کی۔ تو اگر کسی نے اِن دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ عداوت کا اظہار کیا تو اُسے دوسرے کی محبت ہرگز نفع نہ دے گی۔ اور وہ شخص اللہ اور اُس کے رسول کا دشمن ہوگا۔

میں اپنے موضوع کی طرف واپس آتا ہوں اور کہتا ہوں کہ مصنف مذکور نے اپنی اس عظیم الشان تصنیف میں عبارت سلیس اور فن فصاحت اور بلاغت کے معیار کے مطابق رکھی علاوہ ازیں اِس کتاب کی عظمت اُن تقاریظ سے بھی عیاں ہے۔ جو علم و دین میں ممتاز علماء ہیں اور حضرات مشائخ کرام اور باعمل علماء کی تعریفی تحریرات سے اِس کتاب کی عظمت عیاں ہے اور اس تالیف کی فضیلت اِس واضح دلیل سے بھی ظاہر ہے کہ حضور علیہ صلوٰۃ والسلام کے بعد آپ کی امت میں سب سے بہتر ابوبکر صدیق پھر عمر الفاروق پھر عثمان ابن عفان پھر شیر خدا علی ابن طالب پھر اصحاب شورہ ہیں۔

یہ چند کلمات جو میرے دل میں آئے اور میری زبان سے ادا ہوئے میں نے انہیں سحری کے وقت قلم بند کیا اور میں اس سنہری تالیفات پر مطلع ہو کر انتہائی خوشی محسوس کر رہا ہوں۔ اور اِسی طرح علم و عمل اللہ تعالیٰ کو خوشنودی اور رضامندی کی تلاش کے لیے ہونا چاہیئے۔ عرش عظیم کے مالک اللہ کریم سے میں مصنف کی عمر میں برکت کا طلب گار ہوں اور درخواست گزار ہوں کہ وہ اپنے محض فضل و کرم اور احسان سے اُنہیں ثواب جزیل عطاء فرمائے یقیناً میرا رب دعا سننے والا اور قبول کرنے والا ہے اور ہمارے آقا خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل اور آپکے تمام صحابہ پر رحمتیں نازل فرمائے۔

الفقیر الی اللہ تعالیٰ
فضل الرحمٰن بن فضیلۃ الشیخ
ضیاء الدین القادری المدنی)

فہرست مضامین

تحفہ جعفریہ جلد پنجم

باب اوّل

قتل عثمان غنیؓ میں سیّدہ عائشہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے ملوث ہونے وغیرہ کے مطاعن کا رد۔
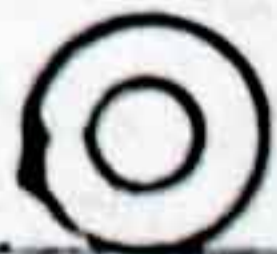
باب اوّل:

قتل عثمان غنی میں سیدہ عائشہ حضرت طلحہ اور زبیر کے ملوث ہونے کے مطاعن

طعن اوّل

جناب عائشہ کا فتویٰ کہ عثمان نعثل کو قتل کرو۔ اللہ اس کو قتل کرے

قول المقبول

ثبوت ملاحظہ ہو۔

۱۔ اہل سنت کی معتبر کتاب سیرت حلبیہ ص ۳۵۶ جلد ۲ باب معجزات نبی

۲۔ " " " مناقب علی ص ۱۱۷ / از محدث خوارزمی

۳۔ " " " تذکرہ خواص الائمہ ص ۳۸ ذکر جمل

۴۔ " " " تاریخ کامل لابن اثیر ص ۱۰۲ جلد ۳ ذکر جنگ جمل

۵۔ " " " تاریخ طبری ص ۳۰۲۱ ذکر جنگ جمل

۶۔ " " " تاریخ ابو الفداء ص ۱۷۲ ذکر جنگ جمل

۷۔ " " " تاریخ اسد الغابہ ذکر صحر بن قیس ص ۱۴ جلد ۳

۸ - اہل سنت کی معتبر کتاب - الاستیعاب فی اسماء الاصحاب ذکر صحر بن قیس ص ۱۸۵/۲

۹ - 〃 〃 〃 الامامۃ والسیاستہ ص ذکر جمل

۱۰ - 〃 〃 〃 فصول المہمہ ص ۲۷ ذکر جمل

۱۱ - 〃 〃 〃 مطالب المسئول ص ۱۱۶ ذکر جمل

۱۲ - 〃 〃 〃 عقد الفرید ص ۱۱۹ جلد ۲ ذکر جمل

۱۳ - 〃 〃 〃 تاریخ یعقوبی ص

۱۴ - 〃 〃 〃 مروج الذہب ص ۹ جلد ۲ ذکر جمل

۱۵ - 〃 〃 〃 حبیب السیر ص ۴۷ جلد ۱ جز ۲

۱۶ - 〃 〃 〃 منہاج السنۃ ص ۱۹۰ جلد ۲ ذکر فضیلت عائشہ

۱۷ - 〃 〃 〃 نہایۃ لابن اثیر ص ۸۰ جلد ۵ لغت نعثل

۱۸ - 〃 〃 〃 قاموس ص ۵۰۰ لغت نعثل مولف فیروز آبادی

۱۹ - 〃 〃 〃 لسان العرب ص ۶۷۰ جلد ۱۱ لغت نعثل

۲۰ - 〃 〃 〃 حیوۃ الحیوان ص ۳۹۵ ذکر نعثل

۲۱ - 〃 〃 〃 الطبقات الکبریٰ ص ۳۷ جلد ۵ ذکر مروان

۲۲ - 〃 〃 〃 اعثم کوفی ص ۱۵۵ ذکر وفات عثمان

۲۳ - 〃 〃 〃 تاریخ ابن خلدون ص ۱۵۴ ذکر جمل

۲۴ - 〃 〃 〃 ترمذی شریف ص ۴۳۴ تفسیر سورہ الاحقاف

۲۵ - 〃 〃 〃 شرح لابن ابی الحدید ص ۱۲۲ جلد ۲

۲۶ - 〃 〃 〃 ریاض النضرۃ ص ۸ جلد ۳ فصل ۳

۲۷ - 〃 〃 〃 تحفہ اثنا عشریہ ذکر مطاعن ص

۲۸ - 〃 〃 〃 روضۃ الصفاء ذکر عثمان

۲۹- اہل سنت کی معتبر کتاب - الانساب للبلاذری ص ذکر عثمان

۳۰- ″ ″ ″ تاریخ خمیس جلد ۲ ص ذکر عثمان

۳۱- ″ ″ ″ اتحاف الوری باخبار ام القری ذکر سنہ ص

۱- المناقب - ۲ - سیرت حلبیہ - ۳ - تذکرہ کی عبارت ملاحظہ ہو

كَتَبَ إِلَى عَائِشَةَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّكِ قَدْ خَرَجْتِ مِنْ بَيْتِكِ عَاصِيَةً لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ تَطْلُبِيْنَ أَمْرًا كَانَ عَنْكِ مَوْضُوْعًا وَتَزْعَمِيْنَ أَنَّكِ تُرِيْدِيْنَ الْإِصْلَاحَ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَخَبِّرِيْنَا مَا لِلنِّسَاءِ وَ قَوْدِ الْعَسَاكِرِ وَالْإِصْلَاحِ بَيْنَ النَّاسِ وَطَلَبْتِ كَمَا زَعَمْتِ بِدَمِ عُثْمَانَ وَعُثْمَانُ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ أُمَيَّةَ وَأَنْتِ اِمْرَأَةٌ مِنْ بَنِيْ تَمِيْمِ بْنِ مُرَّةَ وَلَقَدْ كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ بِالْأَمْسِ اُقْتُلُوْا نَعْثَلًا قَتَلَ اللّٰهُ نَعْثَلًا فَقَدْ كَفَرَ الخ -

ترجمہ:

جنگ جمل سے پہلے جناب امیر نے عائشہ کو یہ خط لکھا - اما بعد! خدا اور رسول کی نافرمانی کرتے ہوئے تو گھر سے باہر نکلی ہے - کیا تو وہ چیز طلب کرتی ہے - جس کی ذمہ داری تجھ پر نہیں ہے تو اپنے گمان میں مسلمانوں میں اصلاح کرنے کا ارادہ رکھتی ہے - ہمیں یہ تو بتا کہ لوگوں میں اصلاح کرنا اور لشکروں کو چلانا اس امر سے عورتوں کا کیا تعلق ہے - تو اپنے گمان میں خونِ عثمان کا بدلہ لینا چاہتی ہے -

عثمان ایک مرد بنی امیہ سے تھا۔ تو ایک عورت بنو تیم بن مرہ سے ہے
اور تو خود چند روز پہلے یہ کہتی تھی۔ نعثل کو قتل کرو۔ خدا اس کو قتل کرے۔
وُہ کافر ہو گیا ہے۔

نوٹ

سیرت حلبیہ میں یہ جملہ بھی خط میں موجود ہے۔ و انت بالا مس تولبین علیہ و تقو لین فی ملاء من اصحاب رسول اللہ اقتلوا نعثلاً فقد کفر قتلہ اللہ۔ کہ تو اے عائشہ لوگوں کو عثمان کے خلاف خود بھڑکاتی تھی۔ اور اصحاب بنی کے سامنے تو خود کہتی تھی۔ کہ نعثل کو قتل کر دیہ کافر ہو گیا ہے خدا اس کو قتل کرے۔

استیعاب اور اسد الغابہ میں لکھا ہے۔ کہ ضحر بن قیس نے جناب عائشہ سے کہا تھا۔ یا امّ المؤمنین تقو لین فیہ و تنا لین منہ۔ کہ تو خود عثمان کی برائی کرتی تھی۔ یہ اشارہ ہے فتویٰ کی طرف نہایۃ اور لسان العرب میں بھی لغت نعثل میں لکھا ہے۔ ومنہ حدیث عائشۃ اقتلوا نعثلاً۔ کہ فتویٰ عائشہ کا تھا۔ کہ نعثل کو قتل کرو۔ اور مراد عائشہ کی عثمان تھا۔

تاریخ کامل اور تاریخ طبری اور اتحاف الوریٰ اور امامہ والسیاسہ میں لکھا ہے۔ کہ عبید بن ابن سلمہ نے جو ابن ام کلاب ہے۔ جناب عائشہ سے کہا۔ وانت امرت بقتل الامام وقلت لنا انہ قد کفر۔ تو نے ہمیں حکم دیا تھا۔ قتل عثمان کا۔ اور فرمایا تھا کہ وہ کافر ہو گیا ہے۔ پس ہم نے اس کے قتل کرنے میں تیرے فتویٰ کی اطاعت کی ہے۔ اور ہمارے نزدیک اصل قاتل وہ ہے۔ جس نے حکم دیا تھا۔ (قول مقبول ص ۵۳۸)

جواب اوّل

حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ذات گرامی پر یہ الزام دھرنا کہ انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایسے جلیل القدر صحابی کے بارے میں فرمایا ”اس نعثل کو قتل کرو“ کسی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں۔ ”قول المقبول“ کے مصنف نجفی شیعی نے قارئین کو مرعوب کرنے اور اپنے کمزور استدلال میں جھوٹی قوت پیدا کرنے کے لیے تیس سے اوپر کتب کا تذکرہ کر دیا۔

اس فہرست میں کچھ تصانیف وہ بھی ہیں۔ جو نجفی کے ہم نوالہ و ہم پیالہ لوگوں کی ہیں۔ لیکن کس عیاری اور مکاری سے سب کے بارے میں لکھ ڈالا ”اہل سنت کی معتبر کتاب“ اس بھلے مانس سے کوئی پوچھے۔ جناب حجۃ الاسلام! مروج الذہب اور تاریخ یعقوبی کس معتبر سنی مصنف کی کتابیں ہیں؟ کاش اپنے بڑے شیخ الاسلام عباس قمی سے پوچھ لیا ہوتا۔ تو وہ ”الکتاب والکنیٰ“ کے ذریعے بول پڑتے۔ بھائی نجفی! اپنوں کو تو معاف کر دیا کرو۔ یہ ہمارے ہی ہیں۔ انہیں کتوں اور سوروں میں کیوں داخل کر رہے ہو۔؟ جو اپنوں کا نہیں بنتا۔ اور اُن کا پاس نہیں رکھتا۔ اُسے کسی دوسرے کی کیا پروا؟

میرے پاس مذکورہ تمام کتب تو سردست موجود نہیں۔ لیکن پھر بھی اسد الغابہ، عقد الفرید، تاریخ ابن خلدون، ریاض النضرۃ اور تاریخ خمیس ہیں۔ ان کتابوں سے میں مذکور حوالہ بہت تلاش کیا۔ لیکن مذکورہ الفاظ کسی میں بھی نہ مل سکے ”نمونہ از خروارے“ کے طور پر اگر ان میں درج شدہ حوالہ کے الفاظ مفقود ہیں تو باقی کے ساتھ دیگر مسطور کتب میں حوالہ کہاں موجود ہو گا۔ اس سے آپ اندازہ لگائیں۔ کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر الزام دھرنے میں ”حجۃ الاسلام“ نے کس ڈھٹائی اور بدفطرتی

کا مظاہرہ کیا۔ عام آدمی پر الزام دھرنا بھی معیوب ہے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مقدسہ پر یہ جرأت اور بے باکی بس انہی کے ہم مشرب "مومنوں" کو نصیب ہو۔ ان کتب میں سے کسی ایک میں بجز ابن جریر طبری کے اس حوالہ و روایت کی سند موجود نہیں۔ روایت مذکورہ کی مسند کے رجال ایسے ہیں۔ کہ شیعہ سنی دونوں کے اسمائے رجال کے مصنفین نے ان میں سے کسی کا حال نہ لکھا۔ جس روایت کا ایک راوی مجہول الحال ہو۔ بقول نجفی وہ قابل قبول نہیں۔ اور جس کا ایک بھی معلوم الحال نہ ہو۔ وہ اس کے نزدیک زوجہ رسول کریم پر الزام دھرنے کے لیے کافی۔ کور باطنی ہی نہیں۔ بلکہ کوڑھ باطنی اس سے بڑھ کر کیا ہو گی کہ روایت ایسی کہ آپ اگر چاہیں کہ اس کے آخری راوی کا نام لے کر اس کو بیان کر سکیں۔ تو ایسا نہیں کر سکیں گے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ روایت حضرت علی المرتضٰی کی ہے۔ یہ حضرت ابن عباس کی ہے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی۔

دیئے گئے حوالہ جات میں مذکورہ روایت کی سند

تاریخ طبری:

كتب الى على بن احمد بن الحسن العجلى ان الحسين بن نصر العطار قال حدثنا ابى نصر بن مزاحم العطار قال حدثنا سيف بن عمر عن محمد بن نويره وطلحة بن الاعلم الحنفى قال وحدثنا عمر بن سعد عن اسد بن عبد الله عمن ادرك من اهل العلم ان عائشة الخ

(تاریخ طبری جلد ۳ جزء ۵ ص ۱۱ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: ابن جریر طبری نے احمد بن حسن عجلی کی تحریر سے اس روایت کا تعلق حسین بن نصر عطار کے واسطہ سے "ابونصر بن مزاحم" کو لکھا ہے۔ پوری روایت میں یہ ایک ایسا راوی ہے۔ جس کے بارے میں کتب اسماء رجال میں کچھ حالات ملتے ہیں۔ جن کا ہم کچھ دیر بعد تذکرہ کریں گے۔ "ابونصر بن مزاحم" نے اِدھر اُدھر سے سند اس کی ان الفاظ پر ختم کی۔ عَنْ مَنْ اَدْرَكَ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ۔ کسی اہل علم نے یہ روایت بیان کی۔ یہ اہل علم راوی کون ہے؟ کیا نام ہے ان کا؟ کہاں کے رہنے والے تھے؟ روایت میں ان کا کیا مرتبہ و مقام ہے؟ کن سے علم حدیث پڑھا؟ تابعی ہیں یا تبع تابعین میں سے؟ کچھ تو بتلاؤ۔ آخر اس روایت کو استدلال کے لیے منتخب کیا گیا۔ اور "حجۃ الاسلام" نے اِسے حجت بنانے کی سر توڑ کوشش کی۔

ع

کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔ کبوتر با کبوتر باز با باز

جیسا "حجۃ الاسلام" ویسی حجت۔ اب آیئے۔ اس میں موجود راوی "نصر بن مزاحم" کی سیرت اور مسلک ملاحظہ کریں۔ تاکہ بات کھل کر سامنے آجائے۔

نصر بن مزاحم کی سیرت و کردار

تنقیح المقال:

نصر بن مزاحم بن یسار المنقری العطار ابوالمفضل

وقال النجاشی نصر بن مزاحم المنقری ....

العطار ابو المفضل کوفی مُسْتَقِيْمُ الطَّرِيْقَةِ صَالِحُ الْاَمْرِ غَيْرُ اَنَّهٗ يَرْوِيْ عَنِ الضُّعَفَاءِ كُتُبُهٗ حِسَانٌ مِنْهَا كِتَابُ الْجَمَلِ........ وَفِي الْوَجِيْزَةِ وَالْبُلْغَةِ اَنَّهٗ مَمْدُوْحٌ وَعَدَّهٗ فِي الْحَاوِيْ فِيْ فَصْلِ الْحِسَانِ وَهُوَ فِيْ مَحَلِّهٖ لِاَنَّهٗ اَمَامِيٌّ بِلَا شُبْهَةٍ كَمَا يَكْشِفُ عَنْهُ شَهَادَةُ النَّجَاشِيْ وَمَنْ تَبِعَهٗ بِاَنَّهٗ مُسْتَقِيْمُ الطَّرِيْقَةِ صَالِحُ الْاَمْرِ مَمْدُوْحٌ وَيُقَوِّيْ كَوْنَهٗ شِيْعِيًّا مَا رَوَاهُ فِي مَحْكِيْ بَصَائِرِ الدَّرَجَاتِ عَنْهُ عَنْ عَمْرِو بْنِ شِمْرٍ عَنْ جَابِرٍ عَنِ الْبَاقِرِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ اللّٰهُ اَخَذَ مِيْثَاقَ شِيْعَتِنَا مِنْ صُلْبِ آدَمَ فَنَعْرِفُ بِذَالِكَ الْمُحِبَّ وَاِنْ اَظْهَرَ خِلَافَهٗ وَبُغْضَ الْمُبْغِضِ وَاِنْ اَظْهَرَ حُبَّنَا اَهْلَ الْبَيْتِ۔

(تنقیح المقال جلد ۳ ص ۲۷۰ باب نصر اخذ۔ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

نصر بن مزاحم بن یسار منقری عطار ابوالمفضل کے متعلق ”نجاشی“ نے کہا۔ یہ شخص سیدھے راستہ پر چلنے والا اور اعمال کا اچھا تھا۔ ہاں اتنی بات ہے۔ کہ روایت اس کی ضعیف راویوں سے ہے۔ اور اس کی تمام تصانیف بہت اچھے مضامین والی ہیں۔ ان میں سے ایک نام ”کتاب الجمل“ بھی ہے۔ وجیزہ اور بلغہ میں اس کے متعلق تحریر ہے۔ کہ یہ شخص تعریف کے لائق تھا ”الحاوی“

نے اس کا شمار حسان (خوب آدمی) میں کیا ہے۔ اور اس کا یہ کہنا بالکل بجا ہے۔ کیونکہ یہ بلاشبہ "امامی شیعہ" تھا۔ نجاشی اور اس کے پیروؤں کی اس بارے میں شہادت موجود ہے۔ کیونکہ انہوں نے اسے مستقیم الطریقہ، صالح الامر اور ممدوح کہا ہے۔ اس کے شیعہ ہونے کی، تقویت اس کی اس روایت سے ملتی ہے۔ جو اس نے "محکی بصائر الدرجات" میں ذکر کی۔ روایت مذکورہ میں بواسطہ عمرو بن شمر عن جابر حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہم شیعہ کا میثاق آدم کی پشت میں ہی لے لیا تھا۔" اس میثاق کی وجہ سے ہم اہلبیت سے محبت رکھنے والے کو جان جاتے ہیں۔ اگرچہ اس کا ظاہر اس محبت کے خلاف نظر آتا ہو۔ اور کینہ پرور کے بغض و عداوت کا ہمیں علم ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ اہل بیت سے بظاہر محبّت کا دَم بھرتا ہو۔

میزان الاعتدال:

نصر بن مزاحم الکوفی عن قیس بن الربیع و طبقتہ رافضی جلد ترکوہ مات سنۃ اثنتی عشرۃ ومائتین حدث عنہ نوح بن حبیب و ابو سعید الاشج وجماعۃ قال العقیلی شیعی فی حدیثہ اضطراب وخطاء کثیر وقال ابو خیثمۃ کان کذابا وقال ابو حاتم واھی الحدیث متروک وقال الدارقطنی ضعیف۔

(۱۔ میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۳۲
حرف النون مطبوعہ مصر قدیم)
(۲۔ لسان المیزان جلد ۶ ص ۱۵۷
مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:۔

نصر بن مزاحم الکوفی، قیس بن ربیع اور اس کے طبقہ کے لوگوں سے روایت کرتا ہے۔ مذہب کے اعتبار سے رافضی ہے۔ کسی جرم کی پاداش میں اس کو کوڑے لگائے گئے۔ محدثین نے اس کی روایت کو ترک کیا ہے۔ اور دو سو بارہ ہجری میں فوت ہوا۔ اس سے نوح بن حبیب ابوسعید اشج اور بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے۔ عقیلی نے اسے شیعی کہا اور اس کی روایت میں اضطراب ہے۔ اور بہت زیادہ خطا کا قول کیا ہے۔ ابو خیثمہ کا کہنا ہے۔ کہ نصر مذکور پرلے درجے کا جھوٹا تھا۔ ابو حاتم نے اسے فضول روایات والا کہا۔ اور اس کو روایت میں

چھوڑ دیا گیا۔ دارقطنی نے بھی اسے ضعیف راوی کہا۔

قارئین کرام! روایتِ مذکورہ میں لے دے کے صرف نصر بن مزاحم کوفی سند میں مذکور تھا۔ کہ جس کا تذکرہ کتب شیعہ اور سنی دونوں میں ملتا ہے۔ ہم نے دونوں کی کتب سے اس کی حالت بیان کر دی ہے۔ آپ اندازہ فرمائیں۔ کہ رافضی، شیعی اور کذاب کے حوالہ سے نجفی شیعی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان والزام لگایا۔ آخر ایسے شخص سے اِس کے سوا اور توقع کیا ہو سکتی تھی حقیقت یہ بھی نظر آتی ہے۔ کہ روایتِ مذکورہ "موضوع" ہے۔ لہٰذا اہلسنت کے خلاف یہ حجت بننے کی قطعاً صلاحیت نہیں رکھتی۔

جواب دوم

روایت مذکورہ کے حوالہ جات میں سے ایک کتاب "الفتوح" بھی ہے جو اعثم کوفی کی تصنیف ہے۔ اس میں روایت کے ساتھ اس کا جواب بھی تحریر ہے۔ ملاحظہ ہو۔

کتاب الفتوح:

اَلَمْ تَكُوْنِيْ تُحَرِّضِيْنَ النَّاسَ عَلٰى قَتْلِهٖ ثُمَّ اِنَّكِ اَظْهَرْتِ عَيْبَهٗ وَقُلْتِ اُقْتُلُوا نعثلا فقد كفر فقالت عائشه له قد قلت ذالك وقالوا ثم رجعت عما قلت لما عرفت خبره من اوله وذالك انكم استتبتموه حتیٰ اذا جعلتموه كالفضة البيضاء قتلتموه

(کتاب الفتوح جلد ۲ ص ۲۴۹ طبع دکن حیدرآباد)

ترجمہ:

کیا تم لوگوں کو حضرت عثمان کے قتل پر برانگیختہ نہیں کرتی رہیں۔ پھر آپ نے اُن کے عیب ظاہر کیے۔ اور کہا کہ نعثل کو قتل کر دو۔ یہ کافر ہو گیا ہے۔ یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواباً فرمایا۔ میں نے ایسا کہا تھا۔ اور دوسرے لوگوں نے بھی کچھ ایسی ہی باتیں کہی تھیں۔ پھر میں نے اپنی باتوں سے رجوع کر لیا تھا۔ کیونکہ مجھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بات مکمل طور پر معلوم ہو چکی تھی۔ اور ان کے خون کا مطالبہ کروں گی۔ کیونکہ تم نے پہلے اُن سے توبہ کا مطالبہ کیا۔ یہاں تک کہ تم نے اُن کو سفید چاندی کی مانند کر دیا۔ پھر شہید کر ڈالا۔

اعثم کوفی کی تصنیف کتاب الفتوح کی عبارت آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ مزے کی بات یہ ہے۔ کہ یہ مصنف سُنّی نہیں۔ اس لیے اس کا جواب کو در خورا عتناء نہ سمجھا جائے بلکہ "میزان الاعتدال" کے حوالہ سے یہ شیعی ہے

میزان الاعتدال:

احمد بن اعثم الکوفی الاخباری المورخ قال یاقوت شیعیا۔

(میزان الاعتدال جلد اول صفحہ نمبر ۱۳۸ حرف الالف مطبوعہ بیروت جدید)

ترجمہ:

احمد بن اعثم الکوفی اِدھر اُدھر کی خبریں بیان کرنے والا ایک تاریخ دان ہے۔ اور بقول یاقوت، یہ "شیعی" ہے۔

دیانت داری کا تقاضا یہ تھا۔ کہ کتب حوالہ جات میں اعثم کوفی کی کتاب کا ذکر

نہ کیا جاتا۔ کیونکہ شیعہ ہونے کی وجہ سے نجفی کا ہم نوا ہے۔ اہل سنت کے لیے اس کا حوالہ بے کار ہے۔ بلکہ اس حوالہ کے ذریعہ تو نجفی نے اپنے سر پر خاک ڈال لی۔ اس کے ہم مسلک گستاخ ام المومنین نفس گستاخی اور طعن کا جواب بھی ذکر کر دیا۔ اور مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کا اپنے پہلے قول سے رجوع ثابت کر دیا۔ اور اس کا سبب بھی بیان کر دیا۔ کہ لوگوں نے خواہ مخواہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر کنبہ پروری کا الزام لگایا۔ تحقیق کرنے پر حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا۔ کہ یہ سب کچھ غلط ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تو ان الزامات سے چاندی کی طرح صاف اور بری ہیں۔ لہٰذا آپ نے ان کے قتل کا بدلہ لینے کا مطالبہ کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اقتلوا نعثلا کے الفاظ بروایتِ صحیحہ ثابت ہی نہیں۔ اور اگر بالفرض اِسے تسلیم کر لیا جائے۔ کہ انہوں نے یہ الفاظ کہے۔ تو پھر اس غلطی سے کہے گئے الفاظ سے رجوع بھی تو ثابت ہے لوگوں نے بے پر کی بات اُڑائی۔ اور مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا بھی دھوکہ کھا گئیں۔ لیکن بعد از تحقیق معلوم ہوا۔ کہ حضرت عثمان ان الزامات سے بری الذمہ ہیں۔ تو آپ نے رجوع کر لیا۔ نجفی شیعی کو اس جرأت پر توبہ کرنی چاہیے۔ جب قائل اپنے قول سے رجوع کر چکا ہے۔ تو پھر اس پر الزام کیونکر دھرا جا سکتا ہے۔ بعد از رجوع، رجوع سے قبل کی بات قابلِ استدلال اور حجت نہیں ہو سکتی۔

جواب سوم

درج شدہ الزام کے ثبوت میں نجفی شیعی نے تقریباً تیس کتب کے حوالہ جات درج کر دیئے۔ ان میں سے بعض کتابوں میں تو الفاظ مذکورہ کا ذکر تک نہیں۔ اور کچھ دوسری بعض میں نقولین ماتقولین کے الفاظ ہیں۔

لیکن اقتلوا نعثلا فقد کفر کے الفاظ ندارد۔ اور جن میں یہ الفاظ موجود ہیں ان میں ماسوائے طبرسی کے کسی میں سند کا ذکر تک نہیں۔ اور طبری میں موجود سند کے راوی ناقابل اعتبار ہیں۔ حوالہ کے لیے درج شدہ کتابوں میں سے ایک کتاب "تاریخ خمیس" بھی ہے۔ اور ایک اور "ریاض النضرۃ" بھی ہے۔ ان دونوں میں اقتلوا نعثلا الخ کے الفاظ بالکل موجود نہیں۔ بلکہ ان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شان ان الفاظ سے بیان کی گئی۔

تاریخ خمیس:

وعن عائشة رضی الله عنها ان النبی صلی الله علیه وسلم قال لعثمان لعلّ الله یقمصك قمیصا فان ارادوك علی خلعه فلا تخلع لهم وعن عائشة قالت قال رسول صلی الله علیه وسلم ادع لی بعض اصحابی قلت ابا بکر قال لا فقلت عمر فقال لا فقلت ابن عمك فقال لا فقلت له عثمان قال نعم فلما جاء قال لی بیده فتنحّیت فجعل رسول الله صلّی الله علیه وسلم یساره ولون عثمان یتغیر فلما کان یوم الدّار وحصر قیل الاّ تقاتل قال لا انّ رسول الله صلی الله علیه وسلم عهد الیّ عهداً وانا صابر نفسی علیه۔

(تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۲۶۴ مطبوعہ بیروت طبع جدید

ترجمہ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ شاید تمہیں اللہ تعالیٰ قمیص (خلافت) پہنائے۔ پھر اگر لوگ تمہیں اس قمیص کے اتارنے پر مجبور کریں۔ تو ان کے کہنے پر مت اتارنا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا۔ کہ میرے کسی صحابی کو بلواؤ۔ میں نے عرض کیا۔ ابوبکر کو فرمایا۔ نہیں۔ عرض کیا عمر کو فرمایا نہیں عرض کیا آپ کے چچا زاد بھائی (علی ابن ابی طالب) کو فرمایا نہیں عرض کیا عثمان کو فرمایا۔ ہاں۔ جب حضرت عثمان آگئے۔ تو آپ نے مجھے ہاتھ سے ایک طرف پردہ میں ہو جانے کا اشارہ فرمایا۔ میں ایک طرف ہو گئی۔ اُدھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جناب عثمان سے سرگوشی میں مشغول ہو گئے دوران گفتگو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا رنگ متغیر ہو رہا تھا۔ پھر جب آپ کے گھر کا محاصرہ کا دن آیا۔ تو لوگوں نے کہا۔ آپ مقابلہ کیوں نہیں کرتے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ مجھ سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عہد لیا تھا۔ میں اسی کے مطابق اپنے نفس پر صبر اختیار کر رہا ہوں۔

الریاض النضرہ:

وفی روایة انها قالت ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال یا عثمان ان ولاك الله تعالیٰ هذا الامر یوما فارادك المنافقون علی ان تخلع قمیصك الذی قمصك الله فلا تخلعه یقول ذالك ثلاث مرات قال النعمان بن بشیر فقلت لعائشة ثم ذکر معنی ما تقدم خرجه ابو الخیر القذوینی الحاکمی وفی روایة عن

عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ يَا عُثْمَانُ اِنْ كَسَاكَ اللّٰهُ قَمِيصًا فَاَرَادُوكَ عَلٰى خَلْعِهٖ فَلَا تَخْلَعْهُ فَوَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَئِنْ خَلَعْتَهُ لَا تَرَى الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ۔

(الریاض النضرۃ جلد ۳ ص ۱۴۔۱۵ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:۔

ایک روایت کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان سے فرمایا۔ اے عثمان! اگر اللہ تعالیٰ تجھے اس کام (خلافت) کی ولایت عطا فرمائے۔ پھر منافقین اس سے ہٹانے کی کوشش کریں۔ تو وہ قمیص (خلافت) جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہنائی۔ اُسے ہرگز نہ اتارنا۔ آپ نے یہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ نعمان بن بشیر کہتے ہیں۔ کہ میں نے سیدہ عائشہ سے عرض کیا۔ پھر جو بیان ہو چکا۔ وہ کہا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت میں یہ موجود ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان سے فرمایا۔ اے عثمان! اگر تجھے اللہ تعالیٰ قمیص (خلافت) پہنا دے اور کچھ لوگ اس کے اتارنے پر مجبور کر دیں۔ تو ہرگز نہ اتارنا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر تو نے اس قمیص کو اتار پھینکا۔ تو تو جنت کو نہ دیکھ سکے گا۔ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گزر نہ جائے۔

ف

تبصرہ:

تاریخ خمیس اور الریاض النضرہ کی عبارت بمعہ ترجمہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ تاریخ خمیس میں اقتلوا نعثلا کے الفاظ سرے سے مفقود اور الریاض النضرۃ میں ان کا تذکرہ موجود ہے۔ لیکن وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ کے طور پر نہیں بلکہ وہ لوگوں کے عثمان غنی کو کہے گئے الفاظ کی نقل ہے۔ یعنی کچھ لوگ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو نعثل (لمبی داڑھی والا) کہتے تھے۔ لوگوں کا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو یہ گستاخانہ الفاظ کہنا اس سے یہ کہاں ثابت ہو گیا۔ کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان کو ان الفاظ سے مخاطب کیا۔ یا لوگوں کو حضرت عثمان کے بارے میں یہ الفاظ کہہ کر قتل پر ابھارا۔ بددیانتی کی انتہا ہے۔ کہ گستاخانہ لفظ تو لوگ کہیں۔ اور نجفی شیعی اس کی نسبت ام المومنین رضی اللہ عنہا کی طرف کر رہا ہے۔ اسی پر آپ قیاس کر لیں۔ کہ تیئیس کتابوں کا نام کس لیے لیا گیا۔

عقل کے اندھے کو یہ نہ سوجھا۔ کہ بے سر و پا روایت ایک طرف اور انہی ام المومنین رضی اللہ عنہا سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں باسند روایت دوسری طرف کہ جس میں حضرت عثمان غنی کی فضیلت کا تذکرہ موجود ہے۔ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کو (باعتبار روایت) اس بات کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے علم تھا۔ کہ حضرت عثمان کو اللہ تعالیٰ خلیفہ بنائے گا۔ اور منافق اس کی شدید مخالفت کریں گے۔ اور مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی پیش نظر تھا۔ کہ اے عثمان! خلافت سے دستبرداری ہرگز نہ کرنا ورنہ جنت میں داخلہ سے محروم ہو جاؤ گے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اس امر کی تعلیم دے رہے تھے۔ کہ شہادت مل جائے۔ تو تمہارے حق میں یہ بہتر ہے۔ ان باتوں کا علم ہوتے

ہوئے پھر انہی مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے پر لوگوں کو اکسایا۔ اور "اقتلوا نعثلا فقد کفر" کے الفاظ کہے کس طرح عقل باور کرسکتی ہے؟

خلاصہ یہ کہ روایت مذکورہ بے سند اور بے اصل ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا سے باسند اور صحیح احادیث ایسی ہیں۔ کہ جو اس کی معارض ہیں۔ تو نجفی کے بقول ان حالات میں قابل قبول وہ روایت ہوگی۔ جو باسند اور صحیح ہو۔ لیکن کیا کریں۔ عقل کا دشمن اپنی بات پر بھی یقین نہیں رکھتا۔ دوسروں کی بات کب درست مانے گا۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

جواب چہارم

"ایک مسند مرفوع اور صحیح حدیث سے مذکورہ طعن کی تردید"

طبقات ابن سعد:

قَالَ اَخْبَرَنَا اَبُوْمُعَاوِیَۃَ الضَّرِیْرُ قَالَ اَخْبَرَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ خَیْثَمَۃَ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ حِیْنَ قُتِلَ عُثْمَانُ تَرَکْتُمُوْہُ کَالثَّوْبِ النَّقِیِّ مِنَ الدَّنَسِ ثُمَّ قَرَّبْتُمُوْہُ تَذْبَحُوْنَہٗ کَمَا یُذْبَحُ الْکَبْشُ ھَلَّا کَانَ ھٰذَا قَبْلَ ھٰذَا فَقَالَ لَھَا مَسْرُوْقٌ ھٰذَا عَمَلُکِ

اَنْتِ کَتَبْتِ اِلَی النَّاسِ تَأْمُرِیْنَھُمْ بِالْخُرُوْجِ اِلَیْہِ قَالَ فَقَالَتْ عَائِشَۃُ لَا وَالَّذِیْ اٰمَنَ بِہٖ الْمُؤْمِنُوْنَ وَکَفَرَ بِہٖ الْکَافِرُوْنَ مَا کَتَبْتُ اِلَیْھِمْ بِسَوْدَاءَ فِیْ بَیْضَاءَ حَتّٰی جَلَسْتُ مَجْلِسِیْ ھٰذَا قَالَ الْاَعْمَشُ فَکَانُوْا یَرَوْنَ اَنَّہٗ کُتِبَ عَلٰی لِسَانِھَا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۸۲ تذکرہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:

ابن سعد نے کہا۔ کہ ہمیں ابو معاویہ ضریر نے خبر دی۔ انہوں نے کہا، ہمیں اعمش نے خیثمہ سے اور انہوں نے مسروق عن عائشہ رضی اللہ عنہا سے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے شہادت عثمان کے وقت فرمایا تم لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو الزامات سے اس طرح بری پایا۔ جس طرح صاف ستھرا کپڑا میل سے دُور ہوتا ہے۔ پھر تم نے قریب قریب انہیں اس طرح ذبح کیا۔ جس طرح مینڈھا کو ذبح کیا جاتا ہے۔ کیا وہ اس سے قبل ایسا نہ ہوتا تھا۔ یہ سُن کر مسروق نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا۔ آپ کا کام تو یہ ہے۔ کہ آپ نے لوگوں کی طرف اپنا یہ پیغام لکھوایا۔ جس میں انہیں حضرت عثمان کے خلاف بغاوت کرنے کا آپ نے حکم دیا تھا؟ مسروق کہتے ہیں۔ کہ میری یہ بات سن کر مائی صاحبہ نے فرمایا۔ خدا کی قسم! جس پر مومن ایمان لائے اور جس کا کافروں نے انکار کیا۔ میں نے لوگوں کی طرف سفید کاغذ پر کوئی ایک حرف بھی نہ لکھا اس وقت تک کہ میں اس مجلس میں تمہارے سامنے بیٹھی ہوں۔ اعمش

کہتے ہیں۔ لوگوں کا یہ خیال تھا۔ کہ کچھ شرارت پسندوں نے خود لکھ کر مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر دیا۔

حدیث مذکور کے راویوں کے حالات

ا۔ مسروق بن الاجدع

تہذیب التہذیب:

مسروق بن الاجدع .... قَالَ عُثْمَانُ الدَّارِمِی قُلْتُ لِابْنِ مَعِیْنٍ مَسْرُوْقٌ عَنْ عَائِشَۃَ اَحَبُّ اِلَیْکَ اَوْ عُرْوَۃُ فَلَمْ یُخَیِّرْ وَقَالَ الْعِجْلِیُّ کُوْفِیٌّ تَابِعِیٌّ ثِقَۃٌ .... وَقَالَ ابْنُ سَعْدٍ کَانَ ثِقَۃً وَلَہٗ اَحَادِیْثُ صَالِحَۃٌ مَاتَ سَنَۃَ ثَلَاثٍ وَّسِتِّیْنَ وَفِیْھَا اَرَّخَہٗ غَیْرُ وَاحِدٍ .... قُلْتُ مُنَا قِبُہٗ کَثِیْرَۃٌ۔

(تہذیب التہذیب لابن حجر العسقلانی جلد نمبر ۱۰ صفحہ نمبر ۱۰۹ تا ۱۱۱ حرف المیم مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:

مسروق بن اجدع .... عثمان دارمی نے کہا۔ میں نے ابن معین سے پوچھا۔ آپ کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت

کرنے کے اعتبار سے جناب عروہ یا مسروق کون بہتر ہے۔ تو انہوں نے کسی کو ترجیح نہ دی۔ عجلی کا کہنا ہے۔ کہ مسروق کوفہ کے رہنے والے ثقہ تابعی ہیں۔ ابن سعد کا کہنا ہے۔ کہ مسروق ثقہ ہیں۔ اور ان کی احادیث درست ہیں ۶۳ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ بہت سے مؤرخین نے ان کی تاریخ وفات یہی لکھی ہے۔ میں (ابن حجر عسقلانی) کہتا ہوں کہ ان کے مناقب بکثرت ہیں۔

۲۔ حیثمہ بن عبد الرحمٰن

تہذیب التہذیب:

حیثمہ بن عبد الرحمن بن ابی سبرہ ....

قَالَ ابْنُ مَعِيْنٍ وَالنِّسَائِيُّ ثِقَةٌ وَقَالَ الْعَجَلِيُّ كُوْفِيٌّ تَابِعِيٌّ ثِقَةٌ وَكَانَ رَجُلًا صَالِحًا سَخِيًّا وَلَمْ يَنْجُ مِنْ فِتْنَةِ ابْنِ الْاَشْعَثِ اِلَّا هُوَ وَاِبْرَاهِيْمُ النَّخَعِيُّ۔

(تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۱۷۸، ۱۸۹
حرف الخاء مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:

ابن معین اور نسائی نے جناب خیثمہ کو ثقہ کہا۔ اور عجلی کا کہنا ہے۔ کہ یہ کوفی تابعی اور ثقہ تھے۔ اور ایک بزرگ و سخی تھے۔ ابن اشعث کے فتنہ میں یہ (حیثمہ) اور ابراہیم نخعی ہی بچے تھے۔

☆

۳- اعمش

تہذیب التہذیب:

قال ابو بکر بن عیاش عن مغیرۃ لمّا مات ابراھیم اِخْتَلَفْنَا اِلیَ الْاَعْمَشِ فِی الْفَرَائِضِ وَقَالَ ھُشَیْمٌ مَارَاَیْتُ بِالْکُوْفَۃِ اَحَدًا اَقْرَأُ لِکِتَابِ اللّٰہِ مِنْہُ وَقَالَ ابْنُ عُیَیْنَۃَ سَبَقَ الْاَعْمَشُ اَصْحَابَہٗ بِاَرْبَعٍ کَانَ اَقْرَأَھُمْ لِلْقُرْاٰنِ وَاَحْفَظَھُمْ لِلْحَدِیْثِ وَاَعْلَمَھُمْ بِالْفَرَائِضِ ...... وَقَالَ شُعْبَۃُ مَا شَفَانِیْ اَحَدٌ فِی الْحَدِیْثِ مَاشَفَانِی الْاَعْمَشُ ...... وَقَالَ ابْنُ عَمَّارٍ لَیْسَ فِی الْمُحَدِّثِیْنَ اَثْبَتُ مِنَ الْاَعْمَشِ۔

(تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۲۲۲،۲۲۳
مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:۔

ابو بکر بن عیاش نے مغیرہ سے بیان کیا۔ کہ جب ابراہیم کا انتقال ہوا۔ تو میراث کے مسائل دریافت کرنے کے لیے ہم جناب اعمش کے پاس جایا کرتے تھے۔ ہشیم کا کہنا ہے۔ کہ میں نے کوفہ میں اعمش سے بڑھ کر کسی کو کتاب اللہ کا قاری نہ پایا۔ ابن عیینہ کہا کرتے تھے۔ کہ جناب اعمش چار باتوں میں اپنے ہم عصروں پر سبقت لے گئے، قرآن کے قاری ہونے، حدیث کے حافظ ہونے اور علم میراث کا عالم ہونے میں .... شعبہ کہتے ہیں۔ کہ فن حدیث میں جو شفاء مجھے اعمش

نے دی وہ کسی دوسرے محدث سے نہ مل سکی .... ابن عمار کا
قول ہے کہ اعمش سے بڑھ کر محدثین کرام میں کوئی بھی مضبوط نہیں۔

۴۔ ابومعاویۃ ضریر

میزان الاعتدال:

اَبُوْمُعَاوِيَةَ الضَّرِيْرُ اَحَدُ الْاَئِمَّةِ الْاَعْلَامِ الثِّقَاتِ لَمْ يَتَعَرَّضْ اِلَيْهِ اَحَدٌ غَيْرُ ابْنِ خَرَاشٍ فَقَالَ هُوَ فِى الْاَعْمَشِ ثِقَةٌ۔

(میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۳۸۲ باب الکنیٰ
مطبوعہ مصر طبع قدیم)

ترجمہ:۔

ابومعاویہ ضریر مشاہیر ائمہ میں سے ایک تھے۔ اور ثقہ بھی تھے۔ ابن خراش کے سوا کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا۔ لیکن اس کے باوجود ابن خراش نے یہ کہا۔ کہ ابومعاویہ جب اعمش سے روایت کرے تو ثقہ ہے۔

لمحۂ فکریہ:

نجفی کی ذکر کردہ روایت آپ حضرات نے ملاحظہ کی۔ جس کی اول تو سند ہی نہیں۔ اور اگر کہیں ملی بھی تو اس کے راوی ناقابل اعتبار۔ اس کے خلاف طبقات ابن سعد سے جو روایت ہم نے ذکر کی۔
اس کے راویوں کے حالات آپ نے کتب اسماء رجال سے ملاحظہ کیے۔

ں روایت کی سند موجود ہے یہ مرفوع ہوتے ہوئے درجۂ صحت کی حامل ہے۔
اس میں مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے حلفیہ اس امر کی تردید فرمائی۔ کہ میں نے لوگوں کو
حضرت عثمان کے قتل پر برانگیختہ کیا تھا۔ بلکہ آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ
کی طرف داری کرتے ہوئے الزامات سے انہیں سفید کپڑے کی طرح پاک قرار
دیا۔ اب ان دونوں روایتوں کا تقابل کریں۔ تو آپ یقیناً یہی فیصلہ کر پائیں گے
کہ نجفی کی طرح اس کی پیش کردہ روایت بے سند اور بے اصل ہے۔ اِسے
محض عداوت اور کینہ کے پیش نظر طعن کے طور پر درج کیا گیا۔ ورنہ مسند، مرفوع
اور صحیح روایت کے مقابل وہ نہیں آسکتی۔

چیلنج

میں نجفی اور اس کے تمام ہم نواؤں کو دعوت دیتا ہوں۔ کہ سیدہ عائشہ
صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائے گئے طعن کے سلسلہ میں روایت مذکورہ کی
سند، مرفوع اور صحیح چاہے خبر واحد ہی ہو۔ پیش کردو۔ تو بیس
ھزار روپیہ نقد انعام پاؤ

طعن نمبر (۲)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے قتل عثمان میں کوشش کی تھی

نہج البلاغۃ

دَخَلَ الْمُغِيْرَةُ ابْنُ شُعْبَةَ عَلٰى عَائِشَةَ فَقَالَتْ يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ لَوْ رَاَيْتَنِيْ يَوْمَ الْجَمَلِ قَدِ انْفَذَتِ النَّصَلُ هَوْدَجِيْ حَتّٰى وَصَلَ بَعْضُهَا اِلٰى جَلَدِيْ قَالَ لَهَا الْمُغِيْرَةُ وَوَدِدْتُ وَاللّٰهِ اَنَّ بَعْضَهَا قَتَلَكِ قَالَتْ رَحِمَكَ اللّٰهُ وَلِمَ تَقُوْلُ هٰذَا قَالَ لَعَلَّهَا تَكُوْنُ كَفَّارَةً فِيْ سَعْيِكِ لِعُثْمَانَ۔

(عقد الفرید جلد سوم ص ۸۷)

ترجمہ:

مغیرہ بن شعبہ حضرت عائشہ کے پاس آیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے عبداللہ!

کاش تم جمل کے موقعہ پر میری حالت دیکھتے۔ کہ کس طرح تیر میرے ہودج کو چیرتے ہوئے نکل رہے تھے۔ یہاں تک کہ کچھ تو میرے جسم سے ٹکرا جاتے تھے۔ مغیرہ نے کہا۔ خدا کی قسم! میں تو یہ چاہتا تھا۔ کہ ان میں سے ایک آدھ تیر آپ کا خاتمہ کر دیتا۔ آپ نے کہا۔ خدا تمہارا بھلا کرے۔ یہ کیسی بات کہہ رہے ہو۔ اس نے کہا۔ یہ اس لیے کہ حضرت عثمان کے خلاف جو آپ نے تگ و دو کی تھی۔ اس کا کچھ تو کفارہ ہو جاتا

(نہج البلاغہ مترجم مفتی جعفر حسین مطبوعہ امامیہ پبلیکیشنز ص ۱۷۰ مطبوعہ لاہور)

جواب اوّل

"عقد الفرید" کی عبارت سے مفتی جعفر حسین نے انصاف نہ کر کے انصاف کا خون کیا ہے۔ وُہ اس طرح کہ مذکورہ حوالہ اس حد تک ذکر کیا گیا۔ جس قدر مفتی کے مطلب کا تھا۔ اگر پوری عبارت درج کر دی جاتی۔ تو حقیقت حال کی وضاحت ہو جاتی۔ پہلے حوالہ مکمل ملاحظہ فرمائیے۔

عقد الفرید

قَالَتْ اَمَا وَاللّٰهِ لَئِنْ قُلْتَ ذَالِكَ لَمَا عَلِمَ اللّٰهُ اِنِّيْ اَرَدْتُ قَتْلَهٗ وَلٰكِنْ عَلِمَ اللّٰهُ اَنِّيْ اَرَدْتُ اَنْ يُّقَاتَلَ فَقُوْتِلْتُ وَاَرَدْتُ اَنْ يُّرْمٰى فَرُمِيْتُ وَاَرَدْتُ اَنْ يُّعْصٰى فَعُصِيْتُ وَعَلِمَ مِنِّيْ اِنِّيْ اَرَدْتُ قَتْلَهٗ لَقُتِلْتُ۔

(جلد ۵ ص ۴۴ مطبوعہ تہران)

ترجمہ:

(مغیرہ ابن شعبہ کا مذکورہ اعتراض سُن کر مائی صاحبہ نے فرمایا۔) اے مغیرہ! اگرچہ تو نے جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا۔ لیکن یہ باتیں اللہ تعالیٰ کے علم میں نہیں۔ ہاں میں نے جو کچھ کیا۔ وہ یہ کہ میں نے ان سے لڑائی اور تیر اندازی کا ارادہ کیا۔ تو ایسا مجھے بھگتنا پڑا۔ میں نے ان کی بات کی نافرمانی کا ارادہ کیا۔ تو لوگوں نے میری بات کی نافرمانی کی۔ خدا کی قسم! اگر میں انہیں قتل کرنے کا ارادہ کرتی۔ تو مجھے قتل کر دیا جاتا۔

وضاحت

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں حد درجہ نرمی تھی۔ جس کی بناء پر مختلف اطراف کے لوگوں کی طرف سے آپ کو تکالیف کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ اس نرمی کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ناپسند کرتی تھیں۔ اس نرمی سے باز رکھنے کے لیے آپ نے کئی ایک ارادے فرمائے۔ لیکن ہر ارادہ الٹا ان کی طرف پلٹتا تھا۔ اس طرح دراصل آپ بتانا یہ چاہتی ہیں۔ کہ حضرت عثمان غنی اپنے مقام پر درست تھے۔ اور ان پر کیے جانے والے اعتراضات درست نہ تھے۔ کیونکہ عثمان غنی ایک کامل انسان تھے۔ عقد الفرید کی عبارت سامنے رکھتے ہوئے ہر صاحب انصاف یہی نتیجہ اخذ کرے گا۔ کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ دراصل جناب مغیرہ بن شعبہ کا مغالطہ دور کر رہی ہیں۔ حوالہ مکمل دیکھ کر مفتی جعفر کی عیاری و مکاری آپ پر واضح ہو چکی ہو گی۔

جواب دوم:

"عقد الفرید" کی مذکورہ عبارت جیسا کہ ظاہر ہے۔ بلا سند ہے۔ اور

یہ بات فریقین کو تسلیم ہے۔ کہ اِدھر اُدھر کی ہر عبارت محل استشہاد اور حجت نہیں بن سکتی۔ ایسی بے سند عبارت سے اتنا بڑا الزام ثابت کیا جا رہا ہے۔ یعنی یہ کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے قتلِ عثمان میں اچھا خاصا کردار ادا کیا تھا۔ اور اگر مفتی اینڈ برادرز اصرار کریں۔ کہ نہیں اس سے عائشہ پر قتل کا الزام یقیناً آتا ہے۔ تو پھر حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ بھی اس میں برابر کے شریک ماننے پڑیں گے۔ اور وہ بھی اسی کتاب کی عبارت سے۔ ملاحظہ ہو۔

عقد الفرید

وَقَالَ حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ لِعَلِیٍّ اِنَّكَ تَقُوْلُ مَا قَتَلْتُ عُثْمَانَ وَلٰكِنْ خَذَلْتَهُ وَلَمْ آمُرْ بِهٖ وَلٰكِنْ لَمْ اَنْهَ عَنْهُ فَالْخَاذِلُ شَرِيْكُ الْقَاتِلِ وَالسَّاكِتُ شَرِيْكُ الْقَاتِلِ۔

(عقد الفرید جلد پنجم ص ۴۴-۴۵
مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:

حسان بن ثابت نے حضرت علی المرتضٰی سے کہا۔ اے علی! آپ کہتے ہیں۔ کہ میں نے عثمان کو قتل نہیں کیا۔ لیکن ذلیل و رسوا کیا ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ میں نے ان کے قتل کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ ان کے قاتلوں کو منع نہیں کیا۔ تو سنو! ذلیل و رسوا کرنے والا بھی قاتل کے ساتھ شریک قتل ہوتا ہے۔ اور قتل ہوتے دیکھ کر چپ سا رہنے والا بھی اس قاتل کا شریک ہی ہوا کرتا ہے۔

مقام غور ۱ کیا جو بات جناب مغیرہ بن شعبہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے
کہی۔ اسی طرح بلکہ اس سے واضح انداز میں حسان بن ثابت نے علی المرتضیٰ کے
سامنے کہی ہے۔ اب فیصلہ مفتی پر ہی چھوڑ دیجئے۔ کہ اگر مغیرہ بن شعبہ کے کہنے
سے سیدہ قتل عثمان میں کوشاں نظر آتی ہیں۔ تو حسان بن ثابت کے الفاظ سے
حضرت علی المرتضےٰ کو کیا کہو گے۔ جو تمہارا جواب وہی ہمارا جواب۔ لیکن ہم اس
مقام پر صرف حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ پر الزام ثابت کرنے والی عبارت
پر اکتفا نہیں کریں گے۔ جیسا کہ مفتی جعفر نے کیا۔ بلکہ عقد الفرید کی عبارت پیش کر
رہے ہیں۔ جس سے حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ اس الزام سے بری نظر آئیں
گے۔ جس طرح سیدہ عائشہ بری تھیں۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

عقد الفرید

وَقَالَ لِلْحَسَنِ وَ لِلْحُسَيْنِ اِذْهَبَا بِسَيْفِكُمَا حَتّٰى
تَقُوْمَا عَلٰى بَابِ عُثْمَانَ فَلَا تَدَعَا اَحَدًا يَصِلُ
اِلَيْهِ بِمَكْرُوْهٍ .... وَخَرَجَتِ امْرَاَتُهُ فَقَالَتْ
اِنَّ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَدْ قُتِلَ نَدَخَلَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ
وَمَنْ كَانَ مَعَهُمَا فَوَجَدُوْا عُثْمَانَ مَذْبُوْحًا
فَاَكَبُّوْا عَلَيْهِ يَبْكُوْنَ وَ بَلَغَ الْخَبَرُ عَلِيًّا وَ طَلْحَةَ
وَالزُّبَيْرَ وَ سَعْدًا وَمَنْ كَانَ بِالْمَدِيْنَةِ فَخَرَجُوْا
وَقَدْ ذَهَبَ عُقُوْلُهُمْ حَتّٰى دَخَلُوْا عَلٰى عُثْمَانَ فَوَجَدُوْهُ
مَقْتُوْلًا فَاسْتَرْجَعُوْا وَقَالَ عَلِيٌّ لِاِبْنَيْهِ كَيْفَ قُتِلَ
اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْتُمَا عَلَى الْبَابِ وَرَفَعَ يَدَهُ فَلَطَمَ

اَلْحُسَيْنَ وَضَرَبَ صَدْرَ الْحَسَنِ۔

(عقد الفرید جلد پنجم ص ۴۰ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:

حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ نے حسنین کریمین کو فرمایا۔ اپنی اپنی تلوار لو اور عثمان غنی کے دروازے پر جا کر کھڑے ہو جاؤ۔ اور دیکھو کسی کو اندر نہ جانے دینا۔ تاکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو کوئی گزند نہ پہنچ پائے ...... تھوڑی دیر بعد جناب عثمان کی بیوی باہر نکلیں اور کہنے لگیں۔ عثمان قتل کر دیئے گئے ہیں۔ یہ سُن کر حسنین کریمین اور دیگر افراد جو موجود تھے۔ سب اندر گئے۔ انہوں نے دیکھا۔ کہ واقعی حضرت عثمان کو ذبح کر دیا گیا ہے۔ سارے سر جھکائے رو رہے تھے۔ یہ خبر حضرت علی، طلحہ، زبیر اور سعد کو بھی پہنچی۔ اور پورے مدینہ میں آناً فاناً پھیل گئی۔ مدینہ کے لوگ یہ خبر سُن کر بے خود ہو گئے۔ سبھی جناب عثمان کے گھر آئے۔ اور انہیں مقتول دیکھ کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ حضرت علی المرتضٰے نے حسنین کریمین سے پوچھا تم دونوں جب دروازے پر پہرا دے رہے تھے۔ تو پھر حضرت عثمان کیسے شہید ہو گئے؟ یہ کہہ کر علی نے ہاتھ اٹھایا۔ اور حسین کے منہ پر دے مارا۔ اور حسن کے سینہ پر مکّہ رسید کیا۔

اس حوالہ سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ قتل عثمان میں شریک نہ تھے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اس جُرم میں ہرگز شریک نہ تھیں۔ صاحب عقد الفرید خود ایک غیر محتاط مصنف ہے،

پھر اس کی ان روایات کی کوئی سند نہیں کہ جس پر تکیہ کیا جا سکے۔ ان حالات میں ایسی عبارات سے کسی پر الزام ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ در اصل قرآنی الفاظ کے مطابق مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا "الطیبات" میں سے ہیں۔ اور جو "الخبیثات" کے زمرے میں ہیں۔ ان کی فطرت میں طیبات پر الزام تراشی ہوتی ہے۔ صاحب عقد الفرید کی غیر محتاط روش پر خود اس کی کتاب کے مقدمہ کی عبارت شاہد ہے۔ ملاحظہ ہو

عقد الفرید

ترجمہ:

صاحب عقد الفرید نے جو کچھ اپنی تصنیف میں جمع کیا ہے۔ وہ ادیبانہ رنگ کے ساتھ ہے۔ جس کے ذریعہ اس کتاب کے پڑھنے والے کو سرور مہیا کرنا مقصود ہے۔ اور اس نے کسی موضوع کو ثابت کرنے کے لیے ایسے اخبار و واقعات ذکر کیے۔ جو موضوع کو ثابت کر سکتے ہیں لیکن ایک صاحب نظر اور صاحب رائے یہ سمجھ جاتا ہے۔ کہ ان کی حقیقت کچھ نہیں ہے۔ اس ضمن میں تم اس کی کتاب میں مذکور احادیث کو دیکھو۔ جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے طور پر پیش کیا گیا۔ لیکن اُن میں صحیح، مردود، ضعیف، متواتر اور موضوع تک موجود ہیں۔ اور جو اس نے تاریخی واقعات اور گزشتہ لوگوں کے حالات کے ضمن میں لکھا۔ اور پہلے بادشاہوں کے متعلق جو کچھ تحریر کیا۔ ان میں عجیب و غریب واقعات، سچے جھوٹے اور ایسے بکثرت ملیں گے جن کا آخری حصہ خود پہلے حصہ کی نقیض نظر آتا ہے۔ بہر حال اس کی غفلت کا مطلب یہ نہیں کہ اس پر وہ کچھ الزامات

لگائے جائیں۔ جن کا وہ مستحق نہیں۔ یہ حقیقت ہے۔ کہ اس نے اپنی اس تصنیف میں بہت سے واقعات اور نوادرات اکٹھے کر دیئے ہیں۔ اور جیسا چاہا اُسے تالیف کی شکل میں پیش کر دیا۔ جو شخص بھی اس کی یہ کتاب پڑھتا ہے۔ اُسے حق حاصل ہے۔ کہ جسے چاہے وُہ لے لے۔ اور جسے چاہے چھوڑ دے۔ اور فن تاریخ کے مصنفین کا اکثر یہی حال ہوتا ہے۔

جواب سوم:

"صاحب عقد الفرید" از روئے عقیدہ اہل تشیع میں سے ہے۔ اور جیسا کہ بارہا گزر چکا ہے۔ کہ ایک شیعہ سے یہ کب ہو سکتا ہے۔ کہ وہ اپنی تحریر و تقریر میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان بیان کرے۔ اس کے شیعہ ہونے کا ثبوت یہ ہے۔

الذریعہ الی تصانیف:

وَحَكَى ابْنُ كَثِيرٍ اَيْضًا اَنَّهُ يَدُلُّ كَلَامُهُ عَلٰى تَشَيُّعٍ۔

(الذریعہ الی تصانیف الشیعہ جلد ۱۵ ص ۲۸۶ عین قاف دال مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:

اور بہت سے علماء کی طرح ابن کثیر نے بھی صاحب عقد الفرید کے

متعلق کہا ہے۔ کہ اس کا کلام اُس کے شیعہ ہونے پر دلالت کرتا ہے

نوٹ

صاحب ذریعہ نے ابن کثیر کے جو الفاظ نقل کیے ہیں۔ اس میں کچھ مضمون ہلکا سا ہو گیا ہے۔ موازنہ کے لیے ابن کثیر کے اپنے الفاظ اور وہ الفاظ جو صاحب ذریعہ نے اس کی طرف سے نقل کیے پیش خدمت ہیں۔ ابن کثیر کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

یَدُلُّ کَثِیْرًا مِنْ کَلَامِہٖ عَلٰی تَشَیُّعٍ

(البدایہ والنہایۃ
جلد ۱۱ ص ۱۹۳)

صاحب عقد الفرید کے کلام کا اکثر حصہ اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ یہ شخص اہل تشیع میں سے ہے۔ اور صاحب ذریعہ نے یوں نقل کئے۔ یَدُلُّ کَلَامُہٗ عَلٰی تَشَیُّعٍ۔ اس کی باتیں اس کے شیعہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ فرق صاف ظاہر ہے۔

معلوم ہوا۔ کہ عقد الفرید کی عبارت سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر ہرگز الزام نہیں آسکتا۔ کیونکہ اس کی خود تردید اسی کتاب میں موجود ہے۔ جس طرح حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ پر الزام اور تردید دونوں موجود ہیں۔ اور اس روایت کے بے سند ہونے کے ساتھ ساتھ اس کتاب کا مصنف ایک تو غیر محتاط آدمی ہے۔ اور دوسرا اس کے کلام کی اکثریت شیعیت کی ترجمان ہونے کی وجہ سے مذکورہ الزام میں کوئی صداقت نظر نہیں آتی۔ اس قسم کی روایات کا سہارا لے کر مفتی اینڈ برادرز کو اپنی روحانی ماں پر اعتراض کرتے

ہوئے شرم آنی چاہیئے۔ کوئی صاحب ایمان اور محبت اہل بیت کا مدعی یہ حرکت ہرگز نہیں کرسکتا۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار۔)

طعن نمبر (۳)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ فتنوں کی جگہ ہے

مرزا یوسف حسین لکھنوی شیعی نے رسالہ "وفات عائشہ" میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ذات پر یہ الزام نقل کیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ان کے گھر کی طرف اشارہ کر کے اسے فتنوں کی آماجگاہ فرمایا۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

وفات عائشہ

محبت و پیار کے باوجود بارہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بی بی عائشہ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ جن سے اس امر کا صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ آپ کی نظر میں ان کی کیا وقعت تھی۔ جو نہ صرف خیالات بلکہ خود

جناب رب العزت کی غیبی خبریں تھیں۔ چنانچہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بالائے منبر عائشہ کے گھر کی طرف اشارہ کر کے تین مرتبہ فرمایا۔

بخاری شریف:

هٰهُنَا الْفِتْنَةُ ثَلَاثًا حَيْثُ يَطْلَعُ قَرْنُ الشَّيْطٰنِ۔

(بخاری شریف جلد دوم صفحہ نمبر ۱۳۲
مطبوعہ مصر)

ترجمہ:-

یعنی یہ ہی فتنہ ہے جہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا تین مرتبہ فرمایا
(وفاتِ عائشہ مصنفہ مرزا یوسف لکھنوی شیعی)

نوٹ

مرزا یوسف حسین لکھنوی اور اس کے اگلے پچھلے اس روایت سے یہ ثابت کرتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی تھی۔ اور اس کا وقوع اس وقت ہوا۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر سے نکل کر بصرہ تشریف لے گئیں۔ اور پھر وہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے لڑائی لڑی۔ جس میں ہزاروں مسلمان شہید ہوئے۔ یوں حضرت عائشہ کا گھر فتنوں کی آماجگاہ بنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا درست ہوا۔

جواب

اہل تشیع کے مذہب کی بنیاد ہی جب ہیرا پھیری پر ٹھہری۔ تو روایات واحادیث میں ایسا کرنا اُن کے گھر کی بات ہے۔ اور پرانی عادت کا اظہار ہے۔ مرزا صاحب بھی اس معاملے کسی سے کم کیوں رہیں۔ آخر لکھنوی ہیں۔

بخاری شریف سے منقول حدیث مذکور کا موضوع یعنی ترجمۃ الباب پر ہی نظر پڑ جاتی۔ تو سمجھ آ جاتا۔ کہ معاملہ کچھ اور ہے۔ لیکن پھر بھولے بھالے سنیوں کو فریب دینا مشکل ہو جاتا۔ اور اپنے عزاداروں کی تسلی نہ ہوتی۔

آیئے ذرا اس ڈھول کا پول کھولیں۔ امام بخاری نے اس حدیث کے لیے ترجمۃ الباب کے طور پر یہ لکھا ہے۔

قَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْفِتْنَةُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ۔

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کہ فتنہ جانب مشرق سے اُٹھے گا۔

اتفاق ایسا تھا۔ کہ منبر شریف پر جب جلوہ فرما ہو کر آپ نے جانب مشرق اشارہ فرمایا۔ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا گھر اسی سمت تھا۔ لکھنوی شریف وغیرہ نے جانب مشرق اشارہ فرمایا۔ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں مقید کر دیا۔ حالانکہ حدیث مذکورہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے لیے کوئی لفظ موجود نہیں۔ کمال تحریف سے حدیث کو لکھنوی نے وہ جامہ پہنایا۔ جس کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔ اگرچہ طعن میں ذکر کردہ روایت میں "من قبل المشرق" کے الفاظ نہیں۔ لیکن اسی جگہ اسی عنوان کے تحت دوسری احادیث میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ جس کا صاف مفہوم یہ کہ آپ نے فتنہ کے لیے "جانب مشرق" کو مخصوص فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی تخصیص نہیں فرمائی۔ لہٰذا جانب مشرق کو حجرۂ عائشہ کے ساتھ مخصوص کرنا۔ اور "من قبل المشرق" کے الفاظ کو ذکر نہ کرنا "تحریف فی الحدیث" ہے۔ اسی مقام پر دو عدد احادیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں اگلے صفحہ پر۔

بخاری شریف:

عن نافع عن ابن عمر انّہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم وھو مستقبل المشرق یقول الا انّ الفتنۃ ھھنا من حیث یطلع قرن الشیطٰن

(بخاری شریف جلد دوم ص ۱۰۵۰، ۱۰۵۱ مطبوعہ دہلی

ترجمہ: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی۔ اس وقت آپ کو رُخ انور جانب مشرق تھا۔ خبردار! فتنے اس جگہ سے اٹھیں گے۔ جہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔

بخاری شریف:

عن نافع عن ابن عمر قال ذکر النّبیّ صلی اللہ علیہ وسلم اللھم بارک لنا فی شامنا اللّٰھم بارک فی یمننا قالوا وفی نجدنا قال اللّھمّ بارک لنا فی یمننا قالوا یارسول اللہ وفی نجدنا فاظنّہ قال فی الثّالثۃ ھناک الزّلازل والفتن وبھا یطلع قرن الشّیطان۔

(بخاری شریف جلد دوم ص ۱۰۵۰، ۱۰۵۱ مطبوعہ دہلی)

ترجمہ:۔

جناب نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی۔ اے اللہ! ہمارے ملک شام میں برکت ڈال دے۔ ہمارے یمن میں برکت نازل فرما۔ حاضرین نے نجد کے بارے میں دعا کے لیے عرض کی۔ آپ نے پھر

شام و یمن کے لیے ہی برکت کی دعا کی۔ پھر نجد کی سفارش کی گئی۔ راوی کہتے ہیں۔ میرا خیال ہے۔ کہ تیسری مرتبہ سوال کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہاں سے زلزلے اور فتنے اٹھیں گے۔ اور شیطان کا سینگ بھی وہیں سے نکلے گا۔

لمحۂ فکریہ

قارئین کرام! بخاری شریف کے ترجمۃ الباب کے تحت درج دو عدد احادیث ہم نے باترجمہ پیش کیں۔ ان میں ازراہ انصاف بتلائیے۔ کہ کہیں کوئی لفظ ایسا ہو جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کا اتہ پتہ دیتا ہو۔ جانب مشرق کا ہی ذکر ہے۔ بخاری شریف وغیرہ کتب حدیث میں جانب مشرق واقع کچھ مقامات کی نشاندہی بھی ملتی ہے۔ رأس الکفر ھھنا و اشار نحو المشرق حیث یطلع قرن الشیطٰن فی ربیعہ و مضر۔ یعنی مشرق کی طرف اشارہ کر کے آپ نے فرمایا۔ کفر کی اصل ادھر ہے۔ جہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔ وہ قبیلہ ربیعہ اور مضر ہیں۔ چونکہ ربیعہ اور مضر جانب مشرق تھے۔ اس کے بلیے اس حدیث اور دوسری احادیث میں کوئی تعارض اور ٹکراؤ نہیں۔ اب بتائیے۔ کہ حضرت عائشہ کا حجرہ کدھر گیا؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کے مطابق واقعی اس سمت سے فتنے اٹھے۔ اور امت مسلمہ کو انہوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مالک بن اشتر کا خروج اور اس کے ساتھیوں کا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کے لیے نکلنا کوفہ سے ہوا۔ جو جانب مشرق میں ہے۔ عبداللہ بن زیاد کا فتنہ جو شہادت امام عالی مقام کا سبب بنا۔ مختار ثقفی مدعی نبوت کا فتنہ روافض کا منبع، معتزلہ کا

مبداء، قرامطہ کا مسکن، خوارج کا نہروان اور دجال کا اصفہان سبھی مدینہ منورہ سے جانب مشرق ہیں۔ ایک سے ایک بڑھ کر فتنہ اور زلزلہ۔ لیکن لکھنوی وغیرہ ان تمام فتنوں اور زلزلوں سے منہ موڑ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سفرِ بصرہ لے بیٹھے۔ اور اس طرح مائی صاحبہ کا گھر انہیں فتنوں کی آماجگاہ نظر آیا۔ ان اندھوں سے کوئی پوچھے۔ بھلا مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرہ سے سیدھی بصرہ کب تشریف لے گئیں۔ آپ وہاں سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئیں۔ کیا آپ کا مکہ معظمہ جانا۔ آپ کے گھر کو فتنہ کی جگہ بنا دے گا۔ پھر وہاں سے عازم بصرہ ہوئیں۔ کیا اس طرح مکہ مکرمہ فتنوں کی جگہ قرار پا جائے گا؟ حجرۂ عائشہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام تھا۔ اور وصال کے بعد آپ اسی میں آرام فرما ہیں۔ کیا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہیں۔ وہ جائے فتنہ ہے۔ نہیں نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ حق و صداقت کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کتب شیعہ سے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں چند حوالہ جات

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری بیماری میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مزاح فرمایا

(۱) **ناسخ التواریخ**

بالجملہ حدیث کنند کہ نخستین رسولِ خدارا در خانہ میمونہ ناتندرستی افتاد و چوں روزے نوبت بمن رسید از آنجا بسرائے من تاویل دا داز قضا مرانیز صدائی بود ناگاہ گفتم وادأسا۔ فرمود چہ زیاں باشد ترا کہ پیش از من وداعے جہاں گوئی تا من ترا تکفین وتجہیز کنم و بر تو نماز برگزارند عائشہ گفت یارسول اللہ گمان من اینست کہ می خواہی در آں روز کہ از دفن من فراغ جستی باذنِ دیگر در خانہ من بساط عرس گسترده فرمائی رسول خدا تبسم کردو فرمود۔ بل انا وراسا قناعت ازاں کہ دردِ سر بہبودی پذیر دلیکن صدائے من دست از من باز نگیرد۔

(ناسخ التواریخ جلد چہارم صفحہ نمبر ۱۱۷
واقعات سال یازدہم)

ترجمہ:

مختصر یہ کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کا آغاز حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے ہوا تھا۔ اور جب میری باری کا دن آیا۔ تو آپ میرے ہاں تشریف

فرما ہو گئے۔ اتفاق سے میں اس وقت دردِ سر کی شکایت میں مبتلا تھی
میں نے دفعتہً "ہائے میرا سر" کہا۔ یہ سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
مجھے فرمایا۔ تیرا کیا نقصان ہوا کہ تو مجھ سے پہلے دنیا کو الوداع کیئے
جا رہی ہے۔ اس لیے تاکہ میں ہی تیرا کفن و دفن کروں۔ اور تجھ
پر نماز پڑھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے عرض کیا۔ یا رسول اللہ!
میرا گمان ہے۔ کہ جب آپ مجھے دفن کر کے فارغ ہو جائیں گے
تو میرے ہی گھر میں کسی نئی دلہن سے خوشی میں مصروف ہوں
گے۔ یہ سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے۔ اور فرمایا۔ یہ بات
نہیں۔ بلکہ یہ ہے۔ کہ ہم نے تیرے الفاظ "ہائے میرا سر"
سے یہ سمجھا۔ کہ تیرا دردِ سر تو ختم ہو جائے گا۔ اور آرام آ جائے گا۔
لیکن ہمارا دردِ سر ہمیں اس دنیا سے لے جا کر ہی چھوڑے گا۔

لمحہ فکریہ

حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری بیماری میں جس انداز
سے سیدہ عائشہ صدیقہ سے مزاح اور دل لگی فرمائی۔ اس سے مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا
کی عظمتِ شان معلوم ہوتی ہے۔ یہ عقیدہ سب کا متفق علیہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم جھوٹ نہیں بولتے۔ اور نہ ہی تقیہ کا سہارا لیتے تھے۔ واقعہ مذکورہ میں
آپ نے فرمایا۔ کہ تمہارے انتقال کر جانے کی صورت میں تمہارا کفن و دفن
اور نماز جنازہ ادا کرنا میرے ذمہ ہے۔ کیا یہ سعادت کم ہے؟ اور آپ کا
یہ فرمان اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد کا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی منافق کی نماز جنازہ پڑھنے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے

روک دیا تھا۔ آپ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ پڑھانے کا اعلان فرما رہے ہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا۔ کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کامل و مکمل مسلمان تھیں۔ اور جنتی تھیں۔ اور مزے کی بات یہ ہے۔ کہ روایتِ مذکورہ غالی شیعہ مرزا محمد تقی صاحب ناسخ التواریخ نے ذکر کی ہے۔ اس پر شیعہ لوگوں کو بڑا بھروسہ ہے۔ اس بااعتماد اور اطمینان بخش شخص نے روایت ذکر کر کے شیعہ برادری کو یہ ماننے پر مجبور کر دیا ہے۔ کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا منافق نہ تھیں۔ لہذا جو لوگ سیدہ کو منافقہ کہتے ہیں۔ دراصل وہ خود منافقہ ہیں۔ اور اللہ کی لعنت کے مستحق روایتِ مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا۔ کہ میرے انتقال کی پہلے باری ہے۔ اور عائشہ کا انتقال بہت بعد ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز و طریقہ سے بالکل واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کو بے پناہ محبت تھی۔ اور انہیں بھی آپ سے انتہائی عقیدت تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری لمحات میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے بتلائے ہوئے کلمات پڑھ کر آپ پر دم کیا

۲- ناسخ التواریخ

از عائشہ خبر کردہ اند پیغمبر مرض را باین کلمات تادمل فرمود۔

اِذْهَبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ اِشْفَعْ اَنْتَ الشَّافِيْ
لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ اِشْفَعْ شِفَاءً شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا۔

وبروایت چوں مریض شدے ہم نفس خودرا بدیں کلمات تعویذ بستی و
دست مبارک بر بدن خود بمالید تا چوں مرض موت پیش آمد و گرانی در
زبان مبارک و اندام افتادی عائشہ ایں دعا بخواند و دست پیغمبر رابگرفت
کہ بر بدن مبارکش بمالد آنحضرت دستِ خود را نجشید و فرمود.......
رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ اَلْحِقْنِیْ بِرَفِیْقِ الْاَعْلٰی۔ وبروایت فرمود۔
اَللّٰھُمَّ بِاَعْلٰی جَنَّتِ الْخُلْدِ۔ وہم گفتہ اند۔ کہ فرمود۔ ایں
تعویذ از یں پیش از بہتر من سُود داشت وامروز پیش سودے نمی دید
(ناسخ التواریخ جلد ۲ ص ۱۱۹ واقعات
سال یازدہم مطبوعہ تہران طبع جدید۔)

ترجمہ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم ان کلمات کے ساتھ مریض پر دَم کیا کرتے تھے "اے
لوگوں کے پروردگار! اس سختی اور بیماری کو دُور فرما دے۔ تو ہی
شفا دینے والا ہے شفا عطا فرما۔ تیرے بغیر کسی کے ہاتھ میں شفا نہیں
ایسی شفا عطا فرما کہ جس کے بعد کوئی پریشانی و بیماری نہ رہے" ایک
روایت میں آیا ہے۔ کہ جب آپ خود بیمار ہوتے تو انہی کلمات کو
پڑھ کر ہاتھ پر دَم کر کے اپنے جسم پر پھیرتے تھے۔ اور آپ کا جب
مرض الموت سے واسطہ پڑا۔ اور آپ کی زبان اقدس اور جسم مبارک
میں گرانی پیدا ہو گئی۔ جس کی وجہ سے یہی دَم حضرت عائشہ صدیقہ
رضی اللہ عنہا پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر پھونک دیا۔ اور
پھر آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کے جسم پر پھیرنے لگیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ اور فرمایا۔ اے میرے پروردگار مجھے معاف کر دے۔ اور رفیق اعلیٰ کے ساتھ مجھے ملا دے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے دعا فرمائی۔ اے اللہ! مجھے ہمیشہ کے لیے اعلیٰ جنت میں پہنچا دے۔ یوں بھی مروی ہے۔ کہ فرمایا۔ اے عائشہ! یہی دم اس سے پہلے مجھے آرام و نفع دیتا تھا۔ لیکن آج کے دن یہ کوئی نفع نہ دے گا۔

قابل غور!

جو بد طینت لوگ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر نفاق اور پیغمبر سے دشمنی کا الزام دھرتے ہیں۔ وہ ان روایات کو پڑھیں۔ اور نظر انصاف سے دیکھیں سیدہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض موت میں وہی کلمات پڑھ کر آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو دم کیا۔ جو آپ خود اپنے اور دوسرے لوگوں کے بیمار ہونے پر پڑھتے تھے۔ اگر معاذ اللہ آپ منافقہ ہوتیں۔ تو اس وقت سے بہتر وقت اور کون سا مل سکتا تھا۔ کوئی ایسا طریقہ اختیار کرتیں۔ جس سے آپ کو نقصان پہنچانا مقصود ہوتا۔ لیکن ایسا نہیں بلکہ شفا یاب ہونے کے لیے یہ کلمات پڑھے اور اپنے ہاتھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو مبارک اور محترم سمجھا۔ اس موقعہ پر اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کوئی ایسی حرکت دیکھ پاتے جو ان کے نفاق پر دلالت کرتی۔ تو فوراً ٹوک دیتے۔ لیکن آپ نے اس کی بجائے یہ فرمایا کہ یہ دم پہلے تو اثر دکھاتا تھا۔ اب کے نہیں دکھلائے گا۔ کیونکہ مجھے رفیق اعلیٰ کے پاس اب چلے ہی جانا ہے۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوا۔ کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دکھ اور بیماری پریشان کر دیتی تھی کیونکہ

کی محبت کی یہ دلیل کوئی کم ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی محبّت سیدّہ عائشہ کے دل میں
اپنے والدین سے بھی زیادہ تھی

۲- منہج الصادقین

مرویست کہ اوّل کسے از ازواج کہ اختیار بقاء نمود عائشہ بود و بعد از آں ازواج دیگر آنرا اختیار نمودند۔ آوردہ اند کو چوں رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایں آیۃ بر ایشاں خواند فرمود شتاب مکنید و با پدرانِ خود در ایں باب مشاورت کنید گفتند یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما را در ایں باب باکسی مشاورت نباید کرد حق تعالیٰ ما را مخیّر گردانیدہ میان زینتِ دنیا و اختیار کردن خدا و رسول و سرائے آخرت را اختیار کردیم آنحضرت شاد شد و حق تعالےٰ ایں آیت فرستاد۔ لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنۢ بعد الایۃ چوں ایشاں ترا اختیار کردند تو نیز زنانِ دیگر را بر ایشاں اختیار مکن۔ (منہج الصادقین جلد ۷ ص ۲۷۹ پارہ ۲۱ سورۂ احزاب)

ترجمہ:

مروی ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج سے جس نے سب سے پہلے اپنا اختیار استعمال کرتے ہوئے آپ کی زوجیت میں رہنا پسند کیا۔ وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کو دیکھ کر دوسری ازواج مطہرات نے ان جیسا ہی فیصلہ کیا۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو مذکورہ آیت پڑھ کر سنائی۔ تو فرمایا۔ فیصلہ میں جلد بازی سے کام نہ لینا اپنے اپنے والدسے اس بارے میں مشورہ کر لینا۔ ازواج مطہرات نے عرض کیا۔ حضور! ہمیں کسی سے بھی مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہی یہ اختیار دیا ہے۔ کہ اگر تم چاہو تو دنیوی زینت لے لو۔ اور اگر چاہو تو اللہ و رسول اور یوم آخرت پر راضی ہو جاؤ۔ ہم نے اپنے اختیار سے دوسری بات پسند کر لی ہے۔ یہ سن کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر آپ پر آیت نازل فرما دی۔ ”لا یحل لک النساء“ جب ان عورتوں نے آپ کو پسند کر لیا تو پھر آپ بھی ان کے علاوہ کسی اور عورت کو نکاح میں لانا پسند نہ کریں۔

لمحہ فکریہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات مذکورہ کی تلاوت جس زوجہ کے سامنے سب سے پہلے فرمائی۔ وہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ کیونکہ آپ جانتے تھے۔ کہ عائشہ اور اس کا والد ایسی باتوں کی تہہ تک پہنچنے والے ہیں۔ اور یہ بھی

کہ نہ ہی سیدہ عائشہ زینت دنیا کو میرے مقابلہ میں پسند کریں گی۔ اور نہ ہی ان کے والد ابو بکر صدیق اس کو تسلیم کریں گے۔ اس کے باوجود آپ نے فرمایا۔ اپنے اپنے باپ سے بھی مشورہ کر لو۔ جلد بازی نہ کرنا۔ جب سیدہ عائشہ نے زینتِ دُنیا کے مقابلہ میں آپ کو پسند کیا۔ تو ساتھ ہی عرض کیا حضور! میری یہ بات آپ تک ہی رہنی چاہیئے۔ لیکن جب یہ آیات دوسری ازواج پر آپ نے تلاوت کیں۔ تو انھوں نے ان کے بارے میں حضرت عائشہ کا ردعمل پوچھا۔ جس پر آپ کو تبلانا پڑا۔

مختصر یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا پر راضی رہنے کا سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ نے اعلان کیا۔ اور پھر ان کی اتباع میں دیگر ازواج مطہرات نے بھی کہا۔ ان کی یہ پسند حقیقت پر مبنی تھی۔ کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی دل جوئی کے لیے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا۔ اے محبوب! جب یہ عورتیں آپ کو پسند کر چکی ہیں۔ تو پھر آپ کو بھی ان پر کسی دوسری کو فوقیت نہ دینی چاہیئے۔ اب ان حالات کو مدنظر رکھ کر ہر صاحب عقل یہی کہے گا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنے اختیار سے اللہ اور اس کے رسول کو پسند کر لیا۔ تو ان کی صداقت اور حقانیت کی بنا پر اللہ اور اس کے رسول نے بھی انہیں پسند فرما لیا۔ جس بنا پر۔ لا یحل لك النساء آیت کریمہ نازل ہوئی ان شواہد کے ہوتے ہوئے پھر بھی اگر کوئی بدفطرت سیدہ عائشہ صدیقہ پر نفاق کی تہمت دھرتا ہے۔ تو ایسے پر اللہ اور اس کے رسول کی پھٹکار نہ ہو گی۔ تو اور کیا ہو گا؟

❊

۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جو حضرت عائشہ کا مقام و مرتبہ تھا۔ اُسے بھی ازواج مطہرات بخوبی جانتی تھیں

قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ:

وَاِنِ امْرَاَۃٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِھَا الخ نازل ہوئی۔ تو اس کے نزول کا جو سبب تھا۔ وہ شیعہ سنی دونوں کی کتب تفسیر و حدیث میں مذکور ہے۔ وُہ واقعہ بالاختصار یہ ہے۔ کہ سودہ بنت زمعہ کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی۔ تو انہوں نے آپ کی زوجیت میں سے نکلنا گوارا نہ کیا۔ اس لیے انہوں نے طریقہ یہ اختیار فرمایا۔ کہ میں اپنے حقوق اور اپنی باری اپنی خوشی سے عائشہ صدیقہ کو دیتی ہوں۔ شاید اس بنا پر مجھے ام المومنین کا شرف پھر مل جائے۔ جب انہوں نے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی۔ تو آپ نے رجوع فرمالیا چونکہ اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ سیدہ عائشہ کی خاطر حضور نے سودہ بنت زمعہ کو دوبارہ نکاح میں لیا۔ لہذا حضرت عائشہ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ تھیں۔ اس بناء پر بعض بے وقوفوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طلاق دینا اور حضرت عائشہ کی خاطر اس سے رجوع فرمانا ناممکن قرار دیا۔ لہذا ہم نے اس بارے میں چند حوالہ جات پیش کیے ہیں ملاحظہ ہوں۔

ؔ

۴۔ منہج الصادقین

حضرت رسالت سودہ بنت زمعہ را طلاق داد او بر سر راہِ آنحضرت نشست تا وقتیکہ آں حضرت پر رسید۔ سودہ بزبان تضرع گفت یا رسول اللہ (ص) رجعت نما بمن بخدا سوگند کہ دوستی مرد در دِل من نمائندہ ولیکن می خواہم کہ فردائے قیامت در زمرۂ زمانِ تو محشورم شوم و نوبت خود را بعائشہ می بخشم حضرت بوے رجعت نمود و نوبت او را در خانۂ عائشہ می بود و ایں آیت واقعہ وے نازل شد۔

(منہج الصادقین جلد سوم ص ۱۲۷ سورۃ النساء زیر آیت و ان مرأۃ خافت من بعلھا الخ)

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی سودہ بنت زمعہ کو طلاق دے دی یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں بیٹھ گئیں۔ جب آپ وہاں سے گزرنے لگے۔ تو انہوں نے بڑی انکساری سے عرض کیا۔ یارسول اللہ طلاق واپس لیجئے۔ خدا کی قسم! میرے دل میں کسی مرد کی دوستی نہیں رہی۔ (یعنی میں کسی اور سے شادی کرنا ہرگز پسند نہیں کرتی) لیکن میری خواہش ہے۔ کہ بروز قیامت میرا بھی آپ کی ازواجِ میں حشر ہو۔ میں اپنی باری حضرت عائشہ کو دیتی ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اُن سے رجوع فرما لیا۔ اور اِن کی باری کے دن آپ حضرت عائشہ کے گھر تشریف فرما ہوتے تھے۔ اور ان امرأۃ

خَافَتْ" آیت کریمہ اسی قصہ پر نازل ہوئی

قابل توجہ:

جیسا کہ روایت بالا سے یہ معلوم ہو گیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات میں سے صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر دو دن متواتر قیام فرمایا کرتے تھے۔ باقی سب عورتوں کے ہاں ایک ایک دن قیام ہوتا۔ اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ حضرت سودہ بنت زمعہ نے اپنی باری حضرت عائشہ کو دے دی تھی۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ حضرت سودہ نے اپنی باری حضرت عائشہ کو دینا اس کا کیوں اظہار کیا۔ طلاق سے رجوع کے لیے کسی اور عورت کو باری بھی دے سکتی تھیں۔ آخر اس پسند کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ ایک شیعہ علامہ سے اس کی وجہ سنیئے

مسالك الافهام

سوده بنت زمعة حين كرهت ان يفارقها رسول الله صلّى الله عليه وسلم وعرفت مكان عائشة من قلبه فوهبت لها يومها

(مسالك الافهام الى ايات الاحكام جلد سوم ص ۲۶۳ كتاب النكاح-)

ترجمہ:

جناب سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جدائی پسند نہ کی۔ اور اس کو دل سے نہ چاہا۔ تو اس کے لیے

انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ کہ اپنی باری حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دے دی۔ یہ اس لیے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ انور میں جو مرتبہ اور مقام تھا۔ جناب سودہ اس سے بخوبی واقف تھیں۔

لمحہ فکریہ

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں شامل رہنے کے لیے جو واسطہ اور طریقہ اختیار کیا۔ شیعہ مولوی بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ کہ سیّدہ عائشہ کی محبوبیّت کی وجہ سے انہوں نے اپنی باری ان کو دینے کا فیصلہ کیا۔ تاکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
اپنی محبوبہ کی وجہ سے مجھے دوبارہ اپنی زوجیّت میں لے لیں۔ تو جن کی بدولت ایک عورت کو منصب ام المومنین ملتا ہے۔ ان کی قدر و منزلت کوئی دوسرا کیسے جان سکتا ہے۔ ایک خاوند کی اگرچند بیویاں ہوں۔ تو عادتًا وُہ ایک دوسری کو اچھا ہرگز نہیں سمجھتی۔ لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے۔ خود سوکن اپنی سوکن کا مقام و مرتبہ جانتی پہچانتی ہے۔ اور انہیں اس مرتبہ کا بخوبی علم بھی تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ انور میں سیّدہ عائشہ کا مقام و مرتبہ جانتی پہچانتی تھیں۔ اسی لیے ان کے واسطے سے اپنا راستہ نکالا ــــــ اور اگر ان کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں محبت نہ ہوتی۔ تو پھر اپنی باری انہیں دینے کے ذریعہ حضور کی خوشی کیونکر پائی جا سکتی تھی؟ اللہ عقل دے۔ تو یہ ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ جس سے حضرت عائشہ صدیقہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باہم محبت ٹپکتی ہے۔

(فاعتبروا یااولی الابصار)

وقت آخر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہ کے لعاب دہن کو اپنے لعاب سے ملا لیا

قرب الاسناد

اخبرنا عبد اللہ ابن محمد بن محمد قال حدثنی موسیٰ بن اسماعیل قال حدثنا عن ابی عن ابیہ عن جدہ جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ علی بن حسین عن ابیہ عن علی بن ابی طالب قال لما احتضر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا اباذر اجلس بین یدی اعقد من ختم لہ بشہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ ومن ختم لہ بحجۃ دخل الجنۃ ومن ختم لہٗ باطعام مساکین دخل الجنۃ ومن ختم لہ بصیام یوم دخل الجنۃ ومن ختم لہ بقیام لیلۃ دخل الجنۃ ومن ختم لہٗ بحجۃ دخل الجنۃ ومن ختم لہ بعمرۃ دخل الجنۃ ومن ختم لہ بجہادٍ فی سبیل اللہ ولو قدر

رَفَوَاقِ نَاقَةٍ دَخَلَ الْجَنَّةَ قَالَ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَالِكَ اِذْ دَعَا بِالسِّوَاكِ فَاَرْسَلَ بِهٖ اِلٰى عَائِشَةَ فَقَالَ لِتُلِيْنَتَهٗ لِيْ بِرِيْقِكِ فَفَعَلَتْ ثُمَّ اُتِيَ بِهٖ فَجَعَلَ يَسْتَاكُ بِهٖ فَيَقُوْلُ بِذَالِكَ رِيْقِيْ عَلٰى رِيْقِكِ يَاحُمَيْرَةُ

(قرب الاسناد جلد دوم ص ۲۱۲ تصنیف ابن جعفر نمیری۔ باب مایوجب الصبر۔ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

(بحذف اسناد) حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف ہونے لگا۔ تو آپ نے حضرت ابوذر کو فرمایا میرے سامنے بیٹھ جاؤ اور شمار کرو۔ وہ آدمی جس کا خاتمہ کلمہ طیبہ پر ہوا جنت میں گیا۔ اور جو مساکین کو کھانا کھلاتے کھلاتے چل بسا۔ وہ بھی جنت میں داخل ہو گیا۔ اگر جہاد کرنے میں، رات قیام کرتے کرتے، حج کے دوران، عمرہ کرتے وقت اور جہاد فی سبیل اللہ کرتے ہوئے مر گیا۔ وہ بھی جنت میں داخل ہو گیا۔ اگرچہ جہاد فی سبیل اللہ کرنے والے نے اونٹنی کے دودھ دوہنے کے برابر جہاد میں حصہ لیا ہو۔ راوی کہتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دوران مسواک منگوائی۔ اور آپ نے پھر اُسے عائشہ کی طرف بھیجتے ہوئے حکم دیا۔ کہ اسے مُنہ میں چبا کر نرم کرو۔ نرم ہونے پر آپ کو پکڑائی گئی۔ جب آپ نے اسے استعمال فرمایا۔ تو سیدہ عائشہ کو فرمانے لگے۔ تیرا لعاب دہن میرے لعاب دہن سے مل گیا

لمحہ فکریہ:

روایت مذکورہ ان راوی حضرات سے مروی ہے۔ جو تمام کے تمام اہل بیت النبیؐ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان حضرات نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت اور بڑائی جس انداز سے بیان فرمائی۔ خدا شاہد ہے ایسی فضیلت کسی دوسری زوجۂ رسول کی بیان نہیں ہوئی۔ قرب الاسناد جلد دوم ص ۱۰۴ کے حوالہ کے پیش نظر مرنے والے کے پاس کسی جنبی یا حیض والی عورت کو نہیں ہونا چاہیئے۔ اسی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی لوگوں کی علامتیں بیان فرمانے کے بعد سب سے آخر میں جو کام کیا۔ وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عظمت کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ آپ کا خشک مسواک انہیں دینا، ان کا کلی کیے بغیر تھوک سے دانتوں میں چبا کر اُسے نرم کرنا۔ پھر اسی طرح دھوئے بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسے اپنے منہ میں استعمال فرمانا۔ اور پھر اس پر یہ فرمانا کہ تیرا تھوک میرے آخری لمحات میں میرے تھوک سے مل گیا۔ کیا یہ تمام باتیں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کامل الایمان اور محبوبۂ رسول خدا ہونے کے لیے کافی نہیں؟ اب بھی اگر کوئی شخص مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا پر تبرا بولتا ہے۔ تو اُسے ڈوب مرنا چاہیئے۔ اہل بیت کے جلیل القدر افراد ان کی عظمت بیان کریں۔ اور وہ محبِ اہل بیت،، ان کو منافقہ کہے۔ ان کے نقائص بیان کرے۔ اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظلم ہو سکتا ہے؟

حضرت عائشہ صدیقہ کا حجرہ مبارکہ کائنات کی ہر چیز سے افضل ہے (حضرت علی المرتضیٰ)

٦- الامالی الشیخ الطوسی

اخبرنا ابن الحمامی المقری ....قال حدثنی جمیع بن عمرو التیمی قال دخلت مع امی وخالتی علی عائشۃ فسئالناھا کیف کان منزلۃ علی علیہ السلام فیکم قالت سبحان اللہ کیف تسئالون عن رجل لما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال الناس این تدفنون فقال علیّ لیس فی ارضکم بقعۃ احب الی اللہ عن بقعۃ قبض فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکیف تسالنی عن رجل وضع یدہٗ علی موضع لم یطمع فیہ احدٌ۔

(الامالی شیخ الطوسی جلد ۱ ص ۳۹۱/ الجزء الثالث عشر، مطبوعہ مکتبہ الداروی قم ایران)

ترجمہ:

(بحذف اسناد) جمیع بن عمرو التیمی کا کہنا ہے۔ کہ میں اپنی خالہ اور والدہ کے ہمراہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر گیا۔ ہم نے مائی صاحبہ سے حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا۔ کہ اُن کا تم میں کیا مقام و مرتبہ تھا۔ فرمانے لگیں۔ سبحان اللہ! تم ایسے شخص کے بارے میں کیسے پوچھ رہے ہو۔ وہ تو وہ ہیں۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ تو لوگوں نے آپ کے دفن کرنے کے بارے میں چہ میگوئیاں شروع کر دیں اس پر حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ لوگو! تمہاری زمین میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی حصہ اور ٹکڑا اس ٹکڑے سے بڑھ کر پسندیدہ نہیں۔ جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا ہے۔ اور تم ایسے شخص کے بارے میں کیا سوال کر رہے ہو۔ جس نے اپنا ہاتھ اس مقام پر رکھا جس میں کسی کو اپنا ہاتھ رکھنے کی امید بھی نہیں ہو سکتی۔

مذکورہ روایت سے درج ذیل تین باتیں ثابت ہوئیں

۱۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا دل حضرت علی المرتضٰی کے بارے میں کدورت اور ناراضگی سے پاک تھا۔ اور آپ اُن کے بارے میں اس بات کی بھی قائل تھیں۔ کہ ان کی بعض خوبیاں کسی دوسرے میں مفقود ہیں۔

۲ - حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کی ذہانت اور فیصلہ پر سب کی مع حضرت عائشہ صدیقہ تسلی ہو گئی۔ اور انہیں کے کہنے پر آپ کی تدفین کی گئی۔

۳ - حضرت علی المرتضٰے کا یہ عقیدہ تھا کہ حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تمام زمین سے افضل اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے۔

لمحہ فکریہ

مسلک شیعہ کے اہم ستون شیخ الطائفہ محقق طوسی جو صحاح اربعہ سے دو کا مصنف بھی ہے (یعنی الاستبصار، تہذیب الاحکام) اس کی کتب سے مذکورہ حوالے نے اہل تشیع کے دو بڑے اعتراض کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں۔ الزام اوّل یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دل میں حضرت علی المرتضٰے کی دشمنی اور ان سے کدورت بھری پڑی تھی۔ اگر یہ الزام کسی طرح بھی درست مان لیا جائے۔ تو مائی صاحبہ نے حضرت علی المرتضیٰ کے بارے میں سوال کرنے والوں کو تعجب کے ساتھ یہ نہ کہا ہوتا۔ کہ تم ایسے شخص کے بارے میں پوچھتے ہو جس کی فلاں فلاں خوبیاں ہیں۔ بلکہ آپ اُن کے نقائص اور عیوب بیان کرتیں۔

دوسرا الزام یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ممبر شریف پر بیٹھ کر مشرق کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ کہ یہاں سے فتنے اٹھیں گے۔ چونکہ عین مشرق میں حضرت عائشہ کا گھر تھا اس لیے یہ گھر فتنوں کی آماجگاہ قرار پایا۔

اگر اس حدیث کا مطلب وہی ہوتا جو اعتراض کرنے والے لیتے کیا تو حضرت علی المرتضٰے حجرۂ عائشہ کو تمام روئے زمین سے اللہ کا محبوب حصہ نہ فرماتے اس لیے حدیث پاک کا صحیح مطلب یہ ہے۔ کہ جانب مشرق یا قع نجد

سے فتنے اٹھیں گے۔ اور اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے۔ جس میں آپ نے یمن و شام کے لیے برکت کی دعا مانگی۔ اس پر آپ کو نجد کے لیے دعا کرنے کی درخواست کی گئی۔ تو آپ نے فرمایا تھا۔ یہاں سے شیطان کے سینگ پیدا ہوں گے فتنے اٹھیں گے۔ علاوہ ازیں ایک اور الزام کی بھی تردید ہو رہی ہے۔ وہ یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ کو سیدہ خاتونِ جنت سے ناراضگی تھی۔ اگر آپ واقعی ناراض تھیں۔ تو آخری الفاظ میں آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جو خصوصی فضیلت بیان فرمائی۔ اس کی کیا ضرورت تھی اس خصوصی فضیلت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سیدہ خاتون جنت کے ساتھ شادی کی بنا پر ایسا مقام ہاتھ آیا۔ جو کسی دوسرے کو میسر نہ آسکتا تھا۔ یہ مقام اس لیے حاصل ہوا۔ کہ حضرت فاطمۃ زہرا رضی اللہ عنہا فضیلت والی تھیں۔ ان کی برکت اور وجہ سے ایسا ہوا۔ کیا کوئی دشمن کی تعریف کیا کرتا ہے اور اس کی خوبیاں بیان کرتا ہے۔؟

فاعتبروا یا اولی الابصار

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بری اولاد، بری بیوی اور برے ساتھی سے پناہ مانگی

۷۔ قرب الاسناد

باب تعوذ النبی من الولد والزوجۃ والصاحب السوء۔ ۱۔ اخبرنا عبد اللہ بن محمد قال اخبرنا محمد قال حدثنی موسیٰ بن اسماعیل قال حدثنا

ابی عن ابیہ عن ابیہ عن علی ابن ابی طالب اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُوْ بِهٰذَا الدُّعَاءِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اِمْرَاَةٍ تُشَيِّبُنِيْ قَبْلَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَّالِدٍ يَكُوْنُ عَلَيَّ رِبْوا وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ مَالٍ يَكُوْنُ عَلَيَّ عِقَابًا وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ صَاحِبِ خَدِيْعَةٍ اِنْ رَاٰى حَسَنَةً دَفَنَهَا وَاِنْ رَاٰى سَيِّئَةً اَفْشَاهَا۔

(قرب الاسناد جلد دوم ص ۲۱۹۔ مطبوعہ نینوای تہران۔ طبع جدید)

ترجمہ:

حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا فرمایا کرتے تھے۔

اے اللہ! میں تیرے حضور ایسی عورت (بیوی) سے پناہ مانگتا ہوں جو مجھے قبل از وقت بوڑھا کر دے۔ اور ایسی اولاد سے پناہ، ڈھونڈتا ہوں۔ جو مجھ پر بوجھ بن جائے۔ اور ایسے مال سے پناہ جو میرے لیے وبالِ جان بن جائے۔ اور ایسے دھوکہ باز دوست سے تیری پناہ جو نیکی دیکھے تو اس کا نام تک نہ لے اور اگر بُرائی دیکھ پائے تو اس کا ڈھنڈورا پیٹے۔

وضاحت

مذکورہ حدیث کی روشنی میں اہلِ تشیع کے چند اعتراضات از خود

ختم ہو جاتے ہیں۔

اوّل: "سیدہ عائشہ صدیقہ (معاذ اللہ) مسلمان نہ تھیں۔ بلکہ کافرہ اور منافقہ تھیں"۔ یہ اس لیے مردود قول ہے۔ کہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے حبیب ومحبوب ہیں۔ اور اللہ پاک آپ کی دعا کو رد نہیں فرماتا۔ اس لیے یہ بھی دعا قبول ہوئی ہو گی۔ اب اس کی قبولیت کے بعد کون ذی عقل تصور کر سکتا ہے کہ ایک بے دین عورت آپ کی زوجیت میں رہے۔

دوسرا یہ بھی اسی لیے ثابت ہو گیا۔ کہ آپ کا کوئی ساتھی (صحابی) بُرا نہیں تھا۔ اور خاص کر رفیقِ غار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اگر بُرے ہوتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر خواہ نہ ہوتے۔ تو آپ انہیں اس آڑے وقت میں کیوں ساتھ لیتے۔

تیسری بات یہ بھی معلوم ہوئی۔ کہ بُرا دوست وُہ ہوتا ہے۔ جو اپنے دوست کی نیکی چھپائے اور برائی ظاہر کرتا پھرے۔ اس کے برعکس ہی اچھا دوست ہو گا۔ یعنی بُرائی سے درگزر کرنے والا اور نیکی کی تشہیر دینے والا اگر اسی قانون پر صدیق اکبر وغیرہ حضرات صحابہ کرام کو پرکھا جائے۔ تو وُہ اچھے اور بہت اچھے دوست اور قابل اعتماد ساتھی نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خاص کر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں سورۃ النور کی متعدد آیات نازل فرمائیں۔ جن میں ان کی طہارت اور پاکیزگی کا صراحت کے ساتھ ذکر کیا۔ الطیبات للطیبین نازل فرما کر سیدہ عائشہ کو "طیبہ" عورتوں میں سے شمار کیا گیا۔

اس مفہوم اور مراد پر تمام مفسرین کرام متفق ہیں۔ ایک اور آیت کریمہ میں آپ کی تمام ازواج مطہرات کا مشترکہ مقام بیان فرماتے ہوئے یہ الفاظ

نازل کیے۔ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ الخ اے پیغمبر محترم کی بیویو! تم دنیا کی کسی عورت جیسی نہیں ہو۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرما کر آپ کو بُری بیوی، بُرے ساتھیوں اور بُری اولاد وبال سے محفوظ رکھا ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

ابن حدید شیعہ کی زبانی

۸۔ شرح ابن حدید

وَ یَنْبَغِیْ اَنْ نَذْکُرَ فِیْ هٰذَا الْمَوْضِعِ طَرَفًا مِّنْ نَسَبِ عَائِشَةَ وَ اَخْبَارِهَا وَمَا یَقُوْلُهٗ اَصْحَابُنَا الْمُتَکَلِّمُوْنَ فِیْهَا جَرْیًا عَلٰی عَادَتِنَا فِیْ ذِکْرِ مِثْلِ ذَالِكَ کَمَا مَرَّوْنَا بِذِکْرِ اَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ اَمَّا نَسَبُهَا فَاِنَّهَا بِنْتُ اَبِیْ بَکْرٍ وَقَدْ ذَکَرْنَا نَسَبَهَا فِیْ مَا تَقَدَّمَ وَاُمُّهَا اُمُّ رُوْمَانَ اِبْنَةُ عَامِرِ بْنِ عُوَیْمِرِ بْنِ عَبْدِ شَمْسِ بْنِ عِتَابِ بْنِ اَذَیْنَةَ بْنِ سُبَیْعِ بْنِ دُهْمَانَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ تَمِیْمِ بْنِ مَالِكِ بْنِ کَنَانَةَ تَزَوَّجَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمَکَّةَ قَبْلَ الْهِجْرَةِ بِسَنَتَیْنِ وَقِیْلَ بِثَلَاثٍ وَهِیَ

بنت ست سنین و قیل بنت لتسع سنین و بنی
علیها بالمدینۃ وھی بنت لتسع لم یختلفوا
فی ذالک وکانت تذکر لجبیر بن مطعم و تسمّٰی
لہ وورد فی الاخبار الصحیحۃ ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم رأی عائشۃ فی المنام
فی خرقۃ حریر فتوفی خدیجۃ رضی اللہ عنہا
فقال ان یکن ھٰذا من عند اللہ یمضہ فتزوّجہا
بعد موت خدیجۃ بثلاث سنین و تزوّجہا
فی شوّال و اعرس بہا فی المدینۃ فی شوّال علی
رأس ثمانیۃ عشر شہرا من مہاجرہٖ الی المدینۃ
وقال ابن عبد البرّ فی کتاب الاستیعاب کانت
عائشۃ یحب ان تدخل النّساء من اھلھا و احبّتھا
فی شوّال علی ازواجھنّ وتقول ھل کان فی نسائہ
احظٰی عندہٗ منّی وقد نکحنی و بنٰی علیّ فی
شوّال قلت تری ھٰذا الکلام علی بعض النّاس
فقال کیف رأت الحال بینھا و بین احماءھا
و اھل بیت زوجھا وروی ابن ابو عمر و بن
عبد البر فی الکتاب المذکور ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم توفی عنھا وھی بنت
ثمانیۃ عشر سنۃ فکانت سنۃ فکان
سنہ معہ تسع سنین و لم ینکح بکرا غیر ھا

وَاستأذنت رسول الله صلى الله عليه وسلم في الكنية فقال لها اكتني بابنك عبد الله بن الزبير يعني ابن اختها فكانت كنيتها ام عبد الله وكانت فقيهة عالمة بالفرائض،،
والشعر والطب وروى ان النبي صلى الله عليه وسلم قال فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على الطعام واصحابنا يحملون لفظة النساء في هذا الخبر على زوجاته لان فاطمة عليها السلام عندهم افضل منها لقوله صلى الله عليه وسلم انها سيدة نساء العالمين وقذفت بصفوان بن معطل السلمى في سنة ست منصرف رسول الله صلى الله عليه وسلم من غزوات بني المصطلق وكانت معه فقال فيها اهل الافك ما قالوا ونزل القرآن ببراتها وقوم من الشيعة زعموا ان الايات التي في سورة النور لم تنزل فيها فانما انزلت في مارية قبطية وما قذفت به مع الاسود القبطي وجحدهم لانزال ذالك في عائشة جحدا لما يعلم ضرورة عن الاخبار المتواترة۔

ا؎ شرح ابن الحدید جلد سوم ص ۲۹۹ تا ۳۰۰ تذکرہ فی شئی من اخبار السیدہ عائشہ الخ مطبوعہ بیروت طبع جدید۔

ترجمہ:

اس مقام پر یہ ذکر کرنا مناسب ہوگا۔ کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نسب کیا تھا۔ اور ان کے بارے میں اخبار کیا ہیں۔ اور ہمارے متکلمین ایسے مقام پر جو کچھ کہا کرتے ہیں وہ بھی کچھ نہ کچھ ذکر کرنا چاہیئے اور وہ بھی ہم اپنی عادات کے مطابق ذکر کریں گے۔ جیسا کہ گزشتہ اوراق میں ہم نے ایک صحابی کے کچھ واقعات بیان کئے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ ابوبکر صدیق کی بیٹی ہیں۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور ان کی والدہ ام رومان بنت عامر الخ ہیں مکہ شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے دو یا تین سال پہلے ان کے ساتھ شادی کی تھی۔ اس وقت ان کی عمر چھ یا سات برس تھی۔ اور ۹ سال کی عمر میں ان کی رخصتی ہوئی۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت جبیر بن مطعم کے سامنے یہی کچھ بیان کیا ہے۔ صحیح اخبار میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں عائشہ صدیقہ کو سرخ ریشمی کپڑے میں لپٹے ہوئے دیکھا۔ پھر جب سیدہ خدیجۃ الکبرای کا انتقال ہو گیا تو آپ نے فرمایا۔ اگر وہ خواب اللہ کی طرف سے تھا تو اللہ تعالیٰ اُسے لازماً پورا فرمائے گا۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کے انتقال کے تین سال بعد سیدہ عائشہ سے شادی کی۔ شوال کے مہینہ میں ہی شادی ہوئی۔ اور اسی مہینہ میں رخصتی بھی۔ اس وقت ہجرت فرمائے ہوئے آپ کو اٹھارہ مہینے گزر گئے تھے۔ ابن عبدالبر نے اپنی تصنیف الاستیعاب

میں کہا ہے۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات پسند تھی۔ کہ عورت کی شادی اور رخصتی شوال میں ہونی چاہیئے۔ اور سیدہ کہا کرتی تھیں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ حصہ لینے والی میں ہی ہوں۔ آپ نے شوال میں مجھ سے نکاح کیا۔ اور اسی مہینہ میں ہم اکٹھے بھی ہوئے۔

میں کہتا ہوں۔ کہ یہ باتیں جب لوگوں کو تبلائی گئیں۔ تو انہوں نے پوچھا۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنا اور اپنی سوکنوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت سے اس حال کا کیسے مشاہدہ کیا۔ ابن عبدالبر روایت کرتے ہیں۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ تو اس وقت سیدہ عائشہ کی عمر اٹھارہ برس تھی۔ گویا آپ کی زوجیت میں انہیں نو سال گزارنے کا وقت ملا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ کے سوا کسی کنواری عورت سے شادی نہیں فرمائی۔ حضرت عائشہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی کنیت کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا۔ اپنی بہن کے بیٹے عبداللہ بن زبیر کی طرف نسبت کرکے اپنی کنیت رکھ لے۔ اسی وجہ سے آپ کی کنیت "ام عبداللہ" تھی۔ بہت بڑی فقیہہ اور علم فرائض، شعر اور طب کی ماہر تھیں روایت میں آیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ کی فضیلت دوسری عورتوں پر ایسی ہے جیسی ثرید کی کھانوں پر۔ ہمارے اصحاب (شیعہ علماء) اس حدیث میں مذکور لفظ النساء کا معنی آپ کی ازواج مطہرات کرتے ہیں (یعنی حضرت عائشہ رض

آپ کی تمام ازواج سے بہتر تھیں) اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اگر اس لفظ کو عام لیا جائے۔ تو ان میں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بھی داخل ہوں گی۔ اور اس طرح حضرت عائشہ صدیقہ ان سے افضل ہوں گی۔ لیکن یہ بات اس لیے درست نہیں ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب فاطمہ کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ فاطمہ دنیا کی تمام عورتوں کی سردار ہے۔ ۶ھ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر صفوان سے تہمتِ زنا لگائی۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوات بنی مصطلق سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ اور سیدہ عائشہ ان کے ہمراہ تھیں۔ اس پر اس واقعہ میں ملوث لوگوں نے جو کہا سو کہا۔ اور قرآن کریم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی ثابت کرنے کے لیے اترا۔

شیعوں کی ایک جماعت کا یہ گمان ہے۔ کہ آیات سورۂ نور حضرت عائشہ صدیقہ کی پاکدامنی پر نازل نہیں ہوئیں۔ بلکہ وہ ماریہ قبطیہ کی پاکدامنی ثابت کرنے کے لیے نازل ہوئیں۔ اِن پر اسود قبطی نے بدکاری کا الزام لگایا تھا۔ لیکن اس شیعہ جماعت کا یہ گمان اور انکار دراصل اُن اخبار متواترہ کا انکار ہے۔ جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی پر شاہد ہیں۔

❁

حوالہ مذکورہ سے ثابت شدہ امور

(۱) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ذات وشخصیت ایسی عظیم ہے۔ کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم خواب میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ریشمی کپڑوں میں لپٹا ہوا دکھایا۔

کتب اہل سنت میں یہی بات تین دفعہ خواب میں دکھانا مرقوم ہے۔ اور یہ بھی کہ دوران خواب یہ آواز آئی۔ کہ یہ آپ کی زوجہ ہونے کا شرف حاصل کریں گی۔ اور یہ خواب چونکہ اللہ کی طرف سے تھا۔ اس لیے پورا ہو کر رہا۔

(۲) تمام عورتوں پر حضرت سیدہ عائشہ کی فضیلت یوں مسلّم ہے۔ جس طرح ثرید کی تمام کھانوں پر۔

(۳) ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگنے سے پاکدامنی اور ان کی عفت کے بیان کے لیے سورۂ نور کی اٹھارہ آیات نازل ہوئیں۔

(۴) سورۂ نور کی وہ آیات جن میں پاکدامنی کا ثبوت ہے۔ اس سے مراد حضرت عائشہ صدیقہ کا ہونا روایاتِ متواترہ سے ثابت ہے۔

(۵) جن شیعوں نے ان آیات کو ماریہ قبطیہ کی پاکدامنی ثابت کرنے کا قول کیا۔ وہ ان کا زعم ہے۔ اور روایات متواترہ کے انکار کی وجہ سے وہ باطل اور ناقابلِ یقین ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

طعن نمبر (۴)

طلحہ اور زبیر (رضی اللہ عنہما) حضرت عثمان کے قاتلوں میں سے ہیں

مترجم نہج البلاغہ:

چنانچہ ابن قتیبہ نقل کرتے ہیں۔ کہ جب مقام اوطاس میں حضرت عائشہ سے منیرہ ابن شعبہ کی ملاقات ہوئی۔ تو اس نے آپ سے دریافت کیا۔ کہ

این تریدین یاام المومنین قالت ارید البصرۃ قال وما تصنعین بالبصرۃ قالت اطلب بدم عثمان قال فھؤلاء قتلۃ عثمان قال فھؤلاء قتلۃ عثمان معک ثم اقبل علی مروان قال لہ این ترید قال البصرۃ قال وما تصنع بھا قال اطلب قتلۃ عثمان قال معک ان ھذین الرجلین قتلا عثمان طلحۃ والزبیر۔

(ترجمہ نہج البلاغہ تصنیف مفتی جعفر حسین ص ۶۵۲

مطبوعہ امامیہ پبلیکیشنز لاہور)

ترجمہ:

اے ام المومنین کہاں کا ارادہ ہے۔ فرمایا بصرے کا۔ کہا۔ کہ وہاں

کیا کام ہے۔ فرمایا خونِ عثمان کا قصاص لینا ہے۔ اس نے کہا کہ عثمان کے قاتل تو آپ کے ہمراہ ہیں۔ پھر مروان کی طرف متوجہ ہوا۔ اور پوچھا کہ تمہارا کہاں کا ارادہ ہے۔ اس نے کہا کہ میں بھی بصرہ جا رہا ہوں۔ کہا کس مقصد کے لیے۔ کہا کہ عثمان کے قاتلوں کا بدلہ لینا ہے۔ اس نے کہا کہ عثمان کے قاتل تمہارے ساتھ ہیں۔ اور انہی طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما نے تو انہیں قتل کیا ہے۔

جواب اوّل:

سیدنا حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما دونوں ایسی شخصیات ہیں۔ کہ وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حقیقی ہی خواہ تھے۔ مفتی جعفر حسین نے امامت والسیاستہ کی جو عبارت بطور حوالہ پیش کی ہے۔ اسی کتاب میں کچھ سطور پہلے یہ بھی مذکور ہے۔ کہ جب قتلِ عثمان کی خبر ان دونوں تک پہنچی۔ تو یہ بے خود ہو گئے۔ اور اس سے قبل یہ حضرات اپنے بیٹوں کو حضرت عثمان کے گھر بطور محافظ مقرر کر چکے تھے۔ یہ حقیقت بھی اسی کتاب میں موجود ہے۔ اور یہ باتیں صرف الامامۃ والسیاستہ میں ہی نہیں بلکہ کتب شیعہ مروج الذہب، ناسخ التواریخ اور ابن حدید شرح نہج البلاغہ میں بھی مذکور ہیں۔ اس امر کی مکمل تحقیق ہم تحفہ جعفریہ جلد چہارم ص ۵۲۱ تا ۵۲۵ کر چکے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کا ایثار دونوں مکتبہ فکر کی کتب میں موجود ہے۔ الامامۃ والسیاستہ میں اس ایثار کی شہادت درج ذیل الفاظ سے ہے۔

الامامۃ والسیاسۃ:

فقالت ان امیر المومنین قد قتل فدخل الحسن والحسین ومن کان معھما فوجدو اعثمان مقتولا قد مثل بہ فاکبوا علیہ یبکون وخرجوا فدخل الناس فوجدو امقتولا فبلغ علیا الخبر وطلحۃ والزبیر وسعد اومن کان بالمدینۃ فخرجوا وقد ذھبت عقولھم فدخلوا علیہ واسترجعوا واکبوا علیہ یبکون حتی غشی علی ثم افاق فقال لا بنیہ کیف قتل امیر المؤمنین وانتما علی الباب فرفع یدہ فضرب الحسن والحسین وشتم محمد ابن طلحۃ ولعن عبد اللہ بن الزبیر وخرج علی وقد سلب عقلہ لا یدری ما یستقبل من امرہ۔

(الامامۃ والسیاسۃ جلد اول ص ۴۴
مطبوعہ مصر طبع جدید)

ترجمہ:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے باہر آکر اطلاع دی۔ کہ عثمان قتل کر دیئے گئے۔ یہ سن کر حسنین رضی اللہ عنہما اندر گئے۔ اور کچھ اور لوگ بھی ان کے ساتھ اندر گئے۔ انہوں نے بھی حضرت عثمان کو مقتول پایا۔ اور دیکھا کہ اُن کا مثلہ کیا گیا ہے۔ سبھی سر جھکا

کر رو پڑے۔ پھر باہر نکلے۔ اس کے بعد اور لوگ اندر گئے۔ انہوں نے بھی حضرت عثمان کو مقتول پایا۔ جب یہ خبر حضرت علی، طلحہ، زبیر اور سعد رضی اللہ عنہم کو پہنچی۔ اور ان کے علاوہ اہل مدینہ نے جب قتل عثمان کی خبر سُنی۔ تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ تمام لوگ ان کے گھر آئے اور انہیں دیکھ کر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔ اور سر جھکائے سبھی رو رہے تھے۔ روتے روتے حضرت علی المرتضیٰ بے ہوش ہو گئے۔ جب دوبارہ ہوش میں آئے۔ تو اپنے دونوں بیٹوں کو پوچھا۔ جب تم دونوں امیر المومنین حضرت عثمان کے دروازے پر پہرہ دے رہے تھے۔ تو وہ شہید کس طرح ہو گئے۔ یہ کہہ کر ہاتھ اٹھایا اور دونوں کو کچھ مارا۔ محمد بن طلحہ کو برا بھلا کہا۔ اور عبداللہ بن زبیر پر لعن طعن کیا۔ حضرت علی المرتضیٰ یہاں سے جب باہر نکلے۔ تو ان کی عقل ٹھکانے نہ تھی۔ اور یہ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ مجھے آئندہ کیا کرنا ہے۔ اور اس معاملہ کا انجام کیا ہو گا۔

قاریٔین کرام! ایک طرف حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کا یہ ایثار اور غمخواری جو ایسی روایات سے ثابت ہے۔ جو صحیح اور مسند ہیں اور دوسری طرف آپ کو قاتلانِ عثمان کے رنگ میں پیش کرنے والی روایات سے الزام دھرا جائے اور صحیح و مسند روایات سے منہ موڑ لیا جائے؟ ایک ہی کتاب میں اب کتنی ستم ظریفی ہے۔ کہ غیر صحیح اور غیر مستند روایات سے الزام دیا جائے اور صحیح و مسند روایات سے منہ موڑ لیا جائے؟ ایک ہی کتاب کی دو مختلف مفہوم کی روایات میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کا کیا یہی طریقہ ہے۔ جو مفتی اینڈ برادرز نے اختیار کیا ہے۔

جواب دوم:

"جنگ جمل" کا تاریخی پس منظر یہی بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اس کا اصل محرک حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصاص تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفہ وقت تھے۔ اور دیگر مسلمان ان سے مطالبہ کر رہے تھے۔ کہ دم عثمان کا بدلہ لیا جائے۔ معاملہ بڑھتا گیا۔ اور نوبت لڑائی تک پہنچ گئی۔ دم عثمان کے بدلہ کا مطالبہ کرنے والے حضرت علی المرتضیٰ کے مدِمقابل تھے۔ ان حضرات میں سے حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔ اس جنگ میں ان دونوں کا کردار کیا تھا۔ شیعہ معتبر کتابوں سے اس کی تفصیل یوں ہے۔

مروج الذہب، ابن حدید وغیرہ میں مذکور ہے۔ کہ جنگ جمل کے دوران جب حضرت علی المرتضیٰ نے حضرت زبیر کو بتایا۔ کہ اے زبیر فلاں دن تو نے مجھ سے ایک مرتبہ معانقہ کیا تھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر تجھے پوچھا تھا۔ زبیر! کیا تمہیں علی سے پیار ہے؟ تم نے جواب دیا تھا حضور! ان سے پیار کیوں نہ ہو۔ یہ تو میری پھوپھی کے صاحبزادے ہیں۔ اس کے بعد سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اے زبیر! ایک وقت آئے گا۔ تو علی کے مقابلہ میں نکلے گا حالانکہ اس وقت علی حق پر ہوگا۔ یہ سنتے ہی جناب زبیر نے فرمایا۔ ہاں تم واقعی حق پر ہو۔ لہٰذا یہ میدان جنگ سے واپس بصرہ جا رہا ہوں۔ جب واپس مڑے تو جناب طلحہ نے انہیں دیکھا۔ پوچھا کدھر کا ارادہ ہے۔ انہوں نے سب کچھ بیان کر دیا۔ اس پر جناب طلحہ نے بھی چاہا۔ کہ وہ میدان جنگ سے چلے جائیں لیکن مروان نے تیر مارا۔ آپ گر گئے۔ اور آخری وقت حضرت علی کی فوج کے ایک آدمی کو گواہ بنا کر رخصت ہو گئے۔ گواہ اس بات کا بنایا تھا۔ کہ میں غلطی پر تھا

اور اب حضرت علی المرتضٰے کی بیعت پر دنیا سے جا رہا ہوں۔ جب حضرت علی المرتضٰے کو اس کا علم ہوا۔ تو فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہ چاہا۔ کہ طلحہ میری بیعت کے بغیر جنت میں جائے۔

(روضۃ الصفاء جلد دوم ص ۴۸۷)

اُدھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک عمرو نامی شخص نے قتل کر کے ان کی زرہ، تلوار اور گھوڑا تینوں حضرت علی المرتضٰے کی خدمت میں پیش کیے۔ ابھی جنگ جاری تھی۔ حضرت علی المرتضٰی نے جب جناب زبیر کی تلوار دیکھی۔ تو فرمایا۔ یہ وہ تلوار ہے۔ کہ جس کے ذریعہ اس کے مالک (زبیر) نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑنے والی مصیبتوں کو دُور کیا تھا۔ پھر حضرت علی المرتضٰی نے جناب زبیر کے قاتل عمرو کو مخاطب کر کے فرمایا۔ تمہیں جہنم مبارک ہو۔ حوالہ کے لیے اخبار الطوال ص ۱۴۹ مروج الذہب ص ۳۶۴، روضۃ الصفاء جلد دوم ص ۴۸۷ ملاحظہ ہوں۔ اس بارے میں تسلی بخش بحث تحفہ جعفریہ جلد سوم ص ۹۲ تا ۱۵۴ پر موجود ہے وہاں ملاحظہ کیجئے۔

ان حوالہ جات سے ہم یہ کہنا چاہتے ہیں۔ کہ اگر جناب طلحہ اور زبیر واقعی عثمان غنی کے قاتلوں میں سے تھے۔ تو پھر دمِ عثمان کا قصاص مانگنے کیوں کھڑے ہوئے۔ کیا قاتل خود اپنی موت کے لیے مطالبہ کرتا ہے۔ کہ میں قاتل ہوں۔ مجھے قصاص کے طور پر قتل کردو۔ دم عثمان کے قصاص کی خاطر لڑنے پر آمادہ ہو گئے لیکن پھر حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد سن کر جنگ کا ارادہ تبدیل کر دیا۔ اگر بناوٹی طور پر قصاص کے لیے کھڑے ہوئے ہوتے تو حضرت علی المرتضٰے کی باتوں میں آکر لڑائی سے منہ کیوں پھیر لیتے۔ لیکن اس کے باوجود آپ کو زندہ واپس نہ آنے دیا گیا۔ اس بر

شیعہ کتب متفق ہیں۔ کہ حضرت زبیر اور جناب طلحہ کو حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ جنتی فرما رہے ہیں۔ کیا ایک مسلمان کا قاتل جنتی ہوتا ہے؟ تو معلوم ہوا۔ کہ حضرت زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہما نہ تو قاتلان عثمان میں سے تھے۔ اور نہ ہی حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے انہیں کوئی عداوت تھی۔ صرف دمِ عثمان کا قصاص چاہتے تھے۔ اور یہ بات درست تھی۔ لیکن حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ بعض پیچیدگی کی بنا پر ابھی قصاص کے معاملہ میں ذرا ڈھیل دے رہے تھے۔ مختصر یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قتل میں نہ تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ تھا۔ اور نہ ہی حضرت طلحہ اور زبیر اس میں ملوث تھے۔ ان حضرات اور حضرت علی المرتضٰی کے درمیان جو نازع ہو گیا۔ وہ ایک غلط فہمی کی بنا پر تھا۔ بالآخر ان حضرات نے حضرت علی کو حق پر سمجھتے ہوئے رجوع کر لیا تھا۔ اس امر کی پوری تحقیق تحفہ جعفریہ میں حصہ سوم اور چہارم میں ہم پیش کر چکے ہیں۔ وہاں ملاحظہ کر لیں۔

جواب سوم:

"الامامۃ والسیاسۃ" جس کے حوالہ سے حضرت طلحہ اور زبیر کو قاتلانِ عثمان میں شمار کیا گیا ہے۔ یہ حوالہ ہمیں قطعاً قبول نہیں۔ یا یوں سمجھیے۔ کہ یہ کوئی حجت نہیں بن سکتا۔ ایک اس لیے کہ روایتِ مذکورہ کے بے سند ہونے کی وجہ سے امکان یہ ہے۔ کہ اِسے مصنف نے خود تراشا ہو گا۔ کیونکہ اس کتاب کا مصنف ناقابل اعتبار آدمی ہے۔ اور دوسرا اس لیے بھی کہ یہ شخص نظریاتی طور پر "کرامیۃ" فرقہ سے متعلق تھا۔ اور روایات کے نقل کرنے میں زیادہ تر اس کا انحصار ابو حنیفہ دینوری پر ہے۔ اور دینوری شیعہ ہے۔

حوالہ ملاحظہ ہو۔

لسان المیزان:

اذ دار القطنی قال کان ابن قتیبہ یمیل الی التشبیہ منحرف عن العترة وکلامہ یدل علیہ۔ وقال البیھقی کان یدی رای الکرامیّة ....وذکر المسعودی فی المروج ان ابن قتیبہ استمد فی کتبہ من ابی حنیفہ الدینوری ......وسمعت شیخی العراقی یقول کان ابن قتیبہ کثیر الغلط

(لسان المیزان جلد سوم ص ۳۵۷ تا ۳۵۹ حرف العین مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:

ابن قتیبہ کے بارے میں دار قطنی نے کہا۔ کہ یہ فرقہ مشبہہ کی طرف مائل تھا۔ اور اہل بیت سے دور رہتا تھا۔ اور اس کا کلام اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ امام بیہقی کا کہنا ہے۔ کہ یہ کرامیة کے اعتقادات کا حامل تھا...... مسعودی نے کہا۔ کہ ابن قتیبہ نے اپنی کتابوں میں زیادہ تر ابو حنیفہ دینوری کی باتوں سے استفادہ کیا ہے۔ میں نے اپنے شیخ العراقی سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ ابن قتیبہ بہت غلطیاں کرنے والا شخص تھا۔

☆

میزان الاعتدال

وقال الحاکم اجمعت امۃ علی ان القتیبی کذاب

(میزان الاعتدال حرف العین جلد دوم ص ۷۷، طبع مصر قدیم)

ترجمہ:

امام حاکم نے کہا۔ کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قتیبی "کذاب" ہے:۔

ایسے مصنف کی تصنیف میں سے حوالہ دینا جو کثیر الغلط، کرامیۃ مشبہہ بلکہ کذاب تک ہو۔ اور پھر حوالہ بھی بلا سند ہو۔ تو اس سے ہر ذی عقل یہی نتیجہ نکالے گا۔ کہ روایت اس کی اپنی گھڑی ہوئی ہے۔ ایسی من گھڑت روایت سے مفتی اینڈ برادرز کا ان لوگوں کے بارے میں ہرزہ سرائی کرنا جنہیں حضرت علی المرتضیٰ جنتی فرما چکے ہوں۔ کون تسلیم کرے گا۔ بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جیتے جی ان کو جنتی کہا ہو۔ ان پر الزام واتہام تراشی کوئی بدنصیب اور ازلی بدبخت ہی کر سکتا ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ قاتلان عثمانؓ سے ہیں

مفتی جعفر حسین شیعی کے دلائل

نہج البلاغۃ:

روی الناس الذین صنفوا فی واقعۃ الدار ان طلحۃ کان یوم عثمان مختفیاً بثوب قد استتر عن اعین الناس یرمی الدار بالسہام اور اس سلسلہ میں زبیر کے خیالات کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

وروو ایضاً ان الزبیر کان یقول اقتلوہ فقد بدل دینکم فقالوا ان ابنک یحامی عنہ بالباب فقال ما اکرہ ان یقتل عثمان ولو بُدِیَ بابنی ان عثمان لجیفۃ علی الصراط غداً۔

(شرح ابن ابی الحدید جلد دوم، ص ۴۰۴ من کلامہ علیہ السلام فی شان طلحۃ وزبیر)

ترجمہ: جن مصنفین نے حضرت عثمان کے قتل کے واقعات تحریر کیے ہیں

وہ کہتے ہیں۔ کہ جس دن حضرت عثمان قتل ہوئے۔ اس دن جناب طلحہ اپنا منہ کپڑے میں لپیٹے ہوئے تھے۔ کیونکہ لوگ آپ کے بارے میں یہ کہتے تھے۔ کہ طلحہ تو وہ شخص ہے۔ جس نے عثمان کے گھر تیراندازی کی۔ تو آپ لوگوں سے شرمندہ تھے۔ اس لیے منہ سامنے کرنے کی جرأت نہ تھی۔

مورخین نے بھی لکھا ہے۔ کہ زبیر کہا کرتے تھے۔ کہ عثمان کو قتل کردو۔ اس نے تمہارا دین تبدیل کر دیا ہے۔ لوگوں نے جناب زبیر کو کہا۔ کہ ادھر آپ انہیں قتل کر دینے پر اکسا رہے ہیں۔ اور ادھر آپ کا بیٹا ان کی حمایت میں ان کے گھر کا پہرہ دے رہا ہے؟ آپ نے کہا۔ خواہ میرا بیٹا ہی پہلے کام آجائے۔ مگر عثمان قتل کر دیا جائے گا۔ تو کل راستے پر مُردار کی صورت پڑا ہوگا۔

(نہج البلاغہ مترجم ص ۱۵۸/ از مفتی جعفر حسین شیعی مطبوعہ لاہور)

جواب اوّل:

جیسا کہ قارئین کرام بخوبی جانتے ہیں۔ کہ مفتی جعفر کا یہ اعتراض "ابن ابی طالب" سے لیا گیا ہے۔ حضرت طلحہ پر اعتراض کے لیے "روی الناس" کے الفاظ ہیں۔ جن کا معنی "لوگوں نے روایت کی ہے" ہے۔ یہ لوگ کون ہیں۔ ان کی روایت کس کتاب سے لی گئی ہے۔ اس کا کوئی تذکرہ نہیں۔ اسی طرح حضرت زبیر پر اعتراض کے لیے "رووا ایضا" یعنی انہی لوگوں نے یہ روایت بھی کی ہے۔ بھی نامعلوم اور مجہول افراد کی طرف صراحت کرتے ہیں۔ اس لیے جب ہمیں ان قائلین کا نام نہیں بتلایا گیا۔ تو پھر ہمارے سامنے اس کا قائل خود "ابن ابی الحدید"

ہی ہوا۔ اس اعتبار سے کہ ان باتوں کے قائل مجہول ہیں۔ یہ روایت حجت نہیں بن سکتی اور اس اعتبار سے کہ "ابن ابی الحدید" نے انہیں ذکر کیا۔ تو اس کے شیعہ ہونے کی بنا پر ایسی روایات واپس اس کے منہ پر دے ماری جاتی ہیں۔ "ابن ابی الحدید" کے شیعہ ہونے پر ہم کئی ایک مقام پر حوالہ جات ذکر کر چکے ہیں۔ سردست دو نئے شواہد پیش خدمت ہیں۔ مقدمہ شرح ابن حدید میں محمد ابو الفضل ابراہیم نے اس کے بارے میں یہ وضاحت کی ہے۔

مقدمہ شرح ابن حدید

ولد فی المدائن فی غسرہ ذو الحجۃ سنت ست و ثمانین وخمسمائۃ ونشا بھا و تلقی عن شیوخ علماودرس المذہب الکلامیۃ ثم مال الیٰ مذہب الاعتزال منہا وکان الغالب علی اہل المدائن التشیع والتطرف والمغالاۃ فساد الی دربھم وتمیل مذہبھم ونظم القرصائد المعروفۃ بالعلویات علی طریقتھم وفیہا غالی وتشیع وذہب بہ الاسراف فی کثیران ابیاتھا کل مذہب یقول فی احداھا۔

ورایت دین الاعتزالِ وانئی
اھوی لاجلك کل من یتشیع
ولقد علمت بانہ لا بہ من
مھد یکمو لیومہ اتوقع

تحمیہ من الالد کتائب،
کالیمرا قبل زاخرایتد قع
فیھا لآل ابی الحدید صوارم
مشھورۃ ورماح خط شرع

(شرح ابن الحدید۔ تحقیق
محمد ابو الفضل ابراھیم
الجزء الاول مقدمہ ص ۱۴)

ترجمہ:

ابن ابی الحدید مدائن میں ذوالحجہ ۵۸۶ھ کی ابتدائی تاریخوں میں پیدا ہوا۔ وہیں نشوونما پائی۔ وہاں کے شیوخ سے علم حاصل کیا۔ اور مذہب کلامیہ سیکھا۔ پھر مذہب اعتزال کی طرف مائل ہوا۔ ان دنوں اہل مدائن زیادہ تر شیعہ تھے اور انحراف اور غلو ان میں رچا لیا ہوا تھا۔ اس لیے یہ بھی ان کے طریقہ پر چل نکلا۔ اور ان کے مذہب کا قائل ہو گیا۔ اس نے "علویات" کے عنوان سے مشہور قصیدے لکھے۔ ان قصائد میں بھی اس نے اہل مدائن کی روش اپنائی ہے۔ اور شیعیت کے علاوہ انحراف و غلو سے کام لیا۔ ان میں سے ایک قصیدہ یہ ہے

میں نے مذہب اعتزال پسند کر لیا ہے۔ اور اس کی وجہ سے ہر وہ شخص جو شیعہ ہے۔ میرا دوست ہے

اور میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ کہ تمہارا مہدی ضرور آئے گا میں اس کی آمد کے دن کا منتظر ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے لشکر کے لشکر اس کی حمایت کریں

گے۔ جو ٹھاٹھیں مارتے دریا کی طرح آئیں گے۔
ان میں آل ابی الحدید کی تلواریں سونتی ہوں گی۔ اور خطی نیزے لہرا رہے ہوں گے۔

نوٹ:

یہاں یہ خیال آسکتا ہے۔ کہ ابن ابی الحدید کو شیعہ ثابت کرنے والا دو محمد ابوالفضل ابراہیم" کہیں خود سنی نہ ہو۔ لہذا اس بارے میں ہم ایک مشہور شیعہ مجتہد شیخ عباس قمی سے اس کے حالات دریافت کرتے ہیں۔ کہ یہ کیا تھا؟۔

الکنی والالقاب:

(ابن ابی الحدید) عز الدین عبد الحمید بن محمد بن محمد بن الحسین بن ابی الحدید المدائنی الفاضل الادیب المورخ الحکیم الشاعر شارح نہج البلاغہ المکرمہ وصاحب القصائد السبع المشہورہ کان مذھبہ الاعتزال کما شہد لنفسہ فی احدی قصائدہ فی مدح امیر المؤمنین علیہ السلام بقولہ۔

ورایت دین الاعتزال واننی
اھوی لاجلك كل من يتشيع

(الکنی والالقاب جلد اول ص ۱۹۳ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

ابن ابی الحدید عز الدین عبدالحمید بن محمد بن محمد بن الحسین بن ابی الحدید المدائنی فاضل، ادیب، مورخ، حکیم شاعر، نہج البلاغۃ کا شارح اور سات مشہور قصائد کا مصنف اس کا مذہب اعتزال تھا۔ جیسا کہ ایک قصیدہ میں خود اس کی گواہی دیتا ہے۔ کہ میں معتزلہ ہوں۔ یہ قصیدہ اس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تعریف میں کہا ہے۔

میں نے دین اعتزال کو دیکھا پرکھا۔ (اور قبول کیا) اور میں بے شک تیرے لیے ہر شیعہ کو دوست رکھتا ہوں۔

شرح ابن ابی الحدید کے مقدمہ میں ابن ابی الحدید کے بارے میں مزید یہ تحریر موجود ہے۔

اختلط بالعلماء من اصحاب المذاهب ثم جنح الی الاعتزال و اصبح کما یقول صاحب نسمة السحر معتزلیا جاخطیا فی اکثر شرحه نهج البلاغة کان شیعیا غالیا۔

ترجمہ:

ابن ابی الحدید نے مختلف مذاہب کے علماء سے میل جول رکھا۔ بالآخر مذہب اعتزال کی طرف جھکا۔ اور معتزلی ہو گیا۔ اور ایسا معتزلی ہوا۔ کہ صاحب نسمۃ السحر، نے اسے جاخطی معتزلی کہا ہے نہج البلاغۃ کی شرح میں بھی اس نے اکثر مقامات پر اعتزال کو گھسیٹا۔ اگرچہ یہ پہلے پہل غالی شیعہ تھا۔

نوٹ:۔

"نسمۃ السحر" نامی کتاب کہ جس کے مصنف نے اس میں ابن ابی الحدید کو جاخطی معتزلی لکھا۔ اس کتاب کا تعارف یہ ہے۔

الذریعۃ الی تصانیف:

نسمۃ السحر بذکر من تشیع و شعر ۔ فہرس لبعض شعراء الشیعتیہ لضیاء الدین یوسف بن یحیی بن المؤید باللہ محمد بن منصور .... قال فی اولہ وخصصت بالجمع السالم کل تشیع بولایۃ الوصی ولم اذکر غیر المشاھیر ان لا یدخل بین الصفور العصافیر

(الذریعۃ الی تصانیف الشیعۃ ۔ جلد ۲۴ ص ۱۵۴ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:

"نسمۃ السحر" ان لوگوں کے حالات وواقعات پر مشتمل ہے۔ جو شیعہ اور شاعر ہوئے۔ اس کا تصنیف کرنے والا ضیاء الدین یوسف بن یحیی بن مؤید باللہ محمد بن منصور ہے۔ اس نے کتاب کے شروع میں یہ لکھا۔ "میں نے اپنی یہ تصنیف ان شیعہ شعراء کے لیے مخصوص کی ہے۔ جو حضرت علی المرتضیٰ کی ولایت کے ماننے

والے ہیں۔ اور میں نے ان میں سے بھی صرف مشہور شیعہ شعراء کے حالات و واقعات لکھے ہیں۔ تاکہ چڑیاں اور باز جمع نہ ہو جائیں۔

ان حوالہ جات سے ”ابن ابی الحدید“ کا شیعہ ہونا ثابت کر دیا ہے، کیونکہ اگر شیعہ نہ ہوتا۔ تو کتاب ”نسمۃ السحر“ میں اس کا نام و نشان تک نہ ہوتا۔ بلکہ یہ تو مشاہیر شیعہ شعراء میں سے ہے۔ اور ”ولایتِ علی“ کا معتقد ہے۔ ابو العباس قمی نے بھی اس کے بارے میں یہی کہا۔ تو ایسے غالی شیعہ کا حوالہ کہ حضرت طلحہ اور زبیر معاذ اللہ قاتلان عثمان میں سے ہیں۔ کون تسلیم کرے گا۔

شیعہ اور غالی پھر اس کے منہ سے حضرت عثمان غنی اور سیدنا طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کی تعریف؟ اللہ تعالیٰ کو یہ ہرگز منظور نہیں۔

لہذا حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کو از روئے نقل و درایت حضرت عثمان کے قاتلوں سے شمار نہیں کیا جا سکتا۔

جواب دوم:

سیدنا حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کو از روئے نقل و درایت حضرت عثمان کے قاتلوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو ان دس خوش نصیبوں میں شامل فرمایا ہے۔ جو جیتے جی جنتی تھے اور اس بات کو ”ابن ابی الحدید“ نے بھی تسلیم کیا ہے۔

شرح ابن حدید:

وطلحة احد العشره المشهودة لهم بالجنة واحد اصحاب الشورى وكان له فى الدفاع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم احد اثر عظيم وشلت بعض اصابعه يومئذ وقى رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده من سيوف المشركين وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم يومئذ اليوم اوجب طلحة الجنة والزبير هو ابو عبد الله الزبير بن العوام ابن خويلد بن اسد بن عبد العزى بن قصى امه صفيه بنت عبد المطلب بن هاشم بن عبد مناف عمة رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو احد العشره ايضا واحد الستة ممن ثبت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم احد وابلى بلاء حسنا وقال النبى صلى الله عليه وسلم لكل نبى حوارى وحوارى الزبير۔

(شرح ابن الحدید جلد اول ص ۷۶ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ان دس خوش قسمت صحابہ میں سے ہیں۔ جن

کے جنتی ہونے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن صحابہ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

جناب طلحہ بھی ان میں سے ایک تھے۔ اور غزوہ احد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرنے میں ان کی گرانقدر خدمات ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بچاؤ کرنے میں ان کی کچھ انگلیاں ضائع ہو گئیں۔ آپ نے مشرکین کی تلواروں کے وار اپنے ہاتھوں پر لیے۔ اس دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آج کے دن طلحہ کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جن کا نسب نامہ یوں ہے۔ عبداللہ زبیر بن العوام ابن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔ ان کی والدہ صفیہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف تھیں۔ یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ میں پھوپھی تھی۔ حضرت زبیر بھی ان دس خوش بختوں میں سے ایک ہیں۔ جن کو جنت کی بشارت دی گئی تھی۔ اور آپ ان چھ افراد میں سے ایک ہیں۔ جو غزوہ احد کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ اور انہوں نے اچھا اجر پایا۔ ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ "ہر نبی کا کوئی نہ کوئی حواری ہوتا ہے۔ اور میرا حواری زبیر ہے"

حوالہ بالا سے معلوم ہوا۔ کہ سیدنا حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما یقینی طور پر جنتی ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے فضائل بھی بیان فرمائے۔ لہذا ایک جنتی شخص کا کبیرہ گناہ کا ارتکاب بعید از عقل ہے۔ اس لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قتل (جو کبیرہ گناہ ہے) میں انہیں ملوث کرنا

ہر گز درست نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا سے بہت سے شواہد ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ دونوں حضرات قتلِ عثمان میں کسی طرح بھی شریک نہ تھے۔ ورنہ اپنے اپنے بیٹوں کو ان کی حفاظت کے لیے کھڑا نہ کرتے۔ اور شہادت عثمان کی خبر سن کر نہ روتے۔ اور نہ ہی قصاص کا مطالبہ کرتے۔

جواب سوم:

بفرضِ محال اگر تسلیم کر لیا جائے۔ کہ ان دونوں کا قتل عثمان میں دخل تھا۔ تو جنگ جمل میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ ان کی ہاں میں ہاں ملا کر حضرت علی کے خلاف لڑائی میں نہ اترتے۔ کیونکہ ان دونوں کا مطالبہ یہ تھا۔ کہ عثمان کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے۔ اگر یہی قاتل ہوتے تو لوگ ان کے ہم آواز ہونے کی بجائے انہیں پکڑتے اور قصاص میں مروا دیتے۔ جنگ جمل کے دوران حضرت علی المرتضیٰ نے جب جناب زبیر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ اور کلام یاد دلایا۔ تو یہ فوراً لڑائی سے سبکدوش ہو گئے۔ اگر واقعی قصاصِ عثمان محض ایک فریب ہوتا۔ تو کسی صورت میں جنگ سے یہ دستبردار نہ ہوتے۔ انہیں جاتے دیکھ کر حضرت طلحہ بھی میدان جنگ چھوڑ کر چل پڑے۔ لیکن دونوں کو شہید کر دیا گیا۔ ان کی شہادت پر حضرت علی المرتضٰے نے جو کچھ فرمایا۔ ہم اس کا تذکرہ گزشتہ اوراق میں کر چکے ہیں۔ ایک کو جنتی فرمایا۔ اور دوسرے کے قاتل پر لعنت بھیجی اور جہنمی کہا۔ ان دونوں صاحبوں کو حضرت عثمان غنی کی شہادت کا بہت دکھ ہوا اس دکھ کی وجہ سے حضرت علی کے خلاف میدان میں نکلے۔ جب اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ تو فوراً رجوع کر لیا۔ یہ ان کی سیرت کی عظمت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ اس لیے ایسے عظیم المرتبت انسانوں کو قتل عثمان ایسے جرم میں ملوث کرنا قطعاً

زیب نہیں دیتا۔ بات صرف اتنی تھی۔ کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور جناب طلحہ و زبیر اس بات پر کچھ ناراض تھے۔ کہ حضرت عثمان غنی بے جا نرمی کیوں برتتے ہیں۔ یہ ایسی ناراضگی نہ تھی۔ کہ قتل تک نوبت پہنچ جاتی۔ یوں سمجھئے جیسا گھر میں بہن بھائیوں کے مابین ناراضگی ہو جاتی ہے۔ اس قسم کی ناراضگی سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نہیں بن جاتے جس طرح ان حضرات پر قتل عثمان کا الزام دھر اگیا۔ اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر الزام دھر اگیا۔ ہم جنگ صفین کے ضمن میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے وہ اقوال نقل کر چکے ہیں جس میں آپ نے اپنی صفائی میں بہت کچھ کہا تھا۔ حتیٰ کہ حجر اسود کے پاس کھڑے ہو کر قسم دے کر یہ کہنے کو تیار تھے۔ کہ قتل عثمان میں میرا قطعاً ہاتھ نہیں ہے۔

لیکن ابن سبا یہودی ملعون نے جو جال حضرت عثمان غنی کے اِرد گرِد بچھا رکھا تھا۔ اسی کی وجہ سے اس یہودی کے حواریوں نے حضرت عثمان غنی کو شہید کر دیا۔ پھر انہی قاتلین سے قصاص کے مطالبہ میں امت مسلمہ کے درمیان دو جنگیں ہوئی۔ ایک جنگ جمل اور دوسری جنگ صفین۔ ان دونوں جنگوں میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان شہید ہوئے۔ لیکن یہودیوں کو پھر بھی چین نہ آیا۔ اور اس کے بعد پھر سے چال چلی۔ اور کسی طرح بھی مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو پارہ پارہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اور آج تک وہ اپنی اسی چال پر چل رہے ہیں۔ لیکن مسلمان ہیں کہ باہم دست و گریبان ہیں۔ اور اخوت و اسلامی بھائی چارہ کا سبق بھول چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا کرے۔ اور اغیار کی سازشوں سے امت مسلمہ کو محفوظ رکھے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

طعن نمبر (۵)

جاگیر فدک۔

معاویہ اینڈ سنز لمیٹڈ کے

جنرل منیجر عکرمہ صحابی نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ (اپنی ماں) سے نکاح کیا تھا

۱۔ اہل سنت کی معتبر کتاب ازالۃ الخفا مقصد دوم جلد سوم ص ۱۳۹ طبع کراچی

۲۔ اہل سنت کی معتبر کتاب اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد ۷ ص ۲۴۰ ذکر قتیلہ، بنت قیس)

۳۔ الاستیعاب جلد چہارم ص ۱۸۸ ذکر قتیلہ بنت قیس

۴۔ تفسیر ابن کثیر جلد سوم ص ۵۰۶

ازالۃ الخفا کی عبارت۔

قتیلة بنت قیس تزوجها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومات عنها قبل ان یدخل بها فتزوجها عکرمة بن ابی جهل بحضر موت فبلغ ابا بکر فقال لقد هممت ان احرق علیهما بیتهما۔

ترجمہ:

قتیلہ بنت قیس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا تھا اور اس سے ہم بستری سے پہلے رسول اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے پھر اس قتیلہ سے شہر حضر موت میں عکرمہ صحابی نے نکاح کر لیا۔ جب ابوبکر کو اس نکاح کی خبر ہوئی (چونکہ صحابی کی بدنامی تھی) کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ ان دونوں کو ان کے گھر میں آگ لگا دوں۔

نوٹ:

چاریاری مذہب بلے بلے اگر بیچارے اہل تشیع کسی ایسی بات کو جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے متعلق ہے جو تمہاری کتب معتبرہ میں موجود ہے عوام کے سامنے پیش کر دیں تو آپ کے فتووں کی توپ کا دھانا کھل جاتا ہے۔ اور جو جی میں آتا ہے کہہ ڈالتے ہو۔ خدارا کچھ تو انصاف کرو زبانی صحیح باتیں کرنے والا زیادہ مجرم ہے یا جس نے ماں سے نکاح کیا ہو وہ زیادہ مجرم ہے۔

دجا گیر فدک تصنیف غلام حسین نجفی شیعی ص ۱۴۱۴ تا ۱۴۱۵ طبع لاہور)

جواب اوّل:

گزشتہ اوراق میں "فقہ حنفیہ" پر اعتراضات کے جوابات میں ہم نے "فقہ جعفریہ" کا ایک مسئلہ با حوالہ جات بیان کیا تھا۔ وہ یہ ہے۔ کہ اہل تشیع کے ہاں ماں، بہن، بیٹی وغیرہ محرمات کے ساتھ نکاح کر کے وطی کرنے پر جوان کے بطن سے اولاد پیدا ہو۔ اُسے حرام زادہ کہنے والے کو سزا نہیں دی جائے گی۔ اور نہ ہی ایسی اولاد کو حرام زادہ کہنے کی اجازت ہے۔ اہل تشیع اس پر یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ تو فرضی صورتیں ہیں۔ کوئی شخص اپنی ماں سے نکاح کرنے پر تیار نہیں ہو سکتا۔ لیکن، ہم تشیع کے اس مسئلہ پر اعتراض کرنے والے اپنے گھر کی خبر نہیں لیتے۔ ان کے ہاں اس بات کا بالفعل ثبوت موجود ہے۔ کہ (روحانی) ماں سے اُس کے بیٹے نے شادی رچائی۔ اور روحانی ماں کا نام قتیلہ بنت قیس ہے۔ اور اس کے ساتھ شادی کرنے والے کا نام عکرمہ ہے لیکن اس بات کو ثابت کرنے میں جس انداز سے نجفی نے "وکالت" کی ہے وہ آپ کو مکمل حوالہ درج کرنے سے واضح ہو جائے گی۔

الاستیعاب واسد الغابۃ:

قتیلۃ بنت قیس بن معدی کرب الکندیہ اخت الاشعث بن قیس وقیل فیہ والاول اصح تزوجہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنۃ عشر ثم اشتکی وقبض ولم تکن قدمت علیہ ولا رأھا ولا دخل بھا قیل انہ تزوجھا قبل

وفاته بشهر وقيل ان النبي صلى الله عليه وسلم اوصى ان تخير فان شاءت ضرب عليها الحجاب وتحرم على المؤمنين وان شاءت طلقها ولتنكح من شاءت فاختارت النكاح تزوّجها عكرمه بن ابي جهل بحضر موت فبلغ ابا بكر فقال لقد هممت ان احرق عليهما بيتهما فقال له عمر ما هي من امهات المومنين ولا دخل عليها ولا ضرب عليها الحجاب

(اسد الغابۃ جلد پنجم ص ۵۳۲، حرف قاف مطبوعہ بیروت جدید)

(الاستیعاب جلد چہارم ص ۳۸۸، ۳۸۹ حرف القاف مطبوعہ بیروت جدید)

ترجمہ:

قتیلہ بنت قیس رشتہ میں اشعث بن قیس کی ہمشیرہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہجری میں ان سے شادی کی۔ پھر آپ بیمار پڑے اور انتقال فرما گئے۔ لیکن یہ بی بی نہ تو آپ کے ہاں اپنے گھر سے رخصت ہو کر آئی نہ آپ نے اسے دیکھا اور نہ ہی اس سے وطی ہوئی۔ ایک روایت یہ ہے۔ کہ آپ نے انتقال سے ایک ماہ قبل ان سے شادی کی تھی۔ یہ بھی روایت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اختیار دے دیا تھا۔ کہ اگر یہ چاہیں تو پردہ کی پابند رہ کر ایک ام المومنین کی حیثیت سے زندگی بسر کریں۔

اور اگر چاہیں۔ تو طلاق لے کر آزاد ہو جائیں۔ اور پھر جس سے چاہیں
نکاح کریں۔ تو ان باتوں میں سے قتیلہ بنت قیس نے اپنا اختیار
یہ استعمال کیا۔ کہ میں کہیں اور نکاح کرنا چاہتی ہوں۔ لہٰذا بعد میں حضرت
عکرمہ بن ابی جہل نے بمقام حضرموت ان سے شادی کر لی۔ جب یہ
خبر صدیق اکبر کو پہنچی۔ تو انہوں نے فرمایا۔ میں نے پختہ ارادہ کر لیا
ہے۔ کہ ان دونوں پر اُن کے مکان کو گراؤں گا۔ یہ سن کر سیدنا
فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اے ابوبکر! قتیلہ بنت قیس "ام المومنین"
نہیں۔ نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وطی کی اور نہ ہی اس پر
پردہ قائم فرمایا۔

تفسیر طبری میں اس گفتگو کے بعد یہ الفاظ مرقوم ہیں۔ فاطمان ابوبکرو
سکن۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عمر بن الخطاب کی بات
سنی۔ کہ یہ "امہات المومنین" میں شامل نہیں۔ تو صدیق اکبر مطمئن ہو گئے۔ اور غصہ جاتا رہا۔

(طبری جلد سوم ۲ ص ۲۹)

مقام غور:

"قتیلہ بنت قیس" کے بارے میں اوپر ذکر شدہ حوالہ جات سے
یہ بات واضح ہو گئی۔ کہ ان سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی ہوئی
تھی۔ لیکن شادی کے بعد رخصتی اور وطی تک کی نوبت نہ آئی تھی۔ بلکہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اِن کو دیکھا تک نہ تھا۔ پھر اس پر مزید یہ کہ آپ نے
سفر آخرت پر روانگی سے قبل قتیلہ بنت قیس کو دو باتوں میں سے کسی ایک
کے اختیار کرنے کا حق دیا تھا۔ تو انہوں نے اپنی مرضی سے ایک حق منتخب

کر لیا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس سے کہیں اور نکاح کرنے کی اجازت مل گئی ہے۔ تو پھر کہیں اور نکاح کرنے پر "نجفی" کے پیٹ میں کیوں سُول اُٹھا ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی اسی لیے غصہ آیا تھا کہ عکرمہ نے "ام المومنین" کے ساتھ نکاح کرنے کی جسارت کر دی ہے۔ لیکن جب حضرت فاروق اعظم نے کہا۔ کہ یہ "امہات المومنین" میں شامل نہیں ہیں۔ تو صدیق اکبر خاموش ہو گئے۔ اور انہیں تسلی ہو گئی۔ کہ عکرمہ نے کوئی غلطی نہیں کی ہے۔ جب اس عورت کی "ام المومنین" ہونے کی حیثیت ثابت نہیں۔ تو نجفی صاحب آپ کس مُنہ سے یہ جھک مار رہے ہیں "نبی پاک کی زوجہ (اپنی ماں) سے نکاح کیا تھا" سیدنا ابو بکر و فاروق رضی اللہ عنہما اور حضرت عکرمہ وغیرہ یہی سمجھتے تھے۔ کہ جب تک کسی عورت کے ساتھ شادی ہونے کے بعد اللہ کے حبیب اس سے وطی نہیں کر لیتے۔ وہ "ام المومنین" نہیں کہلاتی۔ جب "ام المومنین" نہیں بن سکی۔ تو قرآن کریم کا ارشاد کہ "نبی کی ازواج سے امتی کا نکاح کرنا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناجائز ہے" کے ضمن میں یہ داخل نہ ہوئیں۔ اس لیے نجفی نے خواہ مخواہ کھینچ کر انہیں "امہات المومنین" میں شامل کر دیا۔ اور پھر اعتراض والزام کی پٹاری کھول دی۔ مکر و فریب کے رسیا کو اسی حوالہ میں اس اعتراض کا جواب نظر بھی آیا۔ لیکن پھر گول مول کر گیا۔ دراصل "وکیلِ آل محمد" جو ٹھہرا۔ یعنی آل محمد تو مکر و فریب کرتے نہ تھے۔ اور یہ اس فن میں ان کی وکالت کر کے اپنا مُنہ کالا کر رہا ہے۔ "آل محمد" ایسے وکیلوں سے بہت اجتناب برتتے ہیں۔

ہ

جوابِ ثانی:

گزشتہ سطور میں ہم ضمناً یہ بیان کر چکے ہیں۔ کہ کوئی عورت اس وقت تک "ام المومنین" کے منصب پر فائز نہیں ہو سکتی۔ جب تک اس کی شادی کے بعد اس کے زوج یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ہم بستری نہ فرمائیں۔ یہ مسئلہ ہم اہل سنت کے ہاں متفق علیہ ہے۔ لہٰذا ایسی عورت سے جو "ام المومنین" نہ بن سکی۔ اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کہیں اور شادی کر لینا جائز ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

تفسیر قرطبی:

فاما زوجاته علیہ السلام اللاتی فارقهن فی حیاته مثل الکلبیة التی فارقها رسول الله صلی الله علیه وسلم تزوجها لما روی ان الکلبیة التی فارقها رسول الله صلی الله علیه وسلم تزوجها عکرمة بن ابی جهل علی ما تقدم وقیل ان الذی تزوجها الاشعث بن قیس الکندی قال القاضی ابو الطیب الذی تزوجها مهاجر بن ابی امیة ولم ینکر ذالك احد فدل علی انه اجماع۔

(جامع الاحکام القرآن المعروف قرطبی جلد ۱۴ ص ۲۳۰ مطبوعہ قاہرہ طبع جدید)

ترجمہ:

سرکار دو عالم کی وہ ازواج کہ جنہیں آپ نے اپنی ظاہری زندگی میں (کسی طرح) فارغ کر دیا۔ یعنی اپنے نکاح سے نکال دیا۔ جیسا کہ کلبیہ (قتیلہ بنت قیس) وغیرہ ہیں۔ تو کیا ایسی عورتوں سے کوئی دوسرا نکاح کر سکتا ہے۔ اس میں خلاف ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے۔ کہ کسی دوسرے آدمی کا ایسی عورت سے نکاح جائز ہے۔ کیونکہ مروی ہے۔ کہ کلبیہ (قتیلہ بنت قیس) کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جدا کر دیا تو عکرمہ بن ابی جہل نے اس سے شادی کی۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ بعض کا کہنا ہے۔ کہ اس عورت سے نکاح کرنے والے کا نام اشعث بن قیس ہے (جسے گزشتہ سطور میں قتیبہ کا بھائی لکھا گیا تھا۔) ایک اور قول جو قاضی ابو الطیب کا ہے۔ اس کے مطابق کلبیہ نے نکاح مہاجر بن ابی امیہ سے ہوا تھا۔ (خاوند کے نام اختلاف کے باوجود نکاح کرنے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ یعنی سبھی مانتے ہیں۔ کہ کلبیہ نے نئی شادی کی تھی) اس نئے نکاح پر موجود صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی اعتراض نہ کیا۔ اور نہ انکار کیا۔ (صدیق اکبر کا اعتراض فاروق اعظم کے تسلی دینے پر ختم ہو گیا تھا) جس سے معلوم ہوا۔ کہ یہ مسئلہ سب کے نزدیک متفقہ ہے۔

مختصر یہ کہ نجفی کا "قتیلہ بنت قیس،، کو امہات المومنین،، میں شامل کرنا سب سے پہلی بے وقوفی بلکہ فریب دہی ہے۔ پھر اس مسئلہ کے ان پہلوؤں کو جو بحوالہ کتب میں مذکور ہیں۔ ان سے روگردانی اور قارئین سے مخفی رکھ کر محض اپنا مطلب سیدھا کرنا دوسری بے ایمانی ہے۔ تیسرا ابوبکر صدیق رض

کے غصہ کی حالت میں گفتگو تو ذکر کردی۔ لیکن غصہ ٹل جانے والے وہ الفاظ جو عمر فاروق نے کہے۔ انہیں ذکر نہ کر کے "حجۃ الاسلام" نے حجت پکڑی نجفی صاحب اگر تم یہ سمجھتے ہو۔ کہ ہم اہل سنت تمہارے مسلک میں ماں بہن سے نکاح کے بعد وطی کرنے اور پھر پیدا ہونے والے کو حرام زادہ نہ کہنے پر معترض ہیں اور اس اعتراض کو مان کر ہمیں اس میں شامل کرنے کی "حماقت" کرتے ہو۔ تو دیکھو۔ ہم نے تمہیں حیوانوں سے نکال کر انسانوں میں شامل کرنے کی دعوت دی تھی اگر تمہیں ایسی منزل میں رہنا منظور ہے۔ جہاں گدھا، گھوڑا، کتا۔ بلا رہتے ہیں۔ (کیونکہ ان کے ہاں ماں بہن اور بیوی کی تفریق کا کوئی مسئلہ ہے ہی نہیں) تو بخوشی رہو۔ اس میں رہنا تمہیں مبارک ہو۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

طعن نمبر (۶)

جناب طلحہ رضی اللہ عنہ کی یہ خواہش تھی۔ کہ حضور علیہ السلام انتقال کر جائیں۔ تو میں آپ کی بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کروں گا۔

جاگیرِ فدک: در منثور کی عبارت ہے۔

وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ قد نزلت فی طلحۃ بن عبید اللہ لانہ قال اذا توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تزوجت عائشۃ رضی اللہ عنہما۔

(جاگیر فدک ص ۳۷۵، ۳۷۶ تصنیف غلام حسین نجفی مطبوعہ لاہور)

ترجمہ:

تمہارے لیے جائز نہیں نبی کو اذیت دینا۔ راوی کہتا ہے۔ کہ یہ آیت طلحہ بن عبید اللہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ کیونکہ اس نے کہا تھا۔ میں نبی کی موت کے بعد حضرت عائشہ سے شادی کروں گا...... طلحہ صحابی عشرہ مبشرہ سے ہے۔ اور عائشہ محبوبہ رسول ہیں۔ چار یاری مذہب تیرے انصاف کے بھی بلے بلے جو محبوبہ رسول سے حضور کی موت کے بعد شادی کی تمنا کرے اس کو جنت کی بشارت۔

جواب اوّل:

سیدنا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ پر الزام دراصل یُوں ہوا۔ کہ انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد شادی کرنے کی خواہش کر کے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینے کی تمنا کی۔ یا "ام المومنین" کے ساتھ انہوں نے شادی کی تمنا کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کا ارادہ کیا۔ حکم یہ تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں۔ اور ان سے کسی صورت کسی امتی کا نکاح نہیں ہو سکتا۔

اس اعتراض میں بھی ایک ماہر مکار کی طرح نجفی نے عام شخص کو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے برگشتہ کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ آپ قارئین جانتے ہیں۔ کہ اسلامی احکام یک لخت نازل نہیں ہوئے۔ بلکہ تدریجاً اترے۔ بہت سی باتیں ابتدا میں جائز و حلال تھیں۔ بعد میں ان کو ناجائز

حرام قرار دے دیا گیا۔ اب ایک حکم کے اترنے سے قبل اگر اس کے خلاف ہوتا رہا۔ تو وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی کے زمرے میں ہرگز نہیں آتا۔ جیسا کہ شراب اور سودی کاروبار بلکہ بعض محرمات کے ساتھ نکاح وغیرہ۔ اب حضرت طلحہ کی تمنا اور خواہش کی طرف آئیے۔ اس تمنا پر اعتراض یہی تھا۔ کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء ہوتی ہے۔ اور ایذاء اس لیے کہ اس تمنا میں اللہ کے حکم سے سرتابی تھی۔ یہ اعتراض تب درست ہو سکتا ہے۔ جب یہ تمنا آیت وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا۔ کے نازل ہونے کے بعد کی ہو۔ اور اگر اس حکم کے نزول سے قبل یہ تمنا تھی۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان دونوں احتمالات میں سے موخر الذکر (یعنی نزول آیت سے قبل یہ تمنا کی ہو۔) احتمال کی مفسرین کرام نے توثیق و تصدیق کی ہے۔ اسی لیے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اس تمنا کی وجہ سے اگرچہ اس پر گرفت نہ تھی۔ پھر بھی ندامت کا اظہار فرمایا۔ جیسا کہ درج ذیل حوالہ میں اس کا واضح ثبوت ہے۔

تفسیر قرطبی:

لو توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لتزوجت عائشہ وھی بنت عمی قال مقاتل ھو طلحۃ بن عبید اللہ قال ابن عباس و ندم ھذا الرجل علی ما حدث بہ فی نفسہ فمشی الی مکۃ علی رجلیہ وحمل علی عشرۃ

افراس فی سبیل اللہ و اعتق رقیقا فکفر اللہ عنہ۔

(تفسیر قرطبی جلد ۱۴ ص ۲۲۸ سورہ احزاب مطبوعہ قاہرہ طبع جدید)

ترجمہ:

اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے۔ تو میں عائشہ سے شادی کروں گا۔ کیونکہ وہ میری چچازاد بہن ہے۔ مقاتل کہتے ہیں کہ یہ بات کہنے والے طلحہ بن عبیداللہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس کا کہنا ہے۔ کہ یہ شخص اپنی اس تمنا پر نادم ہوا۔ اور اس ندامت کی وجہ سے پاپیادہ مکہ میں حاضر ہوا۔ اور دس گھوڑے غازیوں کے لیے وقف کر دیئے۔ اور ایک غلام آزاد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ کفارہ منظور کر لیا۔

کس قدر واضح بات ہے۔ کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنی اس تمنا پر نادم ہوئے۔ اور اس غلط تمنا پر (جو بعد میں غلط معلوم ہوئی) دس گھوڑے اور ایک غلام فی سبیل اللہ عطا کئے۔ ابن عباس ان کی توبہ کی یا ان کے ہدیہ کی قبولیت کی گواہی دیں۔ اور نجفی اس تمنا پر انہیں عشرہ مبشرہ میں داخل ہوتے دیکھ کر مرتا جائے۔ اور انہیں جنتی ہونے کا اسے شدید دکھ کھاتا جائے۔

جواب دوم:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد شادی کی تمنا کیا بالاتفاق حضرت طلحہ نے کی تھی۔ اسی تفسیر

قرطبی میں اس کے خلاف یہ مذکور ہے۔ کہ یہ تمنا کرنے والا ایک " منافق " تھا۔ ثبوت ملاحظہ ہو۔

تفسیر قرطبی:

قلت وکذا حکی النحاس عن معمر انه طلحة ولا یصح قال ابن عطیة لله در ابن عباس و هذا عندی لا یصح علی طلحة بن عبید الله قال شیخنا الامام ابوالعباس و قد حکی هذا القول عن بعض فضلاء الصحابة وحاشاهم عن مثله والکذب فی نقله وانما یلیق نقل هذا القول بالمنافقین الجهال یروی ان رجلا من المنافقین قال حین تزوج رسول الله صلی الله علیه وسلم ام سلمة بعد ابی سلمه وحفصه بعد خنیس بن حذافه ما بال محمد یتزوج نساءنا والله لو قد مات لاجلنا السهام علی نسائه فنزلت الایة فی هذا فحرم الله نکاح ازواجه من بعده وجعل لهن حکم الامهات و هذا من خصائصه تمیزا لشرفه وتنبیها علی مرتبته صلی الله علیه وسلم۔

(تفسیر قرطبی جلد ۱۴ ص ۲۲۹ مطبوعہ قاہرہ طبع جدید)

ترجمہ:

صاحب تفسیر قرطبی محمد بن احمد انصاری کہتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی سے آپ کی وفات کے بعد نکاح کرنے کی خواہش کے بارے میں نحاس نے جناب معمر سے حکایت کی کہ یہ شخص "طلحہ" تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ ابن عطیہ کہتے ہیں۔ اللہ ابن عباس کو خوش رکھے۔ میرے نزدیک یہ بات درست نہیں۔ کہ ایسی تمنا جناب طلحہ نے کی ہو۔ ہمارے شیخ الامام ابوالعباس فرماتے ہیں۔ کہ اس قول کی حکایت کرنے والے بعض بزرگ صحابہ بھی ہیں۔ خدا کی قسم! ان بزرگوں سے ایسی بات منقول نہیں ہو سکتی ہاں نقل میں جھوٹ ہو سکتا ہے۔ البتہ اس قول کا جاہل منافقوں سے منقول ہونا قابل تسلیم ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

چنانچہ مروی ہے۔ کہ ایک منافق نے اس وقت جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سلمہ کے بعد ام سلمہ سے شادی کی اور خنیس بن حذافہ کے بعد سیدہ حفصہ سے نکاح کیا۔ کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے۔ کیسا آدمی ہے۔ ہماری عورتوں سے شادی کرتا چلا جا رہا ہے۔ خدا کی قسم! اگر اس کا انتقال ہو گیا تو اس کی بیویوں میں ہمارا حصہ بھی ہو گا۔ اس منافق کے اس ارادے اور قول پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ نازل فرمائی۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا نکاح آپ کے بعد کسی کے لیے کرنا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا۔ اور انہیں حقیقی ماں کا حکم دے دیا۔ اور یہ بات بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کے خصائص میں سے ہے۔ کیونکہ آپ کی شرافت کو ممتاز کرنے کی یہ صورت بنتی ہے۔ اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم المرتبت ہونے کی تنبیہ بھی موجود ہے۔

خلاصہ کلام:

نجفی اینڈ کمپنی نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ کہ کسی نہ کسی طرح صحابیٔ رسول سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ پر الزام ثابت کر کے ان کے مقام و مرتبہ کو عوام کے سامنے گرایا جائے۔ اور عشرہ مبشرہ میں سے ان کو خارج کر کے دم لیا جائے۔ لیکن "جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے" کے مصداق چاند کی طرف تھوکنے والے کے اپنے مُنہ پر تھوک پڑتی ہے۔ اول تو یہ واقعہ حضرت طلحہ کے متعلق ہو ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ صاحب تفسیر قرطبی نے اپنے شیخ سے ذکر کیا۔ بلکہ کسی منافق اور صحابہ کے دشمن کا کام نظر آتا ہے۔ اور اگر بالفرض حضرت طلحہ نے تمنا کی بھی تھی۔ تو آیتِ حرمت نازل ہونے سے قبل تھی۔ جو گرفت سے پاک ہے۔ پھر اس کے باوجود آپ نے اس پر ندامت کا اظہار بھی فرمایا۔ ان تمام حقائق سے (جو تفسیر قرطبی کے اندر ہی موجود ہیں) چشم پوشی کرتے ہوئے سؤر کی طرح اپنے مطلب کی طرف سیدھا دوڑتے جانا کسی شریف آدمی کا کام نہیں ہوتا۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)
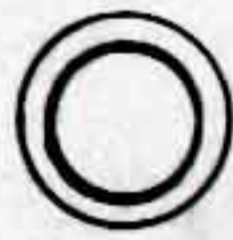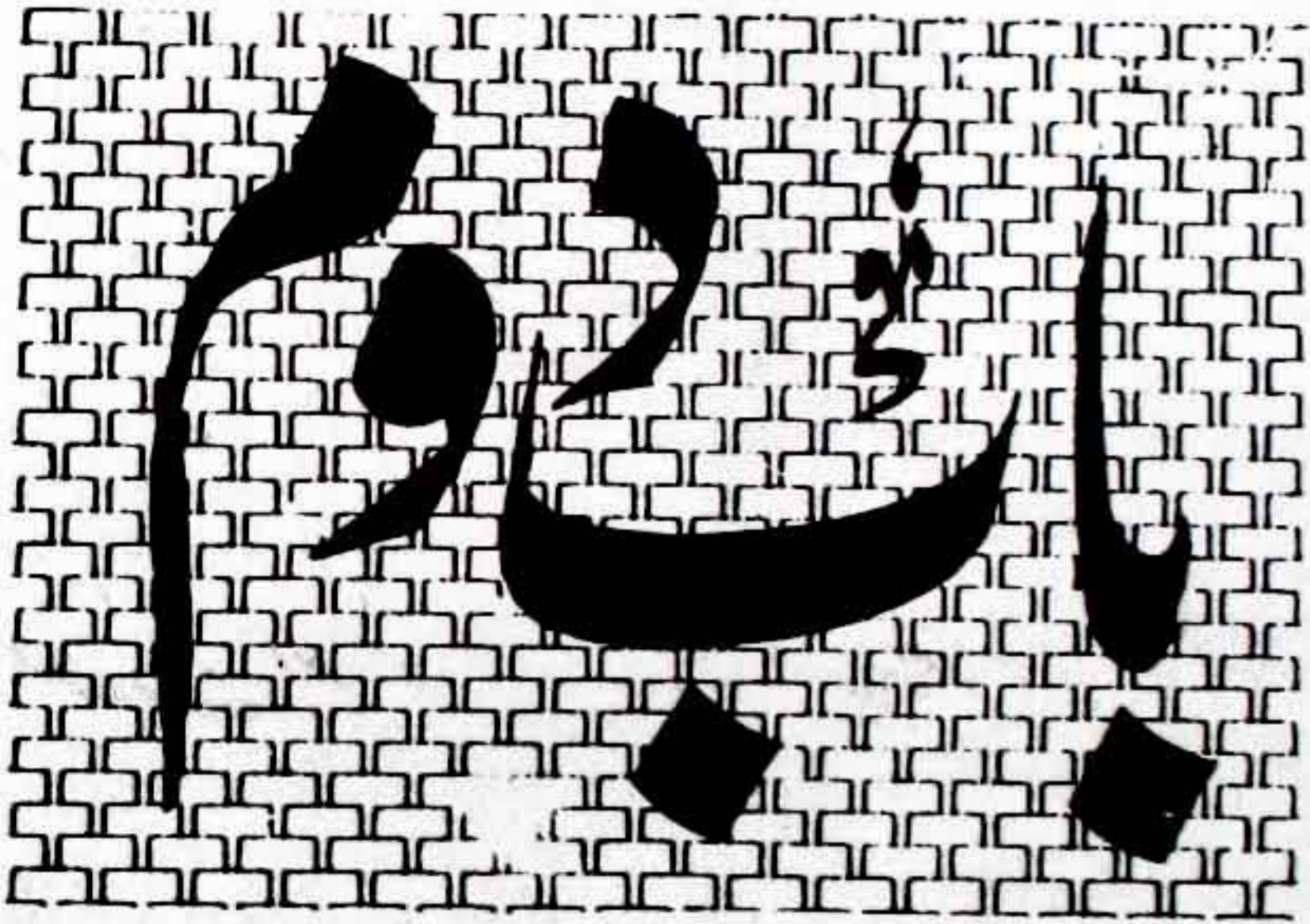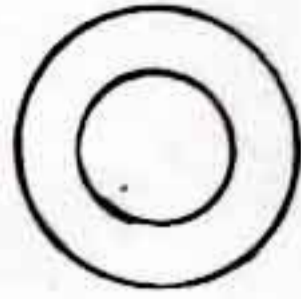
باب دوم

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
پر کیے گئے شیعہ مطاعن
کی دندان شکن تردید
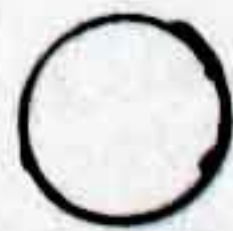
باب دوم:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیے گئے شیعہ مطاعن کی دندان شکن تردید

طعن اوّل

حضرت امیر معاویہ نے اپنے دور خلافت میں خطیب حضرات کو حکم دے رکھا تھا۔ کہ وہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کیا کریں

حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو حضرت علی المرتضٰی سے انتہائی عداوت اور حد درجہ کی دشمنی تھی۔ اس دشمنی کی واضح علامت یہ ہے۔ کہ انہوں نے اپنے دور کے خطباء کو یہ حکم دے رکھا تھا۔ کہ وہ حضرت علی المرتضٰی اور دیگر اہل بیت پر تبرہ بازی کریں۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

کامل ابن اثیر:

وَقَدْ اَرَدْتُ اِیْصَاءَکَ بِاَشْیَاءِ کَثِیْرَۃٍ اَنَا تَارِکُھَا اِعْتِمَادًا عَلٰی بَصَرِکَ وَلَسْتُ تَارِکًا اِیْصَاءَکَ بِخَصْلَۃٍ لَا تَتْرُکُ شَتْمَ عَلِیٍّ وَ

ذَمَّهٗ وَالتَّرَحُّمَ عَلٰى عُثْمَانَ وَالْاِسْتِغْفَارَ لَهٗ وَالْعَيْبَ لِاَصْحَابِ عَلِيٍّ وَالْاِقْصَاءَ لَهُمْ۔

(کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۴۷۲ ذکر مقتل حجر بن عدی مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا والی بنا کر بھیجا۔ تو ہدایت دی۔ کہ میرا ارادہ ہے کہ تجھے بہت سی باتوں کی، وصیت کروں۔ لیکن ان کو تمہاری مرضی پر چھوڑے دیتا ہوں۔ لیکن ان میں سے ایک وصیت بہت ضروری ہے۔ کہ اس پر تمہیں عمل کرنا پڑے گا۔ وہ یہ کہ حضرت علی پر لعن طعن ختم نہ کرنا۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لیے استغفار و مغفرت جاری رکھنا۔ علی اور ان کے اصحاب کے خوب عیب بیان کرنا۔ اور ان سے دور رہنا۔

طبقات ابن سعد:

اَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ لُوْطِ بْنِ يَحْيٰى الْغَامِدِيِّ قَالَ كَانَ الْوُلَاةُ مِنْ بَنِيْ اُمَيَّةَ قَبْلَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ يَشْتِمُوْنَ عَلِيًّا رَحِمَ اللّٰهُ فَلَمَّا وَلِيَ عُمَرُ اَمْسَكَ عَنْ ذٰلِكَ۔

(طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۳۹۳ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ

لوط بن یحیٰے غامدی نے بیان کیا۔ کہ بنی امیہ کے دور میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے خلیفہ بننے سے پہلے تمام والیانِ مملکت حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیا کرتے تھے۔ (اللہ حضرت علی پر رحم فرمائے) پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دورِ خلافت آیا۔ تو انہوں نے اس سے منع کر دیا۔

تاریخ طبری:

اَنَّ مُعَاوِیَۃَ بْنِ اَبِیْ سُفْیَانَ لَمَّا وَلّٰی الْمُغِیْرَۃَ بْنَ شُعْبَۃَ الْکُوْفَۃَ فِیْ جَمَادِیْ سنہ ۴۱ھ وَدَعَاہُ وَقَدْ اَرَدْتُ اِیْصَاءَکَ بِاَشْیَاءٍ کَثِیْرَۃٍ فَاَنَا تَارِکُھَا اِعْتِمَادًا عَلٰی بَصَرِکَ بِمَا یُرْضِیْنِیْ وَیُسْعِدُ سُلْطَانِیْ وَیُصْلِحُ بِہٖ رَعِیَّتِیْ وَلَسْتُ تَارِکًا اِیْصَاءَکَ بِخَصْلَۃٍ لَا تَتَحَمَّ عَنْ شَتْمِ عَلِیٍّ وَذَمِّہٖ وَالتَّرَحُّمَ عَلٰی عُثْمَانَ وَالْاِسْتِغْفَارَ لَہٗ وَالْعَیْبَ عَلِیٍّ وَاَصْحَابِ عَلِیٍّ وَالْاَقْصَاءَ لَھُمْ وَتَرْکُ الْاِسْتِمَاعَ لَھُمْ۔

(تاریخ طبری جلد ۴ جز ۴ ص ۱۴۱ ذکر سنہ ۵۱ھ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ

امیر معاویہ نے جب سنہ ۴۱ھ جمادی الاول میں مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کا گورنر

مقرر کیا۔ تو انہیں بلایا۔ اور کہا میں تمہیں چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ ان کا پورا کرنا تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ لیکن ان میں سے ایک پر عمل لازمی ہے مجھے اس بات کا اعتماد ہے۔ کہ تمہارا فیصلہ میری پسند کے مطابق ہوگا۔ اور اس میں میری حکومت کی بہتری ہوگی۔ وہ بات جو تمہیں سرانجام دینا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ "علی" پر لعن طعن اور ان کی مذمت کا سلسلہ جاری رہنا چاہیئے۔ اور حضرت عثمان کے لیے دعائے مغفرت اور استغفار کو بند نہ کرنا۔ "علی" کے ساتھیوں کی عیب جوئی کرنا۔ اور ان کی کوئی بات نہ سننا۔

البدایۃ والنہایۃ:

وَلَمَّا كَانَ مُتَوَالِيًا عَلَى الْمَدِيْنَةِ لِمُعَاوِيَةَ كَانَ يَسُبُّ عَلِيًّا كُلَّ جُمُعَةٍ عَلَى الْمِنْبَرِ وَقَالَ لَهُ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ لَقَدْ لَعَنَ اللّٰهُ اَبَاكَ الْحَكَمَ وَاَنْتَ فِيْ صُلْبِهٖ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ فَقَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْحَكَمَ وَمَا وَلَدَ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

(البدایۃ والنہایۃ جلد نمبر ۸ صفحہ نمبر ۲۵۹ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ

امیر معاویہ کی طرف سے جب مدینہ کا والی مروان بن حکم تھا تو یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو گالی دیا کرتا تھا۔ یہ کام جمعہ کے دن منبر پر کھڑے ہو کر کرتا تھا ایک دفعہ اسے امام حسن نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ حکم پر لعنت بھیجی

تھی۔ اس وقت تو اس کی پشت میں تھا۔ اللہ کی لعنت اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا۔ اللہ کی لعنت ہو حکم پر اور اس کی اولاد پر۔

واللہ اعلم

جوابِ اوّل:

حضرت علی اور امیر معاویہ کے باہمی اختلاف کا پس منظر

تحفہ جعفریہ کی دوسری جلد میں اس طعن کا ذکر ایک عنوان کے تحت ہو چکا ہے۔ عنوان یہ تھا۔ "ایک غلط پروپیگنڈا کی تردید"، یہ جلد شائع ہو چکی ہے۔ اس میں اس طعن کا جواب بھی مذکور ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اہل تشیع کے طعن کا جب ذکر چل نکلا۔ تو اس مناسبت سے ہم نے یہاں بھی اس کا ذکر کرنا ضروری سمجھا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہماری خواہش یہ تھی۔ کہ تمام طعنہ جات کو یکجا ذکر کیا جائے۔ اور ان کے لیے مستقل باب تشکیل دیا جائے۔ تاکہ قاری کو تمام مواد ایک ہی جگہ مل سکے۔ اسے ادھر ادھر تلاش کرنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ وہاں دوسری جلد میں اگرچہ اس کا جواب موجود ہے۔ لیکن بالاستقلال اور مضبوط طریقے سے یہاں ہی ذکر کیا جا رہا ہے۔ اس طرح اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا۔ کہ پڑھنے والے کو اس کا جواب نہایت زور دار طریقہ سے معلوم ہو جائے گا۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ اسی بحث کو مختلف مقامات پر مختلف انداز سے

بھی پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً جنگ جمل اور جنگ صفین کی بحث میں اس کا ذکر آیا۔ وہاں ہم نے یہ ثابت کیا تھا۔ کہ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کا عائشہ، طلحہ اور زبیر وغیرہ کے ساتھ جو اختلاف تھا۔ اس میں حضرت علی المرتضٰے حق پر تھے۔ اور فریق ثانی غلطی پر تھا۔ لیکن ان حضرات کی غلطی اجتہادی تھی۔ بطور دشمنی اور عداوت نہ تھی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جو یہ باتیں ثابت کی جا رہی ہیں۔ کہ ان کے عامل اور خاص کر مغیرہ بن شعبہ اور مروان نے منبروں پر کھڑے ہو کر حضرت علی المرتضٰے اور ان کے ساتھیوں کو برا بھلا کہا۔ ان باتوں کا ثبوت ان لوگوں پر موقوف ہے۔ جو ان کے راوی ہیں۔

اسماء الرجال میں ہم جب ان راویوں کے بارے میں دیکھتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کی بات اتنی اہم نہیں کہ اس سے یہ طعن ثابت ہو سکے۔ اس کی تفصیل ہم جواب دوم میں ذکر کریں گے۔ سردست اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے۔ تو یہ اسی طرح کی ایک اجتہادی غلطی ہو گی۔ جس طرح ان سے حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے کے سلسلہ میں ہو گئی تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے دل میں یہ شک جاگزیں تھا۔ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت میں حضرت علی المرتضٰے کا ہاتھ تھا وہ اپنے شک کو یوں تقویت دیتے تھے کہ جن لوگوں نے حضرت عثمان کو شہید کیا۔ وہ بمطابق تاریخی گواہی کے حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کی بیعت میں داخل تھے۔ ان قاتلانِ عثمان سے حضرت عائشہ صدیقہ، طلحہ اور زبیر و امیر معاویہ وغیرہ نے قصاص کا مطالبہ کیا لیکن حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ نے بوجہ خلافت کی عدم منبطی ان کا مطالبہ پورا نہ کیا۔ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل نے ان حضرات کو شک میں ڈال دیا۔ کہ قصاص سے روگردانی اس وجہ سے ہے۔ کہ یہ خود بھی اس کے حامی تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا جب کہیں تذکرہ ہوتا۔ لوگ دھاڑیں مار مار کر

روتے۔ اس صدمہ کے وقت یہ لوگ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کو بھی کوستے۔ لہذا معلوم ہوا۔ کہ ان لوگوں کی یہ حرکت خطائے اجتہادی تھی۔ کیونکہ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کا شہادت عثمان میں قطعًا ہاتھ نہ تھا۔

نوٹ:

اہل تشیع کا عقیدہ ہے۔ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کی مرضی اور ان کے ایماء سے واقع ہوئی۔ مگر یہ سراسر بہتان ہے خود حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے ارشادات اس امر کی پرزور تردید کرتے ہیں۔

حضرت عثمان کی شہادت میں حضرت علی کا قطعًا دخل نہ تھا

نہج البلاغۃ:

كَتَبَهٗ اَهْلَ الْاَمْصَارِ يَقُصُّ فِيْهِ مَا جَرٰى بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اَهْلِ صِفِّيْنِ وَكَانَ بَدْءُ اَمْرِنَا اِنَّا الْتَقَيْنَا وَالْقَوْمُ مِنْ اَهْلِ الشَّامِ وَالظَّاهِرُ اَنَّ رَبَّنَا وَاحِدٌ وَنَبِيَّنَا وَاحِدٌ وَدَعْوَتُنَا فِي الْاِسْلَامِ وَاحِدَۃٌ وَلَا نَسْتَزِيْدُهُمْ فِي الْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَالتَّصْدِيْقِ بِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَسْتَزِيْدُوْنَنَا الْاَمْرُ وَاحِدٌ اِلَّا مَا اخْتَلَفْنَا فِيْهِ مِنْ

دَمِ عُثْمَانَ وَ نَحْنُ فِيْهِ بُرَاءٌ۔

(نہج البلاغہ خطبہ ۵۸ ص ۴۴۸ مطبوعہ بیروت طبع جدید چھوٹا سائز)

ترجمہ

اکثر شہروں کے معززین کو حضرت نے یہ خط تحریر فرمایا ہے۔ جس میں ماجرائے جنگ صفین کا بیان ہے۔ ہماری اس ملاقات (لڑائی) کی ابتدا جو اہلِ شام کے ساتھ واقع ہوئی تھی۔ حالانکہ یہ بات ظاہر ہے۔ کہ ہمارا اور ان کا خدا ایک ہے۔ رسول ایک ہے۔ دعوت اسلام ایک ہے۔ جیسے وہ اسلام کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں۔ ویسے ہی ہم بھی۔ ہم خدا پر ایمان لانے اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں ان پر کسی فضیلت کے خواہاں نہیں نہ وہ ہم پر فضل و زیادتی کے طلبگار تھے۔ ہماری حالتیں بالکل یکساں ہیں مگر وہ ابتداء یہ ہوئی۔ کہ خون عثمان میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ حالانکہ ہم اس سے بری تھے۔

(نیرنگ فصاحت ترجمہ نہج البلاغہ ص ۴۶۷ مطبوعہ یوسفی دہلی)

تاریخ یعقوبی:

ثُمَّ قَدِمَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْبَصْرَةَ وَ كَانَتْ وَقْعَةُ جَمَلٍ بِمَوْضِعٍ يُقَالُ لَهُ الْخُرَيْبَةُ فِيْ جَمَادِى الْاُوْلٰى سَنَةَ ۳۶ھ وَ خَرَجَا طَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ

فِيْمَنْ مَعَهُمَا فَوَقَفُوْا عَلٰى مَصَافِّهِمْ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِمْ عَلِيٌّ مَا تَطْلُبُوْنَ وَمَا تُرِيْدُوْنَ فَقَالُوْا نَطْلُبُ بِدَمِ عُثْمَانَ قَالَ عَلِيٌّ لَعَنَ اللّٰهُ قَتَلَةَ عُثْمَانَ۔

(تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۸۲ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ

جمادی الاولیٰ ۳۶ھ میں حریبہ کے مقام پر جنگ جمل ہوئی۔ حضرت طلحہ اور زبیر اپنے ساتھیوں کو لے کر میدان میں نکلے۔ تو ان کی طرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی بھیج کر یہ دریافت کیا۔ کہ تم کیا چاہتے ہو۔ اور تمہارے ارادے کیا ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہمارا مطالبہ حضرت عثمان کے خون کا بدلہ ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ عثمان کے قاتلوں پر اللہ کی لعنت ہو۔

تہذیب المتین:

روضۃ الصفاء میں ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ بہتر ہے کہ ہم اس معاملہ میں مباہلہ کریں۔ یعنی ہم میں سے جو اس قتل میں راضی ہو۔ اور جس نے اس بارہ میں سعی کی ہو۔ طرفین سے دعا کریں۔ کہ وہ فی الفور غضب الٰہی میں گرفتار ہو۔

(تہذیب المتین فی تاریخ امیر المومنین جلد ۲ ص ۴۵ مطبوعہ یوسفی طبع قدیم)

امالی طوسی:

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ اِنْ شَاءَ النَّاسُ قُمْتُ لَھُمْ خَلْفَ مَقَامِ اِبْرَاھِیْمَ فَحَلَفْتُ لَھُمْ بِاللّٰہِ مَا قَتَلْتُ عُثْمَانَ وَلَا اَمَرْتُ بِقَتْلِہٖ اَحَدًا نَھَیْتُھُمْ فَعَصَوْنِیْ۔

(امالی شیخ طوسی جلد ۱ ص ۲۷۵
الجزء العاشر۔ مطبوعہ قم ایران
طبع جدید)

ترجمہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضے رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے فرمایا۔ اگر لوگ چاہیں۔ تو میں مقام ابراہیم کے پیچھے کھڑے ہو کر حلفیہ کہہ سکتا ہوں۔ کہ میں نے نہ تو حضرت عثمان کو قتل کیا۔ اور نہ ہی ان کے قتل کا کسی کو حکم دیا۔ میں لوگوں کو روکتا رہا۔ لیکن انہوں نے میری ایک نہ مانی۔

مروّج الذہب:

ثُمَّ نَادٰی عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ طَلْحَۃَ حِیْنَ رَجَعَ الزُّبَیْرُ یَا اَبَا مُحَمَّدٍ مَا الَّذِیْ اَخْرَجَکَ قَالَ الطَّلَبُ بِدَمِ عُثْمَانَ

قَالَ عَلِیٌّ قَتَلَ اللّٰهُ اَوْلَانَا بِدَمِ عُثْمَانَ ۔

(مروج الذہب جلد ۲ ص ۳۶۴ ذکر موقع
الجمل مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ

پھر حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر کے روگردان ہونے کے بعد جناب طلحہ سے پوچھا۔ اے ابو محمد! تمہیں کس بات نے لڑنے کے لیے نکلنے پر مجبور کیا۔ کہا۔ حضرت عثمان کے خون کا بدلہ لینے نے۔ حضرت علی نے فرمایا۔ اللہ عثمان کے قاتلوں کو ہلاک کرے۔ ہم میں سے کوئی بھی اس میں شریک نہ تھا۔

الحاصل:

طعن مذکور کے جواب کے طور پر جواب تک ذکر کیا گیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہوا۔ کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کی روایت اول تو قابل اعتبار نہیں۔ اور اگر تسلیم کر لی جائے۔ تو یہ خطائے اجتہادی کی وجہ سے ہوا۔ یہی وہ خطاء تھی۔ کہ جس کی بنا پر لوگوں نے حضرت علی المرتضٰی کے خلاف جنگ تک لڑی۔ کیونکہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کا درحقیقت حضرت عثمان کے قتل میں قطعاً کوئی دخل نہ تھا۔ لیکن آپ کا مطالبہ پر فوری طور پر قصاص کے لیے تیار نہ ہونا اس خطائے اجتہادی کا سبب بنا۔ آپ نے اس قتل میں شرکت اور مشورہ دینے کی اس سختی سے تردید فرمائی۔ کہ بیت اللہ میں کھڑے ہو کر اس کا حلف اٹھانے کے لیے اعلان فرمایا۔ پھر شکوک وشبہات والوں کے سامنے یہ بھی فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ حضرت عثمان کے قاتلوں پر لعنت کرے۔ اور فرمایا کہ میں تو ان قاتلوں کو ہر طرح روکتا رہا۔ لیکن انہوں نے میری باتوں کی پرواہ تک نہ کی۔

اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قتل عثمان میں کسی قسم کا ہاتھ ہوتا۔ تو جنگ کے بعد حضرت علی المرتضیٰ کا یہ خط تمام شہروں میں نہ پھیلایا جاتا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔ کہ میرا اور امیر معاویہ کا دین ایک ہے۔ ہم دونوں ایک اللہ، ایک رسول اور ایک ہی دعوت کے داعی ہیں۔ نہ انہیں مجھ پر فضیلت کی چاہت اور نہ ہی ہمیں ان پر برتری کی خواہش ہے۔ صرف خون عثمان کے بارے میں انہیں میرے متعلق غلط فہمی ہو گئی۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار۔)

جواب دوم:

اس طعن والی روایات شیعوں نے گھڑی ہیں

چار عدد ذکر کردہ روایات کہ جن کا معترضین نے سہارا لیا۔ وہ سب کی سب قابل استدلال اور حجیت دینے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ کیونکہ "کامل ابن اثیر" سے یہ لی گئی ہیں اور خود اس کے مصنف نے دیباچہ میں کہا ہے۔ کہ میری کتاب "تاریخ طبری" سے مستفید ہے۔ اس لیے یہ روایت بھی وہیں سے اخذ کی گئی ہے۔ کامل ابن اثیر کی طرح تاریخ طبری کی سند بھی ایک ہی ہے۔ اور الفاظ بھی تقریباً ملتے جلتے ہیں۔ ان روایات میں دو راوی یعنی ہشام بن محمد کلبی اور لوط بن یحییٰ ابی مخنف انتہائی مجروح ہیں۔ لہذا یہ روایات قابل استناد نہیں ہیں۔ ان دونوں راویوں پر جرح ملاحظہ ہو۔

لوط بن یحیےٰ شیعہ ہے۔ اور صرف اخباری آدمی ہے

الکامل فی ضعفاء الرجال:

وَ هُوَ شِيْعِيٌّ مُحْتَرِقٌ صَاحِبُ اَخْبَارِهِمْ وَ اِنَّمَا وَصَفْتُهُ لِاُسْتَغْنِيَ عَنْ ذِكْرِ حَدِيْثِهٖ فَاِنِّيْ لَا اَعْلَمُ لَهٗ مِنَ الْاَحَادِيْثِ الْمُسْنَدَةِ مَا اَذْكُرُهٗ وَاِنَّمَا لَهٗ مِنَ الْاَخْبَارِ الْمَكْرُوْهِ الَّذِيْ لَا اَسْتَحِبُّ ذِكْرَهٗ۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال جلد ۶ ص ۲۱۱۰

ذکر لوط بن یحیٰی)

ترجمہ

لوط بن یحیےٰ ایک کٹر اور متعصب شیعہ تھا۔ مذہب شیعہ کی خبروں کا عالم تھا۔ میں نے اس کی ان الفاظ سے صفت اس لیے ذکر کی۔ تاکہ اس کی احادیث سے استغنیٰ برتا جائے مجھے اس سے کوئی ایک بھی مسند حدیث معلوم نہیں۔ اس سے صرف ایسی روایات ہی ملتی ہیں۔ جو بدزیب اور قابل نفرت ہوتی ہیں۔ ان باتوں کا ذکر کرنا میں پسند نہیں کرتا۔

لسان المیزان:

لُوْطُ بْنُ يَحْيٰى اَبُوْ مَخْنَفٍ اَخْبَارِيٌّ تَالِفٌ

لَا يُوْثَقُ بِهٖ وَ تَرَكَهٗ اَبُوْ حَاتِمٍ وَ غَيْرُهٗ وَ قَالَ الدَّارُ قُطْنِيْ ضَعِيْفٌ وَقَالَ يَحْيىٰ بْنُ مُعِيْنٍ لَيْسَ بِثِقَةٍ وَ قَالَ مُرَّةٌ لَيْسَ بِشَيْءٍ وَ قَالَ ابْنُ عَدِيٍّ شِيْعِيٌّ مُحْتَرِقٌ صَاحِبُ اَخْبَارِهِمْ۔

(لسان المیزان جلد ۴ ص ۹۲ مطبوعہ بیروت حرف اللام)

ترجمہ

لوط بن یحییٰ ابو مخنف ایک اخباری آدمی تھا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں اکٹھی کرلیتا تھا۔ ناقابل وثوق آدمی تھا۔ ابو حاتم وغیرہ نے اسے متروک قرار دیا۔ دار قطنی نے اسے ضعیف کہا۔ یحییٰ بن معین نے اسے "لیس بثقہ" کہا۔ اسی طرح مرۃ نے بھی کہا۔ اور ابن عدی نے اسے شیعی اور متعصب کہا۔ یہ صرف خبروں کا ہی ماہر تھا۔

(یہی الفاظ میزان الاعتدال میں لوط بن یحییٰ کے متعلق مذکور ہیں۔ جلد ۲ ص ۳۶۰)

دوسرے راوی ہشام بن محمد کا حال

الکامل:

سَمِعْتُ بْنَ حَمَّادٍ يَقُوْلُ حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ سَمِعْتُ يَقُوْلُ هِشَامُ بْنُ كَلْبِيْ مَنْ يُحَدِّثُ عَنْهُ اِنَّمَا هُوَ صَاحِبُ سَمَرٍ

وَ نِسْبَةٍ وَ مَا ظَنَنْتُ اَنَّ اَحَدًا يُحَدِّثُ عَنْهُ وَهٰذَا كَمَا قَالَ اَحْمَدُ هِشَامُ بْنُ الْكَلْبِيِّ الْغَالِبُ عَلَيْهِ الْاَخْبَارُ وَالْاَسْمَارُ وَالنِّسْبَةُ وَ لَا اَعْرِفُ لَهٗ شَيْئًا مِنَ الْمُسْنَدِ ۔

(الکامل فی ضعفاء الرّجال جلد ۷ ص ۲۵۶۸

مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ

میں (مصنف الکامل) نے ابن حماد سے یہ کہتے سُنا۔ کہ انہیں عبداللہ نے بتلایا۔ کہ ہشام بن الکلبی وہ شخص ہے۔ کہ کوئی بھی اس سے حدیث روایت کرنا گوارا نہیں کرتا۔ وہ تورات کے وقت قصہ کہانیاں بیان کرنے کا لوگوں کے نسب کے متعلق جاننے والا شخص تھا۔ میرا خیال ہے کہ کسی نے بھی اس سے کوئی حدیث روایت نہ کی ہو گی۔ یہ اسی طرح کی جرح ہے۔ جس طرح امام احمد نے فرمایا۔ کہ ہشام بن الکلبی وہ شخص ہے کہ جس کی زیادہ تر باتیں قصہ کہانیاں ہیں۔ اور نسب نامہ خوب جانتا ہے مجھے اس کی ایک حدیث بھی ایسی معلوم نہیں۔ جس کی سند درست ہو۔

میزان الاعتدال:

هِشَامُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ السَّائِبِ الْكَلْبِيُّ قَالَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ اِنَّمَا كَانَ صَاحِبُ سَمْرٍ وَ نِسَبٍ مَا ظَنَنْتُ اَنَّ اَحَدًا يُحَدِّثُ عَنْهُ وَقَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ وَغَيْرُهٗ مَتْرُوْكٌ وَقَالَ اِبْنُ عَسَاكِرَ

رَافِضِیٌّ لَیْسَ بِثِقَۃٍ۔

(میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۵۶ -
حرف الھاء مطبوعہ مطبع سعادت
مصر طبع قدیم)

ترجمہ

ہشام بن محمد الکلبی کے متعلق امام احمد بن حنبل نے فرمایا۔ یہ شخص تو قصّہ کہانیاں کہنے والا تھا۔ اور علمِ انساب کا عالم تھا۔ میرا خیال ہے۔ کہ کسی نے بھی اس سے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ دار قطنی وغیرہ نے اسے متروک اور ابن عساکر نے اسے شیعی کہا۔ اور اس کا ثقہ نہ ہونا بتایا۔

(انہی الفاظ سے لسان المیزان جلد ۶ صفحہ نمبر ۱۹۶ حرف الہاء میں اس کے بارے میں لکھا گیا ہے۔)

ان دونوں راویوں کے بارے میں اسماء الرجال کی کتب سے حوالہ جات پیش کیے گئے۔ جن سے معلوم ہوا۔ کہ یہ دونوں راوی قابل وثوق نہیں۔ اور مذہبی طور پر دونوں شیعی اور وہ بھی کٹر اور متعصب تھے۔ لہٰذا ان کی روایات قابل استدلال نہیں ہو سکتیں۔

بے موقعہ کا گواہ:

طبقات ابن سعد کی روایت کی سند میں صاف طور پر لوط بن یحییٰ کا نام مذکور ہے۔ اس راوی کا سن وفات ۱۵۷ھ ہے۔ اور یہ ثابت کرنا چاہتا ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت عمر بن عبد العزیز تک کے تمام گورنر اور عمال حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بر سر منبر گالی دیا کرتے تھے۔ یہ صاحب

تو اس دور میں تھے ہی نہیں۔ انہیں کیسے پتہ چل گیا۔ کہ ان کی دنیا میں آمد سے پہلے یہ کچھ ہوتا رہا۔ یہ اس لیے ہم نے کہا۔ کہ اس نے اپنے سے اوپر کسی راوی کا ذکر نہیں کیا۔ کہ اس نے مجھے بتلایا۔ اس سے ہی آپ اس کی دیانت داری اور صدق بیانی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ البدایۃ والنھایۃ میں مذکورہ روایت کی سند بالکل موجود نہیں۔ اگر ہوتی تو اس کے متعلق کچھ کہا جاتا۔

لیکن اندازہ ہوتا ہے۔ کہ صاحب البدایۃ والنھایۃ کو اس کی سند دستیاب ہی نہیں ہوئی۔ ورنہ وہ ضرور ذکر کرتے۔ ان چاروں روایات کا مضمون تقریباً ملتا جلتا ہے اس لیے ان میں سے ایک دو کا مجروح بلکہ محض قصہ کہانی ہونا ثابت ہونے کے بعد ان کی صحت پر کون یقین کرے گا۔ اس لیے ان کے مضمون پر ہرگز اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں اور اس کے بعد تک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو برسرِ منبر گالی دینے کا کوئی واضح ثبوت موجود نہیں۔

جوابِ سوم:

لفظ "سب" کی حقیقت

کتبِ اہل سنت سے مذکورہ چار عدد روایات کے مرتبہ اور مقام کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ چلو بالفرض محال ان کو درست تسلیم کر لیا جائے۔ تو ان میں "لعنت" کے معنی کا کوئی لفظ استعمال نہیں ہوا۔ اور یہ امر مسلم ہے۔ کہ کسی شخص کا مخصوص نام لے کر اس پر لعن طعن کرنا درست نہیں۔ اِلّا یہ کہ قرآن و حدیث میں ایسا آگیا ہو۔ روایات مذکورہ میں لفظ "سب" مذکور ہے۔ جو از روئے لغت کئی ایک معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ احادیث میں بھی اس کے مختلف معانی لیے گئے ہیں۔ آیئے کتبِ لغت اور احادیث

اہل سنت سے اس کی تصدیق حاصل کریں۔

لسان العرب :

وَ السَّبُّ الْعَارُ وَ يُقَالُ صَارَ هٰذَا الْاَمْرُ سُبَّةً عَلَيْهِمْ بِالضَّمِّ اَيْ عَارًا يُسَبُّ بِهٖ۔

(لسان المیزان جلد اوّل ص ۴۵۶
(سبب) مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ

"سب،، کا معنی عار دلانا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ یہ کام ان لوگوں پر سبّہ ہو ہو گیا۔ یعنی عار بن گیا۔

بخاری شریف :

فَلَمَّا دَخَلَ قَالَ عَبَّاسٌ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِقْضِ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ هٰذَا وَهُمَا يَخْتَصِمَانِ فِي الَّتِيْ اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ بَنِي النَّضِيْرِ فَاسْتَبَّ عَلِيٌّ وَعَبَّاسٌ۔

(بخاری شریف جلد دوم ص ۵۷۵
مطبوعہ کراچی)

ترجمہ

جب حضرت عباس اور حضرت علی دونوں فاروق اعظم کے پاس آئے تو عباس بولے۔ اے امیر المومنین۔! میرے اور ان (علی) کے درمیان

فیصلہ کردیجئے۔ دونوں کا جھگڑا اس مال غنیمت میں تھا۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عطاء فرمایا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو "سب،، کیا۔ (یہاں اس لفظ کا معنی گالی دینا نہیں بنتا۔ کیونکہ ایک تو رشتہ چچا بھتیجا کا تھا۔ اور دوسرا دونوں گالی دینے کے گناہ سے واقف تھے۔ اس لیے یہاں معنی سخت کلامی ہوگا۔)

مذکورہ حدیث کی تشریح میں امام قسطلانی فرماتے ہیں۔

ارشاد الساری:

(فَاسْتَبَّ عَلِیٌّ وَعَبَّاسٌ) فِیْ غَیْرِ مُحَرَّمٍ بَلْ مِنْ قَبِیْلِ الْعَتَبِ۔

(ارشاد الساری شرح البخاری جلد ۶ ص ۲۸۱ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ

حضرت علی اور عباس رضی اللہ عنہما نے ایک دوسرے کو کوئی حرام بات نہیں کہی۔ بلکہ عتاب والے کلمات کہے

علامہ العینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تشریح ان الفاظ سے کی:

عمدۃ القاری:

(فَاسْتَبَّ) لَمْ یَکُنْ هٰذَا السَّبُّ مِنْ قَبِیْلِ الْقَذْفِ وَلَا مِنْ نَوْعِ الْمُحَرَّمَاتِ وَلَعَلَّ عَلِیًّا ذَکَرَ تَخَلُّفَ عَبَّاسٍ عَنِ الْهِجْرَةِ وَنَحْوَ ذٰلِكَ۔

(عمدۃ القاری للعینی۔ جلد ۱۷ ص ۱۳۵ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ

حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے پر لعنت نہ کی۔ جو بوقت تقذف کی جاتی ہے۔ اور نہ ہی کوئی ایسی بات ایک دوسرے کو کہی۔ جو از روئے شرع حرام ہو۔ شاید حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس کو یہ کہہ کر "سب" دی ہو۔ کہ تم ہجرت کے وقت مہاجرین کے ساتھ نہیں آئے۔ تم پیچھے رہنے والے ہو۔

حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی یہ لفظ احادیث میں مذکور ہے

مؤطا امام مالک:

فَجِئْنَاهَا وَقَدْ سَبَقَنَا اِلَيْهَا رَجُلَانِ وَالْعَيْنُ تَبِضُّ بِشَيْءٍ مِنْ مَآءٍ فَسَاَلَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَسَسْتُمَا مِنْ مَآءِهَا شَيْئًا فَقَالَا نَعَمْ فَسَبَّهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لَهُمَا مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّقُوْلَ۔

(مؤطا امام مالک ص ۱۲۵ مطبوعہ کراچی طبع جدید)

ترجمہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ تو آپ نے صحابہ کرام کو ہدایت دی۔ کہ کل تم انشاء اللہ چشمہ تبوک پر پہنچ جاؤ گے لیکن چاشت کے وقت۔ اور فرمایا۔ کہ میرے آنے سے قبل اس چشمہ کے پانی کو نہ ملنا

لگاتا۔ اور نہ ہی پینا صحابہ کرام فرما گئے ہیں۔ ہم جب وہاں پہنچے۔ تو دیکھا کہ دو آدمی ہم میں سے پہلے ہی وہاں پہنچ چکے ہیں۔ چشمہ کا چمکتا پانی دیکھ کر انہوں نے پی لیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے ان دونوں سے دریافت فرمایا۔ کیا تم نے اس چشمہ کا پانی پیا ہے۔ عرض کی ہاں۔ تو آپ نے ان دونوں کو "سب" پلائی۔ یعنی ڈانٹ پلائی۔

دیکھئے یہاں بھی لفظ وہی استعمال ہوا ہے۔ لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ سے گالی گلوچ کا وقوع کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ اس لیے یہاں صرف ڈانٹ پلانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس لیے روایات مذکورہ میں لفظ "سب" کو گالی گلوچ پر محمول کرنے کے لیے کوئی قرینہ چاہیئے۔ ورنہ لازم آئے گا۔ کہ بغیر کسی قرینہ اور ترجیح کے ایک معنی کو متعین کر لیا گیا ہے۔ اور ایسا کرنا قواعد و ضوابط کے خلاف ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک اہم شبہہ:

حضرت علی اور امیر معاویہ کی باہم لعنت بازی (معاذ اللہ)

ہم نے جو جواب دیا کہ "سب" کے مختلف معنی ہیں۔ اسے خواہ مخواہ لعن وطعن اور گالی گلوچ کے مفہوم میں لینا درست نہیں۔ اور یہ کہ روایات مذکورہ میں صرف لفظ "سب" آیا ہے۔ تو اس پر کوئی یہ شبہہ وارد کرے۔ کہ اہل سنت کی کتابوں میں یہ بات موجود ہے۔ کہ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ امیر معاویہ، عمر اور حبیب وغیرہ پر لعنت کرتے تھے۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت کرتے تھے۔ حوالہ ملاحظہ ہو اگلے صفحہ پر

کامل ابن اثیر:

وَرَجَعَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَشُرَيْحٌ اِلٰى عَلِيٍّ وَكَانَ عَلِيٌّ اِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ يَقْنُتُ فَيَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ مُعَاوِيَةَ وَعَمْرًا وَاَبَا الْاَعْوَرِ وَحَبِيْبًا وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ خَالِدٍ وَالضَّحَّاكَ بْنَ قَيْسٍ وَالْوَلِيْدَ۔ فَبَلَغَ ذٰلِكَ مُعَاوِيَةَ فَكَانَ اِذَا قَنَتَ سَبَّ عَلِيًّا وَابْنَ عَبَّاسٍ وَالْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ وَالْاُشْتَرَ۔

(کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۳۳۳۔ طبع بیروت ۳۷ھ ذکر اجتماع الحکمین)

ترجمہ

حضرت عبداللہ بن عباس اور شریح رضی اللہ عنہما جب دومۃ الجندل سے حکمین کا فیصلہ سن کر واپس آئے۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر دی۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معمول یہ بن گیا۔ کہ وہ روزانہ نماز صبح میں قنوت پڑھتے۔ جس کے الفاظ یہ تھے۔ اے اللہ! معاویہ، عمر، ابو الاعور، حبیب، عبدالرحمٰن بن خالد، ضحاک اور ولید پر لعنت بھیج۔ جب یہ بات حضرت امیر معاویہ تک پہنچی۔ تو وہ بھی قنوت کے وقت حضرت علی، ابن عباس، حسن و حسین اور اشتر کو گالی دیا کرتے تھے۔

تاریخ طبری:

قَالَ اَبُوْ مَخْنَفٍ حَدَّثَنِیْ الْمَجَالِدُ بْنُ سَعِیْدٍ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ زِیَادِ بْنِ النَّضْرِ الْحَارِثِیْ وَرَجَعَ بْنُ عَبَّاسٍ وَشُرَیْحُ بْنُ هَانِیْ اِلیٰ عَلِیٍّ وَ کَانَ اِذَا صَلَّی الْغَدَاةِ یَقْنُتُ فَیَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ مُعَاوِیَةَ وَ عُمَرَ، وَاَبَا الْاَعْوَرَ السُّلَمِیْ وَحَبِیْبًا وَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ خَالِدٍ وَالضَّحَّاکَ بْنَ قَیْسٍ وَالْوَلِیْدَ فَبَلَغَ ذٰلِکَ مُعَاوِیَةَ فَکَانَ اِذَا قَنَتَ لَعَنَ عَلِیًّا وَابْنَ عَبَّاسٍ وَالْاَشْتَرَ وَحَسَنًا وَحُسَیْنًا۔

(تاریخ طبری ج۶ ص۴۰ ۳۷ھ
مطبوعہ بیروت)

ترجمہ

حضرت ابن عباس اور شریح جب حکمین کا فیصلہ سن کر واپس حضرت علی کے پاس آئے۔ تو حضرت علی کو وہ فیصلہ بتایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے تو یہ الفاظ کہتے۔ اے اللہ! معاویہ عمر، ابوالاعور السلمی، حبیب، عبدالرحمٰن بن خالد، ضحاک بن قیس اور ولید پر لعنت بھیج۔ جب اس کی خبر حضرت امیر معاویہ کو ملی۔ تو انہوں نے قنوت پڑھتے وقت یہ کہنا شروع کر دیا۔ علی ابن عباس، اشتر اور حسن و

حسین پر لعنت ہو۔

البدایۃ والنہایۃ:

فَذَكَرَ اَبُوْ مَخْنَفٍ عَنْ اَبِيْ حُبَابِ الْكَلْبِيْ اَنَّ عَلِيًّا لَمَّا بَلَغَهٗ مَا فَعَلَ عَمْرُو كَانَ يَلْعَنُ فِيْ قُنُوْتِهٖ مُعَاوِيَةَ وَعَمْرَو بْنَ الْعَاصِ، اَبَا الْاَعْوَرِ السُّلَمِيْ وَحَبِيْبَ ابْنَ مَسْلَمَةَ وَالضَّحَّاكَ بْنَ قَيْسٍ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ وَالْوَلِيْدَ بْنَ عُقْبَةَ فَلَمَّا بَلَغَ ذٰلِكَ مُعَاوِيَةَ كَانَ يَلْعَنُ فِيْ قُنُوْتِهٖ عَلِيًّا وَحَسَنًا وَحُسَيْنًا وَابْنَ عَبَّاسٍ وَالْاَشْتَرَ النَّخْعِيْ وَلَا يَصِحُّ هٰذَا۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد نمبر ۷ ص ۲۸۴ سنہ ۳۷ھ)

ترجمہ

حباب الکلبی سے ابو مخنف نے ذکر کیا۔ کہ جب حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو عمرو بن العاص کے فیصلہ کی اطلاع ملی۔ تو حضرت علی اپنی قنوت میں ان حضرات پر لعنت کیا کرتے تھے۔ معاویہ، عمرو بن العاص ابوالاعور السلمی، حبیب بن مسلمہ، ضحاک بن قیس، عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید اور ولید بن عقبہ۔ پھر جب یہ خبر حضرت امیر معاویہ تک پہنچی۔ تو انہوں نے قنوت کے درمیان حضرت علی، حسن و حسین، ابن عباس اور

اشتر نخعی کو لعنت دینا شروع کر دی۔ اور یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

ان عبارات سے معلوم ہوا۔ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ پر لعنت کیا کرتے تھے۔ یہاں

روایات میں لفظ "سب"، نہیں۔ کہ اس کی تاویل کر دی جائے۔ اس لیے پتہ چلا۔ کہ ان روایات میں بھی "سب"، کا معنی لعنت ہی ہے۔

جواب شبہہ:

ہمارا مسلک یہ ہے۔ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین باہم لعن طعن کرنے سے بری تھے۔ اس لیے صاحب البدایہ نے کہا ہے۔ کہ لعن طعن کی یہ روایات صحیح نہیں ہیں لہٰذا ایسی روایات کہ جن میں ان باتوں کا ثبوت ہو۔ وہ ناقابل اعتبار ہیں۔ ان مذکورہ روایات میں سے کامل ابن اثیر اور البدایہ والی روایت کی تو پوری سند مذکور نہیں۔ اس لیے یہ قابل حجت نہ بنی۔ ہاں طبری کی روایت باسناد ہے۔ لیکن اس میں راوی پہلا ابو مخنف وہی ہے کہ جس کے بارے میں ہم گزشتہ صفحات میں تحقیق کر چکے۔ کہ یہ بالکل ناقابلِ وثوق آدمی ہے۔ کٹر شیعہ ہونے کے علاوہ اس سے کسی نے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ دوسرا راوی "مجالد بن سعید"، ہے۔ اس کی حقیقت بھی سُن لیجئے۔

میزان الاعتدال:

مُجَالِدُ بْنُ سَعِيْدِ الْهَمْدَانِی مَشْهُوْرٌ صَاحِبُ حَدِيْثٍ عَلِيٌّ فِيْهِ لِيْنٌ رَوٰی عَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِی حَازِمٍ وَالشَّعْبِیِّ قَالَ ابْنُ مُعِيْنٍ

وَغَيْرُهُ، لَا يُحْتَجُّ بِهِ وَقَالَ اَحْمَدُ يَرْفَعُ كَثِيْرًا مِمَّا لَا يَرْفَعُهُ النَّاسُ لَيْسَ بِشَيْءٍ وَ قَالَ النَّسَائِيُّ لَيْسَ بِقَوِيٍّ وَ ذَكَرَ الْاَشَجُّ اَنَّهُ شِيْعِيٌّ وَقَالَ الدَّارُ قُطْنِيُّ ضَعِيْفٌ وَقَالَ الْبُخَارِيُّ كَانَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ يُضَعِّفُهُ وَكَانَ ابْنُ مَهْدِيٍّ لَا يَرْوِيْ عَنْهُ۔

(میزان الاعتدال ص ۸
مطبوعہ بیروت)

ترجمہ

مجالد بن سعید ہمدانی حدیثِ علی والا مشہور ہے۔ اس میں روایت کے اعتبار سے کمزوری ہے۔ قیس بن ابی حازم اور شعبی سے روایت کرتا ہے ابن معین وغیرہ نے کہا ہے۔ کہ یہ قابل احتجاج نہیں ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں۔ بہت سی ایسی احادیث کو مرفوع ذکر کر دیتا کہ جن کو کسی نے بھی مرفوع ذکر نہیں کیا ہوتا۔ یہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ امام نسائی کا کہنا ہے۔ یہ کمزور ہے۔ اشج نے ذکر کیا۔ یہ شیعہ تھا۔ دار قطنی نے اسے ضعیف کہا۔ امام بخاری نے کہا۔ کہ یحییٰ بن معین اس کی تضعیف کیا کرتے تھے۔ اور ابن مہدی اس کی روایت کو ذکر نہ کرتا تھا۔

قارئین کرام! آپ نے ان راویوں کے حالات اور ان کی حیثیت فن رجال کے اعتبار سے جان لی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ان کی روایت اس پایہ کی ہرگز نہیں ہو سکتی کہ اس پر اعتماد کیا جا سکے۔ پھر یہ بھی کہ ان کا تعلق بھی اسی مذہب سے ہے۔ جو معترض کا ہے۔

«البدایہ والنہایہ»، کی روایت ذکر کرنے میں معترض نے چالاکی اور ہوشیاری سے کام لے کر اس کے آخری الفاظ ذکر ہی نہیں کیے۔ کیونکہ ان الفاظ سے نہ تو اس روایت کا وزن باقی رہتا تھا۔ اور نہ ہی معترض کے ہاتھ کوئی بات آ سکتی تھی۔ الفاظ یہ ہیں۔ ولا یصح ھذا۔ یہ روایت اور اس کا مفہوم صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا اسی روایتِ غیر صحیحہ سے یہ ثابت کرنا۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضٰے پر لعن طعن کیا کرتے تھے۔ کہاں درست ہوگا؟

اگر تھوڑی دیر کے لیے اس روایت کو درست تسلیم کر لیا جائے۔ تو پھر ایک نہیں دو قباحتیں لازم آئیں گی۔ ایک یہ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جناب علی المرتضٰے پر لعن طعن کرتے تھے۔ اور دوسری یہ کہ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ بھی امیر معاویہ وغیرہ پر لعن طعن کرتے تھے۔ بلکہ اس کی ابتداء حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ نے کی۔ امیر معاویہ نے تو ان کے لعن طعن کے جواب میں ایسا کہنا شروع کیا۔ تو اصل اعتراض حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ پر ہوگا۔ کیا خیال ہے۔ معترض اس کو تسلیم کرے گا؟

خلاصۂ جواب:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر جو یہ الزام دیا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کیا۔ اول تو ایسی روایات بالکل بے بنیاد اور غلط ہیں۔

دوسرا یہ کہ جن روایات میں لفظ «سب»، آیا ہے۔ اس کے معنی ڈانٹ ڈپٹ بھی ہیں۔ جو کہ ان حضرات کی شان کے پیشِ نظر درست ہیں۔ اس لفظ سے گالی اور لعنت مراد لینا درست ہے۔ اس کی تائید لغت اور احادیث نبویہ سے پھر ان کی تشریحات سے ہم پیش کر چکے ہیں۔ تیسرا یہ کہ جہاں کہیں کسی روایت میں لفظ «لعنت»، موجود

ہے۔ وہ روایت ہی سرے سے قابل استناد نہیں۔ اس کے راوی متعصب شیعہ تھے ان کی ایسی باتوں کو کون تسلیم کرے گا۔ اور آخری بات یہ کہ خود صاحب البدایۃ والنھایۃ نے اس کا فیصلہ خود صادر فرما دیا ہے۔ کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ پھر بفرض تسلیم اس لعن طعن کی ابتداء حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض تب ہوتا۔ کہ یہ اس کی طرح ڈالتے لیکن روایات اس کا ساتھ نہیں دیتیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

جواب چہارم:

سب وشتم کی روایات فریقین کے نزدیک بے اصل ہیں۔ وگرنہ اس کی ابتداء حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہوئی

منتخب التواریخ:

وگفتہ شدہ کہ حضرت امیر پنج نفر را لعن میکرد معٰویہ عمرو بن العاص ابواعور سلمی وحبیب بن مسلمہ وبرسں بن ارطاۃ را و معٰویہ ہم پنج نفر را لعن میکرد آنحضرت و دو نور دیدہ اش وعبداللہ بن عباس ومالک اشتر را۔

(منتخب التواریخ باب سوم ص ۱۳۷ تا ۱۳۸ فصل ہشتم مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ

کہا گیا ہے۔ کہ حضرت امیر المومنین علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ پانچ اشخاص پر لعنت کیا کرتے تھے۔ ۱۔ امیر معاویہ۔ ۲۔ عمرو بن العاص۔ ۳۔ ابو اعور سلمی، ۴۔ حبیب بن مسلمہ، ۵۔ برس بن ارطاۃ۔ اور امیر معاویہ بھی پانچ آدمیوں کو لعنت کرتے حضرت علی رض حسن وحسین رض عبد اللہ بن عباس اور مالک اشتر پر۔

ابن حدید:

وَلِهٰذَا قَنَتَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلٰى مُعَاوِيَةَ وَجَمَاعَةٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ وَلَعَنَهُمْ فِىْ اَدْبَارِ الصَّلٰوةِ۔

(ابن حدید شرح نہج البلاغہ جلد ۳
ص ۸ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ

اس لیے حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ فرضی نمازوں کے بعد امیر معاویہ اور ان کے دوسرے ساتھیوں پر لعنت بھیجا کرتے تھے۔

کتاب الصفین:

وَكَانَ عَلِیٌّ اِذَا صَلَّى الصَّلٰوةَ الْغَدَاةَ وَالْمَغْرِبَ وَفَرَغَ مِنَ الصَّلٰوةِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ مُعَاوِيَةَ وَعَمْرًا وَ اَبَا مُوْسٰى وَ حَبِيْبَ بْنَ

مَسْلَمَةَ وَالضَّحَاكَ بْنَ قَيْسٍ وَالْوَلِيْدُ بْنُ عُقْبَةَ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنَ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ فَبَلَغَ ذٰلِكَ مُعَاوِيَةَ وَكَانَ إِذَا قَنَتَ لَعَنَ عَلِيًّا وَ ابْنَ عَبَّاسٍ وَقَيْسَ بْنَ سَعْدٍ وَالْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ۔

(کتاب صفین مطبوعہ ایران سنہ ۱۳۰۱ھ ص ۲۰۲)

ترجمہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب نماز صبح اور مغرب ادا فرمالیتے۔ تو یوں کہتے اے اللہ لعنت بھیج معاویہ، عمرو بن العاص، ابو موسیٰ، حبیب بن مسلمہ ضحاک بن قیس، ولید بن عقبہ، عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید پر، جب اس کی خبر حضرت امیر معاویہ کو ہوئی۔ تو انہوں نے قنوت کے وقت علی، ابن عباس قیس بن سعد اور حسن و حسین پر لعنت کرنا شروع کردی۔

لمحہ فکریہ:

گزشتہ اوراق میں ہم اس امر کی تحقیق کر چکے ہیں۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس الزام سے بری ہیں۔ کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ وغیرہ پر لعن طعن کیا کرتے تھے۔ کیونکہ ایسی روایات کہ جن میں یہ مضمون پایا جاتا ہے۔ ناقابل اعتبار ہیں۔ ان کے راوی گئے۔ گزرے ہیں۔ اب ہم اس امر کی تحقیق پیش کرتے ہیں۔ کہ کیا واقعی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ وغیرہ پر سلسلہ لعن طعن شروع کیا؟

نہج البلاغۃ:

وَقَدْ سَمِعَ قَوْمًا مِنْ اَصْحَابِهٖ يَسُبُّوْنَ

مِنْ اَهْلِ الشَّامِ اَيَّامَ حَرْبِهِمْ بِصِفِّيْنَ اِنِّیْ اُكْرِهُ لَكُمْ اَنْ تَكُوْنُوْا سَبَّابِيْنَ وَ لٰكِنَّكُمْ وَصَفْتُمْ اَعْمَالَهُمْ وَ ذَكَرْتُمْ حَالَهُمْ كَانَ اَصْوَبَ فِی الْقَوْلِ وَاَبْلَغَ فِی الْعُذْرِ وَقُلْتُمْ مَكَانَ سَبِّكُمْ اِيَّاهُمْ اَللّٰهُمَّ احْقِنْ دِمَآءَنَا وَ دِمَاءَهُمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَ بَيْنِهِمْ۔

(نہج البلاغہ خطبہ ۲۰۶ ص ۳۲۳ مطبوعہ بیروت جدید چھوٹا سائز)

ترجمہ

جنگ صفین میں آپ کے اصحاب میں سے ایک گروہ اہل شام کو سب و شتم کرتا تھا۔ آپ نے یہ خبر سُنی تو فرمایا۔ میں تمہارے لیے اس امر کو مکروہ سمجھتا ہوں۔ کہ تم دشنام دینے والے بن جاؤ۔ لیکن اگر تم ان کے اعمال کا بدلہ بیان کرو۔ ان کی خراب حالتوں کا ذکر کرو۔ تو البتہ یہ گفتار نہایت درست ہے۔ اعتذار کے لیے نہایت بلیغ ہے۔ اب تم جو انہیں دشنام دیتے ہو۔ تو اس کی بجائے یہ کہو۔ کہ پروردگار ہمارے اور ان کے خون کو بہنے سے بچا ہمارے اور ان کے درمیان اصلاح کردے۔

نہج البلاغہ:

كَتَبَهٗ اِلٰى اَهْلِ الْاَمْصَارِ يَقُصُّ فِيْهِ مَاجَرٰی بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ اَهْلِ الصِّفِّيْنِ وَ كَانَ بَدْءُ اَمْرِنَا اِنَّا الْتَقَيْنَا وَ الْقَوْمُ مِنْ اَهْلِ الشَّامِ

وَالظَّاهِرُ اَنَّ رَبَّنَا وَاحِدٌ وَنَبِيَّنَا وَاحِدٌ وَدَعْوَتَنَا فِي الْاِسْلَامِ وَاحِدٌ وَلَا نَسْتَزِيْدُهُمْ فِي الْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَالتَّصْدِيْقِ بِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَسْتَزِيْدُوْنَنَا اَلْاَمْرُ وَاحِدٌ اِلَّا مَا اخْتَلَفْنَا فِيْهِ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ وَنَحْنُ مِنْهُ بُرَآءٌ۔

(نہج البلاغہ خط نمبر ۵۸ صفحہ نمبر ۴۴۸
مطبوعہ بیروت چھوٹا سائز)

ترجمہ

اکثر شہروں کے معززین کو حضرت امیر نے خط تحریر فرمایا ہے۔ کہ جس میں ماجرائے جنگ صفین کا بیان ہے۔ ہماری اس ملاقات (لڑائی) کی ابتداء جو اہل شام کے ساتھ ہوئی۔ کیا تھی۔ حالانکہ یہ بات ظاہر ہے۔ کہ ہمارا اور ان کا خدا ایک رسول ایک ہے۔ دعوت اسلام ایک ہے۔ جیسے وہ لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے ہیں ویسے ہم بھی۔ ہم خدا پر ایمان لانے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں ان پر کسی فضیلت کے خواہاں نہیں نہ وہ ہم پر فضل و زیادتی کے طلب گار ہیں۔ ہماری حالتیں بالکل یکساں ہیں۔ مگر وہ ابتداء یہ ہوئی۔ کہ خون عثمان میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ حالانکہ ہم اس سے بری تھے۔

(نیرنگ فصاحت ترجمہ،
نہج البلاغہ۔ صفحہ نمبر ۴۶۷
مطبوعہ یوسفی دہلی۔

قرب الاسناد:

جَعْفَرٌ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَقُوْلُ لِاَهْلِ حَرْبِهٖ اِنَّا لَمْ نُقَاتِلْهُمْ عَلَى التَّكْفِيْرِ لَهُمْ وَلَمْ نُقَاتِلْهُمْ عَلَى التَّكْفِيْرِ لَنَا وَلٰكِنَّا رَاَيْنَا اِنَّا عَلٰى حَقٍّ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ عَلٰى حَقٍّ۔

(قرب الاسناد عبداللہ بن جعفر حمیری قمی۔ ص ۴۵ مطبوعہ تہران جدید)

ترجمہ

امام جعفر اپنے والد بزرگوار امام باقر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ اپنے مدمقابل کے بارے میں فرمایا کرتے تھے ہم نے ان کے ساتھ لڑائی اس لیے نہیں کی۔ کہ وہ ہمیں یا ہم ان کو کافر سمجھتے تھے۔ لیکن ہوا یوں کہ انہوں نے اپنے آپ کو اور ہم نے اپنے آپ کو حق پر سمجھا۔

قرب الاسناد:

جَعْفَرٌ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَكُنْ يَنْسِبُ اَحَدًا مِّنْ اَهْلِ حَرْبِهٖ اِلَى الشِّرْكِ وَلَا اِلَى النِّفَاقِ وَلٰكِنْ يَقُوْلُ لَهُمْ اِخْوَانُنَا بَغَوْا عَلَيْنَا۔

(قرب الاسناد ص ۴۵ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ

امام جعفر صادق اپنے والد گرامی امام باقر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ اپنے مدمقابل میں سے کسی کو بھی مشرک یا منافق کی نسبت سے یاد نہ کرتے تھے۔ لیکن یوں کہا کرتے تھے۔ وہ ہمارے بھائی تھے۔ ان سے زیادتی ہوگئی۔

ان روایات سے صاف ظاہر کہ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ اس وجہ سے نہ تھی۔ کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو مشرک۔ کافر یا منافق سمجھتا تھا۔ لیکن وجہ یہ تھی۔ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ذمہ دار لوگوں سے قصاص لینے میں حضرت علی المرتضےٰ اپنے آپ اور اپنے ساتھیوں کو حق پر سمجھتے تھے۔ اُدھر امیر معاویہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما وغیرہ اپنے آپ کو حق پر گردانتے تھے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ جب حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا۔ کہ کچھ لوگ جو ان کے طرف دار تھے۔ امیر معاویہ پر لعن طعن کرتے ہیں۔ تو آپ نے انہیں منع کر دیا۔ اور انہیں فرمایا۔ کہ ان لوگوں کے بارے میں کلمات خیر کہو۔ صرف انہیں مغالطہ لگا ہے۔ کہ ہم حضرت عثمان کی شہادت میں ملوث تھے۔ بلکہ ہم تو اس سے بالکل بَری تھے۔ اسی طرح نہ ہم ان پر کسی ایمانی برتری کے خواہاں اور نہ وہ ہم پر کسی فضیلت کے خواستگار ہیں۔

جب معلوم ہوگیا۔ کہ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ وغیرہ مدمقابل کو مسلمان سمجھتے تھے۔ تو ضابطہ شرعیہ کے مطابق لعنت، صرف کفر شرک و نفاق پر ہوتی ہے۔ احادیث میں موجود ہے۔ کہ اگر کوئی کسی پر لعنت کرتا ہے۔ تو وہ دو حالتوں سے خالی نہیں۔

اگر وہ لعنت کا مستحق تھا۔ تو ٹھیک ورنہ لعنت لوٹ کر لعنت کرنے والے

پڑ آپڑتی ہے۔

(حلیۃ المتقین ص ۱۲۶ مطبوعہ ایران قدیم
قرب الاسناد ص ۷)

لہذا معلوم ہوا۔ کہ وہ روایات کہ جن میں یہ مذکور ہے۔ کہ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ امیر معاویہ اور ان کے رفقاء پر لعنت کیا کرتے تھے۔ بالکل بے اصل اور بہتان سے کم نہیں اس کی تردید خود حضرت علی المرتضٰے کے اقوال سے آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔

جواب پنجم :-

حضرت امیر معاویہ حضرت علی پر لعنتیں نہیں بھیجتے تھے۔ اور ان کا ذکر سن کر رو پڑتے تھے

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کی روایات کا حال آپ معلوم کر چکے۔ اب ہم ایک اور جواب کی طرف آ رہے ہیں۔ وہ یہ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کتب شیعہ میں یہ موجود ہے۔ کہ جب بھی ان کے سامنے حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کے فضائل یا ان کا تذکرہ ہوتا۔ تو سن کر یہ رو پڑتے۔ اور فضائل سنانے والوں کے لیے دعائے مغفرت فرماتے لہذا جو شخص کسی کے فضائل سن کر رو پڑے۔ اس سے یہ توقع کیونکر کی جا سکتی ہے۔ کہ وہ اس پر لعنت بھی بھیجتا ہو گا۔

حوالہ جات اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہوں۔

امالی شیخ صدوق:

عَنِ الْاَصْبَغِ بْنِ نُبَاتَةَ قَالَ دَخَلَ ضَرَّارُ بْنُ ضَمْرَةَ النَّهْشَلِیُّ عَلٰی مُعَاوِیَةَ بْنِ اَبِیْ سُفْیَانَ فَقَالَ لَهٗ صِفْ لِیْ عَلِیًّا قَالَ ۔۔۔۔۔۔۔ فَاِذَا تَبَسَّمَ فَعَنْ مِثْلِ اللُّؤْلُؤِ الْمَنْظُوْمِ فَقَالَ مُعَاوِیَةُ زِدْنِیْ مِنْ صِفَتِهٖ فَقَالَ ضَرَّارُ رَحِمَ اللّٰهُ عَلِیًّا کَانَ وَاللّٰهِ طَوِیْلُ السُّهَادِ قَلِیْلُ الرُّقَادِ یَتْلُوْا کِتَابَ اللّٰهِ اٰنَآءَ اللَّیْلِ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ ۔۔۔۔۔۔۔ قَالَ فَبَکٰی مُعَاوِیَةُ وَقَالَ حَسْبُکَ یَا ضَرَّارُ کَذٰلِکَ کَانَ وَاللّٰهِ عَلِیٌّ رَحِمَ اللّٰهُ اَبَا الْحَسَنِ۔

(۱۔ امالی شیخ صدوق ص ۳۷۱ المجلس الحادی التسعون مطبوعہ قم جدید)
(۲۔ حلیۃ الابرار مصنفہ ہاشم حسینی بحرانی جلد ۱ ص ۳۳۸۔ الباب الخامس والعشرون مطبوعہ قم جدید)

ترجمہ

ضرار بن ضمرہ ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ کے پاس گیا۔ تو اسے امیر معاویہ نے فرمایا۔ کچھ حضرت علی المرتضٰے کی صفات بیان کرو۔ (اس نے یوں کہا۔) جب وہ مسکراتے تھے۔ تو یوں لگتا کہ دانت جڑے ہوئے موتی ہیں۔ حضرت معاویہ نے فرمایا۔ کچھ اور صفات بیان کرو۔ ضرار کہتا ہے۔ کہ اللہ

حضرت علی پر رحم کرے۔ بخدا وہ بہت زیادہ جاگنے والے، کم نیند کرنے والے اور رات دن کے اکثر اوقات تلاوتِ قرآن کرنے والے تھے .... یہ سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ اور فرمایا۔ اب بس کرو۔ خدا کی قسم! اللہ رحم کرے علی المرتضٰے واقعی ایسے تھے۔

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تو حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کے اوصاف اور ان کا تذکرہ سن کر ان کے لیے دعائے رحمت مانگ رہے ہیں۔ اور یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ کہ دعائے رحمت اور لعنت دو متضاد باتیں ہیں۔ اگر کسی کے لیے کوئی رحمت کی دعا کرتا ہو۔ تو وہ اس پر لعنت نہیں اور اگر لعنت بھیجتا ہو تو رحمت کی دعا نہیں کرے گا۔ اس لیے جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ سے حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کے لیے رحمت کی دعا کر رہے ہیں۔ تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ آپ ان پر لعنت بھی کرتے ہوں۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ لعنت کرنے والی روایات قابل وثوق نہیں ہیں۔

قرآن کریم کی ایک آیت ”وان طائفتان من المومنین اقتتلوا“ کے متعلق امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ کہ یہ آیت حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی۔ تو اس آیت میں دونوں گروہوں کو ”مومن“ کہہ کر ذکر کیا گیا۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ امام جعفر رضی اللہ عنہ کے نزدیک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح مومن تھے۔ جس طرح ان کے جد امجد حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ تھے۔ تو ایک کامل الایمان شخص سے یہ کیونکر توقع کی جا سکتی ہے۔ کہ وہ علی المرتضٰے ایسے صحابی پر لعنت بھیجتا ہو۔ یا حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ سے یہ کیونکر امید کہ وہ اس شخص پر لعنت کریں۔ جسے اللہ نے مومن فرمایا ہو۔

کتب شیعہ کا بنظر انصاف مطالعہ کرنے والا لازماً اس نتیجہ پر پہنچ جائے گا۔ کہ ان

دونوں حضرات میں سے کسی نے بھی دوسرے پر سب و شتم یا لعنت نہیں کی حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے مدائح اور صفات سُن کر رو دینے والا شخص ان کا بھی خواہ ہوتا ہے۔ دشمن نہیں۔ اللہ تعالیٰ متعصب لوگوں کو ہدایت دے۔

جواب ششم:

بات دراصل یہ ہے۔ کہ جب کتب اہل سنت نے یہ ثابت کر دیا۔ کہ اہل تشیع اپنے عقیدہ کی بنا پر بعض صحابہ کرام پر لعن طعن کرتے رہے اور اب بھی کرتے ہیں۔ تو ان عقل کے اندھوں کے پاس اور کوئی جواب نہ بن پڑا۔ تو کلام کو دوسرے موضوع کی طرف پلٹ کر لے گئے۔ اور اپنی بد قسمتی پر رونے کی بجائے انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ کہ اگر ہم ایسا کرتے ہیں۔ تو کون سی نئی بات ہے۔ ہمارے امام حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ بھی تو امیر معاویہ وغیرہ پر لعن طعن کرتے رہے۔

ہم نے ان کے اس بھونڈے حربہ کا پورا صفایا کر دیا۔ پھر دوسرا پلٹا کھایا۔ کہ سنیو! تم ہمیں لعن طعن سے منع کرتے ہو۔ تم اپنے سلف کو دیکھو۔ کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کو لعنت نہ کرتے رہے۔ خود تمہاری کتب اس کی نشاندہی کرتی ہیں۔ گویا یہ ان کے فرار کا ایک بہانہ ہے۔ سیدھا نہیں مانتے کہ ہم لعن طعن کر کے اپنی آخرت برباد کرتے ہیں۔ بلکہ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مصداق بے سروپا روایات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ امیر معاویہ نے بھی ایسا کیا۔ ہم نے اس کا بھی پورا محاسبہ کیا۔ اور ثابت کر دیا۔ کہ ان روایات کا کوئی وزن نہیں۔ ان سے کوئی بات ثابت نہیں ہو سکتی۔

اہل تشیع اب بھی لعنت کے خوگر ہیں

فروع کافی:

عَنِ الْحُسَیْنِ بْنِ ثُوَیْرٍ وَاَبِیْ سَلَمَۃَ السَّرَّاجِ قَالَ سَمِعْنَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْہِ السَّلَامُ ھُوَ یَلْعَنُ فِیْ دُبُرِ کُلِّ مَکْتُوْبَۃٍ اَرْبَعَۃً مِّنَ الرِّجَالِ وَاَرْبَعًا مِّنَ النِّسَاءِ فُلَانٌ وَفُلَانٌ وَفُلَانٌ وَمُعَاوِیَۃُ وَیُسَمِّیْھِمْ وَفُلَانَۃٌ وَفُلَانَۃٌ وَھِنْدٌ وَاُمُّ الْحَکَمِ اُخْتُ مُعَاوِیَۃَ۔

(فروع کافی جلد ۳ ص ۳۴۲۔ کتاب الصلوٰۃ الخ۔ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ

حسین بن ثویر اور مسلمہ سراج دونوں روایت کرتے ہیں۔ کہ ہم نے امام جعفر صادق کو ہر فرضی نماز کے بعد چار مردوں اور چار عورتوں پر لعنت کرتے سنا ان چار مردوں میں امیر معاویہ بھی ہیں۔ اور چوتھی عورت ام الحکم ہیں۔ جو امیر معاویہ کی ہمشیرہ ہیں۔

"شیعہ" اگر سنّی کے جنازہ کی نماز پڑھے۔ تو وہ اس کے لیے لعنت کرے گا

فروع کافی:

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ مَاتَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُنَافِقِیْنَ فَخَرَجَ الْحُسَیْنُ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَمْشِیْ فَلَقِیَ مَوْلٰی لَہٗ فَقَالَ لَہٗ اِلٰی اَیْنَ تَذْھَبُ فَقَالَ اَفِرُّ مِنْ جَنَازَۃِ ھٰذَا الْمُنَافِقِ اَنْ اُصَلِّیَ عَلَیْہِ فَقَالَ لَہُ الْحُسَیْنُ عَلَیْہِ السَّلَامُ قُمْ اِلٰی جَنْبِیْ فَمَا سَمِعْتَنِیْ اَقُوْلُ فَقُلْ مِثْلَہٗ قَالَ فَرَفَعَ یَدَیْہِ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ اَخْزِ عَبْدَکَ فِیْ عِبَادِکَ وَبِلَادِکَ۔

(فروع کافی جلد ۳ صفحہ نمبر ۱۸۹
کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ
علی الناصب مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ ایک منافق

(یعنی سُنی) مرگیا۔ تو امام حسین رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے۔ ایک غلام سے ملاقات ہوئی۔ اسے پوچھا۔ کہاں جا رہے ہو۔ اس نے کہا۔ کہ میں اس منافق کے جنازہ پڑھنے سے بھاگ رہا ہوں۔ یہ سُن کر امام حسین رضی اللہ عنہ نے اُسے فرمایا۔ ٹھہرو۔ اس کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ تم میرے پہلو میں کھڑے ہو جانا۔ اور جو الفاظ میں کہوں تُو بھی وہی کہنا۔ تو غلام کا بیان ہے۔ کہ میں نے امام موصوف سے یہ کہتے ہوئے سُنا۔ انہوں نے ہاتھ اٹھائے۔ اور کہا اے اللہ! اس بندے کو اپنے بندوں میں ذلیل کر۔ اور اپنے شہروں میں اسے رسوا کر

(حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کے مزار اقدس پر حاضری کے وقت ہر شیعہ خلفاء ثلاثہ اور امیر معاویہ پر لعنت کرتا ہے۔

اماموں کے مزارات پر حاضری کے وقت شیعہ فرقہ خلفاء راشدین پر لعنت کرتا ہے

اہل تشیع کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ اگر کوئی شیعہ کسی اہل بیت کے مزار پر جائے۔ تو اس کی وہاں مانگی جانے والی دعا اس وقت تک قبول نہیں ہوتی۔ جب تک وہ خلفائے ثلاثہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حضور سب وشتم اور لعن طعن نہ کرے۔ الفاظ ملاحظہ ہوں

فروع کافی: اَنْتَ اَوَّلُ مَظْلُوْمٍ اَوَّلُ مَغْصُوْبٍ حَقُّهٗ فَصَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ظَلَمَكَ وَاعْتَدٰى عَلَيْكَ وَصَدَّ عَنْكَ لَعْنًا كَثِيْرًا

يَلْعَنُهُمْ بِهٖ كُلُّ مَلَكٍ مُقَرَّبٍ وَكُلُّ نَبِيٍّ مُرْسَلٍ وَكُلُّ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ مُمْتَحَنٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔

(فروع کافی جلد ۴ ص ۵۷۰۔ کتاب الحج
دعاء عند قبر امیر المومنین
مطبوعہ تہران جدید)

ترجمہ

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری کے وقت زائر یہ دعا کرے۔ آپ سب سے پہلے مظلوم ہیں۔ آپ کا حق چھینا گیا۔ تو آپ نے صبر اختیار کیا۔ اور اجر پایا۔ اللہ اس پر لعنت بھیجے جس نے آپ پر ظلم کیا آپ پر زیادتی کی۔ اور آپ سے منہ موڑا۔ تمام مقرب فرشتے، تمام نبی مرسل اور تمام مومنین کی اس پر بے شمار لعنتیں۔ اے امیر المومنین اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے۔

تحفہ العوام:

پھر دو رکعت نماز پڑھے۔ اور یہ کہے۔

اَللّٰهُمَّ خُصَّ اَنْتَ اَوَّلَ ظَالِمٍ بِاللَّعْنِ مِنِّيْ وَاَبْدَاْءُ بِهٖ اَوَّلًا ثُمَّ الثَّانِيْ ثُمَّ الثَّالِثَ ثُمَّ الرَّابِعَ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ يَزِيْدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ خَامِسًا وَالْعَنْ عُبَيْدَ اللّٰهِ بْنَ زِيَادٍ وَ ابْنَ مَرْجَانَةَ وَ عُمَرَ بْنَ سَعْدٍ وَشِمْرًا وَ اٰلَ اَبِيْ سُفْيَانَ وَاٰلَ زِيَادٍ وَاٰلَ مَرْوَانَ اِلٰى

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۔

(تحفۃ العوام حصہ اول باب بیسواں ماہ محرم
کے اعمال، مطبوعہ لکھنؤ، قدیم)

ترجمہ

پھر دو رکعت پڑھ کر یہ کہے۔ اے اللہ! میری طرف سے سب سے پہلے ظالم پر مخصوص لعنت بھیج۔ (یعنی ابوبکر صدیق پر) اس طرح پہلے سے شروع کر دے پھر دوسرے (فاروق اعظم) اور تیسرے (عثمان غنی) اور چوتھے (امیر معاویہ) پر اور پانچویں یزید بن معاویہ پر لعنت کرے۔ اے اللہ! تو عبید اللہ بن زیاد ابن مرجانہ، عمر بن سعد، شمر، ابوسفیان کی آل۔ زیاد کی آل اور مروان کی آل پر تاقیامت لعنت بھیج۔

الحاصل:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اہل سنت و اہل تشیع دونوں کی کتب میں ایسی روایات موجود ہیں۔ جن میں دونوں طرف سے ایک دوسرے پر لعن طعن اور سب و شتم کا ذکر ملتا ہے۔ ایسی تمام روایات سخت مجروح ہیں۔ اہل سنت کی کتب میں مذکورہ روایات کا مجروح ہونا ہم اسمائے رجال کی کتب سے ثابت کر چکے ہیں۔ اور اہل تشیع کی کتب کی روایات کی تردید خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قول سے کر دی گئی۔ جس میں آپ نے اس بات سے منع فرما دیا۔ کہ کوئی شخص امیر معاویہ پر سب ادلے لعن و طعن نہ کرے۔ کیونکہ ان کا اور ہمارا ایک خدا، ایک رسول اور ایک ہی دعوت ہے۔ حضرت امیر معاویہ کی طرف جن روایات سے یہ نسبت کی گئی ہے۔ کہ یہ بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ وغیرہ کو برا بھلا کہتے تھے۔ ان

کی تحقیق بھی ہم نے کر دی۔ کہ یہ روایات ناقابل اعتبار اور غیر ثقہ ہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
تو ذکرِ علی سن کر رو دیا کرتے تھے۔ اور اِن کے حق میں اللہ سے دعائیں کیا کرتے تھے۔ ایسے
شخص سے یہ کیونکر متوقع کہ وہ جلیل القدر صحابی کے بارے میں زبان درازی سے کام
لیتا ہوگا۔ لعنت کا سزاوار کوئی مشرک و کافر ہی ہو سکتا ہے۔ یہ عقیدہ نہ حضرت علی المرتضےٰ
کا تھا۔ اور نہ ہی امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کو کامل الایمان سمجھتے
تھے۔ اور ایک دوسرے کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار فرماتے تھے۔ امیر معاویہ رضی
نے ضرار سے حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کی تعریف خود کہہ کر سنی۔ اور پھر خوش خبری
دی۔ کہ اِن کی تعریف تیری بخشش کا ذریعہ بنے گی۔ (انشاء اللہ)

ہر منصف مزاج آدمی اس امر سے بخوبی واقف ہو چکا ہوگا۔ کہ لعن طعن اور تبرہ
بازی اہلسنت کا شیوہ نہیں۔ بلکہ یہ بد خصلت اہل تشیع میں گھر کر چکی ہے۔ نہ تو اہل سنت
کے اکابرین میں سے کسی نے اس قابل نفرت عمل کو اپنایا۔ اور نہ ہی ان کے متبعین میں
سے کوئی اس کا حامی اور مؤید ہے۔ ہم تو تمام صحابہ کرام کو بلا استثناء امت کی ہدایت کے لیے
روشن ستارے مانتے ہیں۔ ان کی محبت کو جزو ایمان گردانتے ہیں۔ ان کے ذکر سے دلوں
کو سرور و فرحت کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ وہ اور ہیں۔ جو ان کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اور حضرت
علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے مزار پر انوار پر حاضر ہو کر ان کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ
انہیں ہدایت عطا فرمائے۔

اہل بیت پاک سے گستاخیاں بے باکیاں
لعنۃ اللہ علیکم دشمنانِ اہل بیت۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

طعن نمبر (۲)

حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے عہد شکنی کی۔ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی بجائے یزید کو ولی عہد بنا دیا

حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) اور امام حسن رضی اللہ عنہ کے مابین جو معاہدہ طے پایا تھا اس کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی۔ کہ امام حسن نے کہا تھا۔ کہ تمہاری زندگی تک خلافت تمہارے سپرد ہے۔ لیکن اس کے۔ بعد خلافت میری ہو گی۔ اہل سنت کی مشہور کتاب "الاستیعاب" میں مذکور ہے۔ امیر معاویہ نے ایسا نہ کیا اور اپنے آخری دور میں یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔

الاستیعاب:

وَ اشْتَرَطَ عَلَيْهِ الْحَسَنُ اَنْ يَكُوْنَ لَهُ الْاَمْرُ مِنْ بَعْدِهٖ فَالْتَزَمَ ذٰلِكَ كُلَّهٗ

مُعَاوِيَةُ ۔

(الاستیعاب مع الاصابۃ ۔ جلد اول ص ۱۷۰
حرف الحاء القسم الثالث مطبوعہ
تہران طبع جدید)

ترجمہ

امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے بوقت صلح امام حسن رضی اللہ عنہ نے یہ شرط بھی رکھی تھی ۔ کہ ان (امیر معاویہ) کے انتقال کے بعد خلافت کا معاملہ میرے سپرد ہو گا ۔ اور امیر معاویہ نے ان تمام شرائط کو قبول کر لیا ۔

جب معاہدہ کی تمام شرائط کو امیر معاویہ نے تسلیم کر لیا ۔ اور ان پر کاربند رہنے کی یقین دہانی بھی کرائی ۔ تو پھر ان میں سے ایک شرط کہ امیر معاویہ کی وفات کے بعد خلافت امام حسن کی ہو گی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے انہوں نے اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا ۔ لہذا امیر معاویہ عہد شکن ٹھہرے ۔

جواب اوّل : بے سند روایت حجت نہیں

ہمیں تسلیم کہ کتاب "الاستیعاب" ہم اہلسنت کی ہے ۔ اور یہ بھی تسلیم کہ روایت مذکورہ اس میں درج ہے ۔ لیکن یہ امر اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان مسلّم اور متفق علیہ ہے ۔ کہ کوئی حدیث یا روایت آنکھیں بند کیے قبول نہیں کر لی جاتی ۔ بلکہ وہ حجت اس وقت قرار پاتی ہے جب اس کی سند کے تمام راوی ثقہ اور غیر مجروح ہوں ۔ روایت مذکورہ میں نہ سند کا ذکر اور نہ اس کے راویوں کی حقیقتِ حال کا کچھ علم ۔ اس لیے اہل تشیع کو اس روایت سے طعن مذکور کے ثبوت اور ہم پر حجت و دلیل پیش کرنے میں قطعاً مدد نہیں مل سکتی جس سے صاف ظاہر کہ اس روایت کے بے سند ہونے اور اس کے راویوں کے بارے میں عدم علم کی

بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ طعن نہیں کیا جا سکتا۔

مذکورہ طعن کے استدلال کے طور پر اگر "الاصابۃ فی تمییز الصحابہ" کی درج ذیل عبارت پیش کی جاتی۔ تو اس سے کچھ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا شاید مل جاتا۔ عبارت یہ ہے۔

الاصابۃ:

قال ابن خیثمۃ حدثنا ھارون بن معروف حدثنا ضمرۃ عن شوذب قال لما قتل علی الخ

(الاصابۃ فی تمیز الصحابہ جلد اول ص ۳۳۰
حرف الحاء القسم الاول مطبوعہ
بیروت، طبع جدید)

اس روایت کے بارے میں اگرچہ سند کا بھی ذکر موجود ہے۔ لیکن اس کے راوی مجروح ہیں۔ جس کی وجہ سے قابل استدلال نہیں۔

تفصیل یہ ہے۔ کہ اس سند کا اولیں راوی "عبداللہ بن شوذب" ہے۔ جو خراسان کا رہنے والا تھا۔ ۸۶ھ میں پیدائش اور ۱۴۴ھ میں اس کا انتقال ہوا بعض نے اس کی وفات ۱۵۶ھ اور ۱۵۷ھ بھی لکھی ہے۔ ابن حجر عسقلانی کے مطابق اس کی وفات کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔

تہذیب التہذیب:

قَالَ ضَمْرَۃُ عَنْہُ مَوْلِدِیْ ۸۶ ھ وَقَالَ غَیْرُہٗ مَاتَ

سَنَةَ اَرْبَعَةٍ وَّاَرْبَعِيْنَ وَمِائَةٍ

(تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۵۶
حرف العین مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:

ضمرہ نے ابن شوذب کی زبانی بیان کیا۔ کہ خود اس نے اپنی زبانی مجھے بتایا تھا۔ کہ میں ۸۶ھ میں پیدا ہوا تھا۔ اور کچھ دوسرے لوگوں نے ابن شوذب کے انتقال کا سال ۱۴۴ھ تحریر کیا ہے۔

واقعہ صلح کی تاریخ:

اہل سنت اور اہل تشیع کی اکثر کتب اس بات پر متفق ہیں۔ (مثلاً ناسخ التواریخ، بحار الانوار اور طبری) کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین صلح کا واقعہ ۴۱ھ میں طے پایا تھا۔ ۴۱ھ کا واقعہ وہ شخص بیان کرے۔ جو سنہ ۸۶ھ میں پیدا ہوا۔ تو بالفرض یہ بھی تسلیم کر لیا جائے۔ کہ یہ شخص پیدائشی ناطق اور گفتگو کرنے والا تھا۔ تو بھی ۴۵ برس قبل رونما ہونے والا واقعہ اُسے کیسے نظر آ گیا۔ اور اگر روایت میں تھوڑی سی نرمی برتی جائے۔ وہ یوں کہ بالغ ہونے کے قریب اس نے روایت کی تو اس حساب سے ۱۵ سال اور ۴۵ سال کل ۶۰ سال ہو گئے۔ یہ حضرت ساٹھ سال قبل پیدائش خود واقعہ کی روایت کر رہے ہیں۔ اور اگر ان کے بلوغ کے بعد کی عمر میں، کسی سال روایت کا وجود مانا جائے۔ تو تعداد اور بڑھتی جائے گی۔ حتی کہ اگر اس کے مرنے سے کچھ پہلے روایت کرنا تسلیم کیا جائے۔ تو ایک صدی کے قریب زمانہ بنتا ہے۔ تو ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیجئے۔ کہ کسی شخص کا اپنی پیدائش سے پینتالیس برس قبل کے واقعہ کی روایت کرنا کیونکر درست تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ اگر یہ کہا جائے۔

کہ "ابن شوذب" نے کسی سے سُن کر روایت کی ہو گی۔ اور جس سے روایت کی۔ اس نے یہ واقعہ دیکھا ہو گا۔ تو اس بارے میں گزارش ہے۔ کہ یہاں "اگر مگر" سے بات نہیں بنتی بلکہ اس راوی کا نام معلوم ہونا ضروری ہے۔ تاکہ پھر اس کے متعلق کتب اسماء الرجال میں دیکھا جائے۔ لیکن "ابن شوذب" نے تو سرے سے اپنے شیخ کا نام تک ذکر نہ کیا۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ اس روایت میں اتصال نہیں۔ یعنی اولیں راوی خود موقع کا گواہ نہیں۔ بلکہ اس کے واقعہ کے درمیان واسطہ تھا۔ کہ جس کے ذکر نہ کرنے کی وجہ سے یہ روایت منقطع قرار پائی۔ اور مقطوع و منقطع روایت اس قسم کے الزامات میں حجت اور دلیل نہیں بن سکتی۔

اسی سند کا آخری راوی "ابن خیثمہ" ہے اور اتفاق سے فن رجال کی کتب میں اس کی ثقاہت پر اتفاق نہیں ہے۔ تہذیب التہذیب میں یوں مذکور ہے۔

تہذیب التہذیب:

قَالَ عَبَّاسٌ عَنْ اِبْنِ مُعِیْنٍ لَیْسَ بِشَیْءٍ۔

(تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۱۷۸

میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۲۱۴)

ترجمہ:

ابن معین سے روایت کرتے ہوئے عباس نے کہا۔ کہ "ابن خیثمہ" کوئی چیز نہیں ہے۔

تقریب التہذیب میں اس کو لین الحدیث یعنی حدیث بیان کرنے میں ضعیف کہا گیا ہے۔

ان دونوں راویوں کے مقام روایت کے پیش نظر ہر ذی عقل یہ فیصلہ کرے گا۔ کہ ایسی روایت سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنا قطعاً کوئی اہمیت

نہیں رکھتا۔

جواب دوم:

بوقتِ صلح مذکور شرط کا کتب معتبرہ میں کوئی ثبوت نہیں

اہل سنت اور اہل تشیع کی قابل اعتبار کتب تاریخ میں اس شرط کا تذکرہ نہیں ملتا کتب اہل سنت مثلاً طبری، کامل ابن اثیر اور البدایۃ والنہایہ تو میں نے بغور دیکھا۔ اور اسی طرح کتب اہل تشیع مثلاً ناسخ التواریخ، تاریخ یعقوبی، مروج الذہب، کشف الغمہ، مناقب ابن شہر آشوب اور منتخب التواریخ کی ورق گردانی بھی کی لیکن ان میں باوجود اس کے کہ بہت سی ایسی شرائط موجود ہیں۔ جن کا کتب اہل سنت میں ذکر نہیں۔ مذکورہ شرط نہ مل سکی۔ کتب شیعہ میں جن چند شرائط کا تذکرہ ہے۔ وہ یہ ہیں۔

بحار الانوار:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. هٰذَا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ مُعَاوِيَةَ بْنَ اَبِيْ سُفْيَانَ صَالَحَهٗ عَلٰى اَنْ يُّسَلِّمَ اِلَيْهِ وِلَايَةَ اَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى اَنْ يَّعْمَلَ فِيْهِمْ بِكِتَابِ اللهِ وَ سُنَّةِ رَسُوْلِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ سِيْرَةِ الْخُلَفَاءِ الصَّالِحِيْنَ وَ

لَيْسَ لِمُعَاوِيَةَ بْنَ سُفْيَانَ اَنْ يَّعْهَدَ اِلٰى اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ عَهْدًا بَلْ يَكُوْنَ الْاَمْرُ مِنْ بَعْدِهٖ شُوْرٰى بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَلٰى اَنَّ النَّاسَ اٰمِنُوْنَ حَيْثُ كَانُوْا مِنْ اَرْضِ اللّٰهِ فِيْ شَامِهِمْ وَعَرَاقِهِمْ وَحِجَازِهِمْ وَيَمَنِهِمْ وَعَلٰى اَنَّ اَصْحَابَ عَلِيٍّ وَشِيْعَتَهٗ اٰمِنُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ وَنِسَآءِهِمْ وَاَوْلَادِهِمْ۔

(۱۔ بحار الانوار جلد ۴۴ حیات السبطین، ص ۴۴۔ باب کیفیۃ مصالحۃ الحسن علیہ السلام معاویۃ مطبوعہ تہران طبع جدید)

(۲۔ بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۱۲۵ (دستی نمبر کے حساب سے) ذکر کیفیت مصالحت حسن بن علی مطبوعہ ایران قدیم)

(۳۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ۔ جلد اول ص ۵۷۰ ذکر فی صلحہ مع معاویۃ، مطبوعہ تبریز۔ جدید)

(۴۔ ناسخ التواریخ۔ سیرت امام حسن علیہ السلام جلد اول ص ۲۴۳ فی صلحہ مع معاویہ مطبوعہ تہران جدید)

(۵۔ مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ ص ۳۳۔ فی صلحہ مع معاویۃ مطبوعہ قم طبع جدید)

ترجمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ یہ وہ صلح نامہ ہے ۔ جو حضرت امام حسن بن علی بن ابی طالب اور حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان کے درمیان طے پایا ۔ امام حسن نے صلح ان شرائط پر کی ۔ کہ میں تمہیں مسلمانوں کی ولایت و خلافت سپرد کر رہا ہوں ۔ کہ

۱ ۔ تم اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق لوگوں پر حکومت کرو گے ۔ اور خلفائے صالحین کی سیرت تمہیں سامنے رکھنا پڑے گی ۔

۲ ۔ تمہیں اپنے بعد کسی سے اس معاملہ میں عہد نہیں لینا ہوگا ۔ بلکہ مسلمان باہمی مشاورت سے کسی کو خلیفہ بنائیں گے ۔

۳ ۔ لوگ ہر جگہ امن سے رہیں گے ۔ چاہے وہ شام و عراق میں ہوں ۔ یا حجاز و یمن کے اندر رہ رہے ہوں ۔

۴ ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب اور شیعہ کو ان کے مال ، جان ، اولاد اور عورتوں سب کے متعلق امن کی پابندی ہوگی ۔

قارئین کرام ! کتب شیعہ میں سے جو شرائط ابھی مذکور ہوئیں ۔ ان میں سے اگرچہ کچھ محلِ نزاع ہیں ۔ لیکن آپ ان کو بغور دیکھیں ۔ تو آپ کو معترض کی بطور الزام لگائی گئی شرط کا ان میں ذکر نہیں ملے گا ۔ یعنی یہ کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے صلح نامہ میں ایک شرط یہ بھی رکھی تھی ۔ کہ اے معاویہ ! تمہارے انتقال کے بعد خلافت پھر مجھے واپس آجائے گی ۔ اس میں نہ کسی شوریٰ کی ضرورت ہوگی ۔ اور نہ کوئی ولی عہدی وغیرہ چلے گی ۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کے پھر ان کی طرف لوٹ آنے کی بجائے بقول شیعہ مصنف یہ شرط لگائی ۔ کہ آئندہ خلیفہ کا معاملہ مجلس شوریٰ کے سپرد ہوگا ۔ تو معلوم ہوا ۔ کہ شرطِ مذکور اڑتی اڑاتی شرط ہے ۔ جس کا عام کتب تاریخ میں نام تک نہیں ایسی شرطِ صلح ،، قرار دینا کسی طور پر درست نہیں ۔

جواب سوم:

بالفرض اگر معترض کے بقول یہ تسلیم کر لیا جائے۔ کہ شرائط صلح میں مذکورہ شرط بھی تھی۔ تو اس کی خلاف ورزی کی صورت یہ بنتی ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انہیں خلیفہ نہ بناتے حالانکہ امام حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہی ہو چکا تھا۔ اس لیے ان کو خلیفہ بنانے یا نہ بنانے کا مسئلہ ہی کوئی نہیں۔ اسی مفروضہ کو ثابت کرنے کے لیے پھر دوسرا مفروضہ تراشا گیا۔ وہ یہ کہ چونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یہ نہیں چاہتے تھے۔ کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کسی طور بنیں۔ تو انہوں نے ان کو راستہ میں ہٹانے کے لیے زہر دلوایا۔ ہم "زہر دلوانے" کے متعلق اس جلد میں تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں۔ جب زہر دلوانے کی وجہ اور بنیاد ہی ایک اختراع اور من گھڑت شوشا ہے۔ تو پھر اس کے ثبوت کے لیے جو عمارت کھڑی کی گئی۔ اس کی پائیداری کو کون تسلیم کرے گا۔

ان باتوں سے معلوم ہوا۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مذکور طعن سراسر بے بنیاد اور من گھڑت ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہ عہد شکنی کی۔ اور نہ کوئی عہد اس قسم کا ہوا ہے۔ یہ بہتان ہے اور حضرت امیر معاویہ اس سے بری ہیں۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

طعن نمبر (۳)

حضرت امیر معاویہ نے اس شرط کی خلاف ورزی کی۔ کہ وہ اپنے بعد مسئلہ خلافت شوریٰ پر چھوڑ دیں گے۔

کتب شیعہ میں امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین صلح نامہ کے شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی مذکور ہے۔ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بعد خلافت کا معاملہ مجلس شوریٰ پر چھوڑ دیں گے۔ لیکن انہوں نے اس شرط کو پس پشت ڈال دیا۔ اور اپنی زندگی میں ہی۔ یزید کو ولی عہد بنا دیا۔ طعن کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

چودہ ستارے:

شرائط صلح کا حشر۔ مؤرخین کا اتفاق ہے۔ کہ امیر معاویہ جو میدان سیاست میں کھلاڑی اور مکروزور کی سلطنت کے تاجدار تھے۔ امام حسن سے وعدہ اور معاہدہ کے

بعد ہی سب سے مُکر گئے۔ وَلَمْ یَفِ لَہٗ مُعَاوِیَۃُ لِشَیْءٍ مِمَّا عَاھَدَ عَلَیْہِ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۶۲ میں ہے کہ معاویہ نے کسی ایک چیز کی بھی پرواہ نہ کی۔ اور کسی پر عمل نہ کیا۔

(چودہ ستارے مصنفہ نجم الحسن کراروی،
صفحہ نمبر ۱۹۳ مطبوعہ موچی دروازہ لاہور۔)

جَوّاب اوّل: یہ شرط شیعوں نے گھڑی ہے۔

طعن مذکورہ میں حضرت امام حسن اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین طے پائی جانے والی شرائط میں سے جس شرط کا ذکر کیا گیا۔ اہل سنت کی مشہور کتب تاریخ میں سرے سے اس کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ تاریخ طبری، البدایہ والنہایہ اور کامل ابن اثیر میں اس کام کی کوئی شرط نہیں۔

دوسرا یہ کہ معترض نے کامل ابن اثیر کا معہ جلد اور صفحہ جو حوالہ نقل کیا ہے۔ تو وہ خود ساختہ ہے۔ کامل ابن اثیر میں تلاش کرنے پر نہ مل سکا۔ جب اس شرط کا اس کتاب میں وجود ہی نہیں تو پھر اس سے عہد شکنی اور بدعہدی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چلو ذرا نجم الدین کراروی ہی سے وضاحت کریں۔ کہ جس شرط کا تمہارے بڑوں نے ذکر کیا ہے۔ ”کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بعد خلافت کا معاملہ شوریٰ پر چھوڑ دیں گے“، کیا ایسا کرنا شیعہ عقیدہ کی رو سے درست ہے۔ اگر جواب یہ ہو۔ کہ ایسا کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ تمہارے نزدیک امامت و خلافت اصول دین میں سے ہونے کی وجہ سے منصوص من اللہ ہوتی ہے۔ شوریٰ کی صوابدید پر اُسے چھوڑا نہیں جا سکتا۔ اور نہ ہی کسی دوسرے کے اختیار میں یہ معاملہ جا سکتا ہے۔ تو پھر شوریٰ کے سپرد نہ کرنے سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کونسا الزام آگیا۔ کہ انہوں نے امام حسن کی مخالفت کی؟

اس سے بڑھ کر ایک اور خرابی بلکہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی ذات پر شدید اعتراض کہ انہوں نے تمہارے عقیدۂ امامت و خلافت کے مطابق امرِ خلافت و امامت کو شوریٰ کے سپرد کر کے "منصوص من اللہ" ہونے کا عملی طور پر انکار کر دیا۔ اب بتلاؤ کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو اس انکار پر کیا کہو گے؟ اگر وہ درست ہیں۔ تو تمہارا عقیدہ غلط اور اگر وہ غلطی پر ہیں۔ تو ان کی امامت کیسی؟ یہ اس صورت میں ہو گا۔ کہ تم اس کو درست تسلیم کر لو۔ کہ واقعی یہ شرط تھی۔

تو معلوم ہوا۔ کہ شرط مذکور کسی طور پر بھی درست نہیں۔ رہا یہ پہلو کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ولی عہد کیوں مقرر کر دیا۔ ایسا کرنا درست نہ تھا۔ اور اسلام میں اس کی اجازت نہ تھی۔

تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اگر ولی عہدی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے باعث الزام ہے۔ تو یہی بات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی ہوئی۔ آپ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو ولی عہد مقرر کیا۔ اور اس کی تائید و تصدیق تمہاری کتابیں بھی کرتی ہیں:۔

کشف الغمہ:

اِنَّ عَلِیًّا عَلَیْہِ السَّلَامُ اَوْصٰی بِھَا اِلَیْہِ وَ اَفَاضَ رِدَائَھَا عَلَیْہِ۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اول ذکر امامتہ و بیعتہ علیہ السلام مطبوعہ تبریز طبع جدید)

ترجمہ

حضرت علی المرتضے رضی اللہ عنہ نے خلافت کی وصیت امام حسن رضی اللہ عنہ کو فرمائی۔ اور امر خلافت کی چادر انہیں اوڑھائی۔

تو ذرا دل تھام کر تبلائیے۔ حضرت علی المرتضے رضی اللہ عنہ نے بھی وہی کیا۔ جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کیا۔ تو ایک ہی فعل ایک کے لیے باعث طعن و الزام ٹھہرے۔ اور دوسرے کے لیے وہی باعث فخر و ثواب بن جائے۔ ؟

جواب دوم:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی امر میں مجھ سے بدعہدی نہ کی ــــ امام حسن رضی اللہ عنہ

کتب شیعہ میں یہ بات موجود ہے۔ کہ جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے انتقال کا وقت قریب آیا۔ تو کچھ "نام نہاد محب" ان کے ہاں آئے۔ اور عرض کرنے لگے کہ آپ اب امیر معاویہ کی بیعت کو ختم کرنے کا اعلان فرما دیں۔ ان کے جواب میں امام موصوف نے فرمایا۔

الاخبار الطوال:

قَالُوْا وَلَمْ يَرَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ طُوْلَ حَيَاتِ مُعَاوِيَةَ مِنْهُ سُوْءً ا فِيْ اَنْفُسِهِمَا وَلَا مَكْرُوْهًا وَلَا قَطَعَ عَنْهُمَا شَيْئًا كَانَ شَرَطَ لَهُمَا وَلَا تَغَيَّرَ

لَهُمَا مِنْ بِرٍّ۔

(الاخبار الطوال ص ۲۲۵ بین امیر
معاویۃ وعمرو بن العاص)

ترجمہ

مؤرخین کہتے ہیں۔ کہ امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما نے امیر معاویہ کی پوری زندگی میں اپنے بارے میں کوئی برائی نہ دیکھی۔ اور نہ ہی کسی قسم کی خلاف طبع کوئی بات دیکھی۔ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان سے کی گئی کسی شرط کو ختم نہ کیا۔ اور نہ ہی اچھے سلوک کو ان سے جدا کیا۔

"الاخبار الطوال"، کے درج بالا حوالہ سے یہ بات واضح طور پر سامنے آگئی۔ کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سے طے شدہ کسی شرط کی تا حیات وہ مخالفت نہ کی۔ اور اس امر کا اقرار خود امام حسن وحسین کر رہے ہیں۔ تو عجیب بات ہے۔ کہ جن کا معاملہ اور معاہدہ ہے۔ وہ باہم شیر وشکر ہیں۔ اور "محبت کے دعویداروں"، کے پیٹ میں درد ہے۔ کہ تھمتا ہی نہیں۔ ادھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ مالی امداد جو ہر سال دیا کرتے تھے۔ اُسے بھی منقطع نہ کیا۔

آپ اسی جلد میں پچھلے صفحات میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تقریباً دس لاکھ دینار سالانہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ارسال کیا کرتے تھے! اور دیگر اجناس کے تحائف بھی دیا کرتے تھے۔

جب ان دونوں کے مابین اس قدر ہم آہنگی کہ "خود ساختہ محبتوں"، کے کہنے پر بھی حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قطع تعلق نہ کیا۔ تو پھر خود ساختہ شرط کی مخالفت کا الزام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لگانا نری حماقت اور پرلے درجے کی بددیانتی نہیں تو اور کیا ہے؟

حقیقت بین اور حقائق شناس ان باتوں سے قطعاً فریب نہیں کھاتا۔ اور نہ ایسی لغو باتوں کے ذریعہ دوسروں کو فریب دینے کی مذموم کوشش کرتا ہے۔ مگر کیا کریں؟ نجم الحسن بے چارہ یتیم فی العلم ہے۔ وہ یہی کچھ کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار
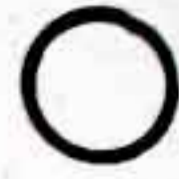
طعن نمبر (۴)

امیر معاویہ نے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہر دے کر شہید کیا۔

اہل تشیع کی کتب "ناسخ التواریخ اور مروج الذہب وغیرہ" میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر مندرجہ ذیل طعن کیا گیا۔ "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب اپنے بیٹے یزید کو تختِ خلافت پر بٹھانے کا سوچا۔ تو خیال آیا کہ میرے بیٹے کی تخت نشینی اس وقت تک قابلِ اطمینان نہ ہوگی۔ جب تک ایک اہم رکاوٹ ختم نہ کی جائے۔ وہ رکاوٹ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شخصیت تھی۔ لہٰذا امیر معاویہ نے امام حسن کو راستہ سے ہٹانے کے لیے ان کی بیوی "جعدہ بنت اشعث" سے رابطہ قائم کر کے اس بات پر آمادہ کیا۔ کہ

اگر تو اپنے خاوند "حسن" کو زہر دے کر مار ڈالے۔ تو اس کے عوض میں ایک لاکھ درہم بطور انعام ملیں گے۔ اور مزید یہ کہ یزید کے ساتھ تیرا عقد بھی کر دیا جائے گا۔ چنانچہ جعدہ نے اپنے خاوند جناب امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے کر شہید کر دیا۔"

(مروج الذہب للمسعودی جلد دوم ص ۴۲۷
ذکر خلافت الحسن بن علی مطبوعہ
بیروت طبع جدید)

جواب اوّل

فریقین کی قدیم کتب تاریخ میں "زہر کے قصہ" کا نام تک نہیں

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے ایک سازش کے تحت امام حسن رضی اللہ عنہ کو ان کی بیوی کے ذریعہ زہر دلوایا۔ اور اس طرح یزید کی ولی عہدی کا راستہ ہموار کیا۔ اس الزام اور طعن کا کتب قدیمہ میں نام و نشان تک نہیں میں نے اس سلسلہ میں فریقین کی بہت سی کتب کا مطالعہ کیا۔ لیکن اس سلسلہ میں "زہر کے قصہ" کا کہیں وجود نہ پایا۔

قدیم تاریخ نویسوں کی کتب میں امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کی وجہ "عام بیماری" مذکور ہے۔ اہل تشیع کی کتاب کا حوالہ ملاحظہ ہو۔

الاخبار الطوال :-

اَنَّ الْحَسَنَ اشْتَکٰی بِالْمَدِیْنَۃِ فَثَقُلَ وَکَانَ اَخُوْہُ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنَفِیَّۃِ فِیْ ضَیْعَۃٍ لَہٗ فَاَرْسَلَ اِلَیْہِ فَوَافٰی فَدَخَلَ عَلَیْہِ فَجَلَسَ عَنْ یَسَارِہٖ وَالْحُسَیْنُ عَنْ یَمِیْنِہٖ فَفَتَحَ الْحَسَنُ عَیْنَہٗ فَرَاٰھُمَا فَقَالَ لِلْحُسَیْنِ یَا اَخِیْ اُوْصِیْکَ بِمُحَمَّدٍ اَخِیْکَ خَیْرًا فَاِنَّہٗ جِلْدَۃُ مَا بَیْنَ الْعَیْنَیْنِ ثُمَّ قَالَ یَا مُحَمَّدُ وَاَنَا اُوْصِیْکَ بِالْحُسَیْنِ کَاِلعَۃٖ وَوَازِرْہُ۔

(الاخبار الطوال تصنیف احمد بن داؤد دینوری
ص ۲۲۱۔ ذکر موت الحسن بن علی
مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ :-

امام حسن رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں بیمار ہوئے۔ اور بیماری طول پکڑ گئی۔ تو انہوں نے اپنے بھائی محمد بن الحنفیہ کو بلوایا۔ جو اس وقت اپنے علاقہ میں گئے ہوئے تھے۔ جب یہ آگئے۔ تو امام حسن کی بائیں جانب بیٹھ گئے۔ دائیں طرف امام حسین رضی اللہ عنہ تھے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے آنکھیں کھول کر ان دونوں بھائیوں کو دیکھا۔ پھر امام حسین رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ اے بھائی! میں تمہیں اپنے بھائی محمد بن الحنفیہ کے بارے میں اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ وہ دونوں آنکھوں کی درمیانی جگہ کی طرح عزیز ہے۔ پھر فرمایا۔ اے محمد بن الحنفیہ! میں تجھے حسین کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ اسے اپنی حفاظت میں رکھنا۔ اور اس کا

ہمارا بنا۔

جواب دوم

جن کتب تاریخ میں "زہر دینے کا واقعہ" ہے۔ وہ مستند اور قابل وثوق نہیں

سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کو جن کتب میں زہر کھلانے کی وجہ سے واقع ہونا بتایا گیا ہے۔ ان کتب میں الفاظ ایسے استعمال کیے گئے۔ جن پر وثوق اور یقین نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ لفظ "ذُکِرَ" سے ذکر کیا گیا۔ اس لفظ کو وہیں استعمال کرتے ہیں۔ جہاں اس کا قائل معتمد نہیں ہوتا۔ اور روایت مستند نہیں ہوتی۔ مندرجہ ذیل کتب کی عبارات ملاحظہ ہوں۔

مروج الذہب:۔

ذُكِرَ اَنَّ اِمْرَاَتَهُ جُعْدَةَ بِنْتَ الْاَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ الْكِنْدِيِّ سَقَتْهُ السَّمَّ وَقَدْ كَانَ مُعَاوِيَةُ دَسَّ اِلَيْهَا اِنَّكِ اِنِ احْتَلْتِ فِيْ قَتْلِ الْحَسَنِ وَجَّهْتُ اِلَيْكِ بِمِائَةِ اَلْفِ دِرْهَمٍ وَ زَوَّجْتُكِ مِنْ يَزِيْدَ۔

(مروج الذہب للمسعودی جلد ۲ ص ۴۲۷
ذکر خلافت الحسن بن علی۔ مطبوعہ
بیروت طبع جدید)

ترجمہ:۔ ذکر کیا گیا ہے۔ کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی بیوی جعدہ بنت الاشعث بن قیس

الکندی نے امام موصوف کو زہر دیا۔ اس پر اسے امیر معاویہ نے برانگیختہ کیا تھا۔
اور کہا تھا۔ اگر تو امام حسن کے قتل کا کوئی حیلہ کرے۔ تو ایک لاکھ درہم انعام کے
علاوہ یزید سے تیری شادی بھی کر دوں گا۔
"مروج الذہب" کے حوالہ کو دیکھ کر آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا۔ کہ اگر اس کتاب کے مصنف
کے پاس کوئی باوثوق روایت ہوتی۔ تو اس کو کھل کر اور راوی کا نام لے کر ذکر کر دیتا۔ کیونکہ اس
سے ان کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ بلکہ "ذُکِرَ" سے سہارا پکڑا
گیا۔ سب سے پہلا شیعی مؤرخ یہی مسعودی ہے۔ کہ جس نے امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات
کو بذریعہ زہر بیان کیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ اس کو بھی کوئی ایسی روایت نہ مل سکی۔ جس پر اس کو خود بھی اعتماد
ہوتا۔ اور دوسرے بھی اعتماد کرتے۔ اس کے علاوہ اہل تشیع کی ایک اور معتبر کتاب میں
امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے معاملہ میں متضاد روایتیں موجود ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

روضۃ الصفاء

۱۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن کی زوجہ جعدۃ کو زہر آلود رومال دیا۔ اور ہدایت کی۔
کہ ان سے ہم بستری کے بعد اس رومال کو ان کی شرمگاہ پر مل دیا جائے۔ جعدۃ نے ہدایت
کے مطابق عمل کیا۔ اور اس سے امام حسن کی موت واقع ہو گئی۔

۲۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر کا پیالہ پلا کر شہید کرا دیا گیا۔

۳۔ ایک گروہ کا خیال ہے۔ کہ امام حسن کو ایک بیماری نے آلیا تھا۔ چالیس دن اس کی لپیٹ
میں رہ کر فوت ہو گئے۔

(تاریخ روضۃ الصفاء جلد ۳ ص ۱۴۰
ذکر وفات امام حسن رضی اللہ عنہ۔
مطبوعہ لکھنؤ، مطبوعہ قدیم)

لہٰذا ہم یہ کہیں گے۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگانا کہ انہوں نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلوا کر مروایا تھا۔ ایک بہت بڑا الزام ہے۔ جس کے لیے طعنہ گھڑنے والوں کو کوئی معتبر حوالہ و روایت نہ مل سکی۔

جواب سوم

کتب شیعہ کہتی ہیں۔ کہ امام حسن اور امیر معاویہ (رضی اللہ عنہما) کے درمیان خوشگوار تعلقات تھے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے باہم خوشگوار تعلقات تھے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ سے کیے گئے تمام وعدہ جات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پورے کیے۔ ان میں کسی وقت بھی دھوکہ نہ دیا گیا۔ جس کی بنا پر کشیدگی کا ماحول پیدا ہوتا۔ ملاحظہ ہو۔

الاخبار الطوال:۔

لَمْ يَرَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ طُوْلَ حَيَاةِ مُعَاوِيَةَ سُوْءًا فِيْ اَنْفُسِهِمَا وَلَا مَكْرُوْهًا وَلَا قَطَعَ عَنْهُمَا شَيْئًا مِمَّا كَانَ شَرَطَ لَهُمَا وَلَا تَغَيَّرَ لَهُمَا عَنْ بِرٍّ۔

(الاخبار الطوال ص ۲۲۵/ بیان معاویۃ وعمرو بن العاص مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:۔

حضرت امیر معاویہ سے زندگی بھر حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما نے کوئی

برائی اپنے بارے میں نہ پائی۔ اور نہ ہی انہیں امیر معاویہ کی طرف سے کسی تکلیف کا
سامنا کرنا پڑا۔ اور نہ ہی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کے ساتھ کیے
گئے وعدوں میں سے کسی وعدہ کو توڑا۔ اور ان سے کسی بہتری اور بھلائی کو کبھی
روکا۔

نوٹ:۔

یاد رہے۔ کہ اہل تشیع اپنی دیرینہ عادت کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے مابین مخاصمت واختلاف کو ثابت کرنے کی بہت کوشش کرتے ہیں۔ اور کرتے رہے ہیں۔ اس طعن سے ملتا جلتا اعتراض کئی مرتبہ کیا گیا۔ دیکھئے تاکہ جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ چھ ماہ خلافت کرنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ اور آپ نے امیر معاویہ کی بیعت بھی کر لی۔ تو اس بات کا شیعوں کو شدید صدمہ ہوا۔ جیسا کہ ان کی کتاب "رجال کشی"، میں موجود ہے۔ لہٰذا انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اکسانا شروع کر دیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کی شرارت کا جب علم ہوا۔ تو انہوں نے امام موصوف کو خط لکھا۔ جس کا تذکرہ خود انہی کی کتاب میں یوں مذکور ہے۔

مقتل ابی مخنف:۔

عربی عبارت کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو لکھا۔ کہ مجھے آپ کی طرف سے چند ایسی باتیں سننے میں آئی ہیں۔ جنہیں میں سچا نہیں سمجھتا۔ لیکن پھر بھی وضاحت کے لیے تکلیف دے رہا ہوں۔ آپ ان کے بارے میں فرمائیں۔ کہ کیا حقیقت حال ہے؟ حضرت امام پاک نے اس کا یہ جواب تحریر فرمایا۔

كَتَبَ الْحُسَيْنُ كِتَابًا يَقُوْلُ فِيْهِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ وَصَلَنِيْ كِتَابُكَ وَفَهِمْتُ مَاذَكَرْتَ وَمَعَاذَ اللهِ اَنْ اَنْقُضَ عَهْدًا عَهِدَهٗ اِلَيْكَ اَخِي الْحَسَنُ۔

(مقتل ابی مخنف ص ۶/ مقدمہ مطبوعہ نجف اشرف طبع جدید)

ترجمہ:۔

امام حسین رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ کو ایک خط لکھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ امابعد۔ مجھے تمہارا رقعہ ملا۔ اور جو کچھ آپ نے لکھا۔ میں اُسے بخوبی سمجھ گیا۔ اللہ کی پناہ! میرے بھائی امام حسن رضی اللہ عنہ نے جو آپ کے ساتھ عہد و پیمان کیے تھے۔ ان کو توڑنے سے میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

جب یہ خط حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملا۔ تو آپ نے کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہ کیا۔ اور نہ ہی ان دونوں بھائیوں کے وظیفہ جات میں کوئی کمی کی۔ بلکہ بدستور اسی طرح جاری رہا جس طرح پہلے تھا۔ یہ وظیفہ کتنا تھا۔ سنیئے۔

مقتل ابی مخنف:۔

وَكَانَ يَبْعَثُ اِلَيْهِ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ اَلْفَ اَلْفِ دِيْنَارٍ سِوَى الْهَدَايَا مِنْ كُلِّ صِنْفٍ۔

(مقتل ابی مخنف ص ۷، مقدمہ)

ترجمہ:۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سالانہ دس لاکھ دینار

بطور وظیفہ بھیجا کرتے تھے۔ یہ وظیفہ تحائف اور دیگر اقسام کے ہدیہ جات کے علاوہ تھا۔

ان حوالہ جات کو پیش نظر رکھ کر کوئی بھی ذی ہوش یہ نتیجہ نہیں نکالے گا۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حسنین کریمین کے درمیان بغض و عداوت تھی۔ ایک دوسرے کے دشمن تھے بلکہ اس سے صاف ظاہر کہ ان حضرات کا باہم کتنا پیار تھا۔ اور ایک دوسرے پر کس قدر اعتماد تھا۔ ایسے دوستوں کے بارے میں کیا کوئی یہ سوچ سکتا ہے۔ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن ایسے دوست اور محب کو زہر دلوایا ہو گا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ زہر پلوانے کا واقعہ اہل تشیع کا خانہ ساختہ واقعہ ہے۔ جس سے ان کی اصلیت نظر آتی ہے۔ ورنہ حقیقت میں اس قسم کا واقعہ ان سے متوقع ہی نہیں ہے۔

جواب چہارم

اسلامی تاریخ کی قابلِ اعتبار کتب میں مذکور طعن کی صریح تردید موجود ہے

ہم نے مذکورہ طعن کے جو جوابات ذکر کیے۔ اگرچہ ایک منصف مزاج قاری کے لیے وہ کافی ہیں۔ لیکن پھر بھی ہم نے مزید اطمینان کے لیے کتب تاریخ سے اس کی صاف صاف تردید ذکر کرنے کو ترجیح دی۔ متعدد کتب میں اس طعن کی تردید کے علاوہ یہ بھی مذکور ہے۔ کہ یہ طعن اہل تشیع کا من گھڑت طعن ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

تاریخ ابن خلدون :-

وَمَا يُنْقَلُ اِنَّ مُعَاوِيَةَ دَسَّ اِلَيْهِ السَّمَّ مَعَ زَوْجَتِهٖ جَعْدَةَ بِنْتِ الْاَشْعَثِ فَهُوَ مِنْ اَحَادِيْثِ

الشِّيْعَةِ وَحَاشَا لِمُعَاوِيَةَ مِنْ ذٰلِكَ ۔

(تاریخ ابن خلدون / جلد دوم ص ۱۸۲)

ترجمہ:۔

اور جو یہ بات نقل کی جاتی ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو ان کی بیوی کے ذریعہ زہر دلوانے کی کوشش کی۔ امام حسن کی بیوی جعدۃ بنت الاشعث ہے۔ یہ بات کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ بلکہ یہ اہل تشیع کی گھڑی ہوئی بات ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس قسم کی بات سوچنا اللہ اس سے پناہ دے۔ وہ اس سے بری ہیں۔

البدایۃ والنہایۃ:۔

وَعِنْدِیْ اَنَّ هٰذَا لَيْسَ بِصَحِيْحٍ وَعَدَمُ صِحَّتِهٖ عَنْ اَبِيْهِ مُعَاوِيَةَ بِطَرِيْقِ الْاُوْلٰى وَالْاُخْرٰى ۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۴۳ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:۔

میرے نزدیک یہ بات کہ یزید نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے کر مروایا۔ بالکل غلط ہے۔ یونہی یہ بات یزید کے والد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ بلکہ بطریق اولیٰ غلط ہے۔

ان دو عدد حوالہ جات سے اس امر کی مکمل بیخ کنی کر دی گئی۔ کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یا ان کے بیٹے یزید نے زہر دلوا کر مروایا تھا۔ اس امر کا اہل تشیع

کی پشت پناہی حاصل ہے۔ انہوں نے ہی اپنے مخصوص عقائد کے پیش نظر بات گھڑی۔ اور خود ہی اس کی تشہیر کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کی مذموم کوشش کی۔ اور کر رہے ہیں۔ لہٰذا نقل وعقل کے معیار پر پرکھا جانے کے بعد اس طعن کی حقیقت اظہر من الشمس ہو گئی۔

جواب پنجم

دو حضرات حسنین کریمین،، زہر دینے والے کو نہیں جانتے تھے۔ اہل تشیع کو کس نے بتا دیا۔؟

زہر دینے اور اس سے مرنے کا واقعہ جس شخصیت کے ساتھ رونما ہوا۔ ان سے بڑھ کر کون جان سکتا ہے۔ کہ زہر دینے والا کون تھا۔ یا پھر اس زہر خوردہ کے قریبی رشتہ داروں کو کچھ علم ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم نے فریقین کی متعدد کتب کی چھان بین کی۔ تاکہ کہیں سے کوئی ایسا استشہاد مل جائے۔ کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے خود زہر دہندہ کی نشاندہی کی ہو۔ یا ان کے چھوٹے بھائی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کبھی اس کا تذکرہ کیا ہو۔ کہیں بھی ایسی صراحت نہ مل سکی۔ اگر بالتصریح پتہ چلا۔ تو وہ یہ کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ بھائی جان! آپ بتائیں کہ آپ کو زہر کس نے دیا ہے؟ جواباً امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کیا تم اس سے جنگ کرو گے؟ امام حسین کہنے لگے۔ ہاں ضرور جنگ کروں گا۔ تو اس پر امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر وہ ہے۔ کہ جس پر میرا گمان ہے۔ تو اس سے اللہ تعالیٰ بدلہ لے گا۔ وہ قادر قیوم ہے۔ اور اگر وہ نہیں۔ تو پھر کسی بے گناہ کو سزا دلوانے کے لیے میں قطعاً تیار نہیں۔

بحار الانوار :-

ثُمَّ دَخَلْتُ عَلَيْهِ مِنَ الْغَدِ وَهُوَ يَجُوْدُ بِنَفْسِهِ وَالْحُسَيْنُ عِنْدَ رَأْسِهِ فَقَالَ يَا اَخِیْ مَنْ تَتَّهِمُ قَالَ لِمَ؟ لِتَقْتُلَهٗ قَالَ نَعَمْ قَالَ اِنْ يَكُنِ الَّذِیْ اَظُنُّ فَاِنَّهٗ اَشَدُّ بَاْسًا وَاَشَدُّ تَنْكِيْلًا وَاِلَّا يَكُنْ فَمَا اُحِبُّ اَنْ يُقْتَلَ بِیْ بَرِیْءٌ ثُمَّ قَضٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

(بحار الانوار تصنیف ملا باقر مجلسی جلد نمبر ۴۴ ص ۱۴۸ احیات السبطین الخ۔ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ :-

عمرو بن اسحاق (راوی) کہتا ہے۔ کہ میں اگلے دن پھر امام حسن رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہوا۔ اس وقت ان پر جان کنی کا وقت آیا چاہتا تھا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ اس وقت ان کے سرہانے بیٹھے تھے۔ تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ بھائی! کس نے آپ کو زہر دیا ہے۔ آپ کو کس پر شبہ ہے؟ امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کیوں پوچھنا چاہتے ہو؟ کیا اس سے لڑائی کرو گے؟ امام حسین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ ہاں ضرور لڑوں گا۔ فرمایا۔ اگر وہی ہے۔ جو میرے خیال و گمان میں ہے۔ تو اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ وہ ضرور اسے سزا دے گا۔ اور اگر وہ نہیں۔ تو میں اس بات کو قطعاً پسند نہیں کرتا۔ کہ میری وجہ سے ایک بے قصور آدمی مارا جائے۔ یہ کہہ کر امام موصوف اللہ کو پیارے ہو گئے۔

مروج الذہب:۔

فَقَالَ لَقَدْ سُقِيْتُ السَّمَّ عِدَّةَ مِرَارٍ فَمَا سُقِيْتُ مِثْلَ هٰذِهٖ لَقَدْ لَفَظْتُ طَائِفَةً مِنْ كَبِدِيْ فَرَأَيْتُنِيْ أُقَلِّبُهٗ بِعُوْدٍ فِيْ يَدِيْ فَقَالَ لَهُ الْحُسَيْنُ يَا أَخِيْ مَنْ سَقَاكَ قَالَ وَمَا تُرِيْدُ بِذٰلِكَ فَإِنْ كَانَ الَّذِيْ أَظُنُّهٗ فَاللّٰهُ حَسِيْبُهٗ وَإِنْ كَانَ غَيْرَهٗ فَمَا أُحِبُّ أَنْ يُؤْخَذَ بِيْ بَرِيْءٌ فَلَمْ يَلْبَثْ بَعْدَ ذٰلِكَ إِلَّا ثَلَاثًا حَتّٰى تُوُفِّيَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

(۱۔ مروج الذہب للمسعودی جلد ۲ ص ۴۲۷ ذکر خلافت الحسن الخ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

(۲۔ مناقب آل ابی طالب جلد ۴ ص ۴۲ فصل فی وفاتہ الخ ۔ مطبوعہ قم طبع جدید)

(۳۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اول ص ۵۸۵ فی شہادتہ علیہ السلام مطبوعہ تبریز طبع جدید)

(۴۔ ناسخ التواریخ حالات امام حسن ۔ جلد ۲ ص ۱۴۶ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔

امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے کئی مرتبہ زہر دیا گیا۔ لیکن اس دفعہ کا زہر شدید ہے۔ میرے جگر کا ٹکڑا کٹ کر باہر نکل گیا ہے۔ تم دیکھ رہے ہو۔ کہ میں اس کو ہاتھ میں پکڑی چھڑی سے الٹ پلٹ کر رہا ہوں۔ اس پر امام حسین رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ یہ زہر کس نے دیا ہے؟ فرمایا۔ پوچھ کر کیا کرو گے؟ اگر وہی ہے جو میرے ظن و گمان میں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ خوب بدلہ لینے والا ہے۔ اور اگر وہ نہیں کوئی دوسرا ہے۔ تو میں یہ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ ایک بے قصور آدمی میری وجہ سے پکڑا جائے۔ اس کے بعد آپ تین دن کے اندر اندر خالق حقیقی کو پیارے ہو گئے۔

مذکورہ حوالہ جات سے ہم نے یہ ثابت کر دکھایا ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگانا قطعاً بے بنیاد ہے۔ کہ انہوں نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلوا کر مروا دیا۔ ان حوالہ جات سے اس بات کی صاف صاف تردید ہوتی ہے۔ اور یہاں تک بھی بات سامنے آئی۔ کہ یہ اعتراض خود اہل تشیع کا وضع کیا ہوا ہے۔ اور پھر اس کے ساتھ ساتھ امام حسن رضی اللہ عنہ نے بھی زہر دینے والے کے بارے میں کچھ ارشاد نہ فرمایا۔ اگرچہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے بارہا اصرار کر کے پوچھنا چاہا۔ لیکن ایک مرتبہ بھی امام حسن نے زہر دینے والے کی نشاندہی نہ کی۔ جب زہر سے شہید ہونے والا بتاتا ہی نہیں کہ کس نے دیا تو کسی دوسرے کو اس کا علم کیسے ہو سکتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ جنہوں نے یہ فسانہ تراشا۔ انہوں نے اس فسانہ کا مرکزی کردار بھی خود متعین کر لیا ہو۔ تو کوئی حیران کن بات نہیں۔ ورنہ درحقیقت اس الزام میں کوئی صداقت نہیں۔ بالکل لغو اور بہتان ہے۔ جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر لگایا گیا ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

جواب ششم

مذکورطعن پر تنقید بلیغ

دلائل مذکورہ سے یہ بات بالکل ظاہر و باہر ہوگئی۔ کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے کر مروانے کا ذکر کسی قابل اعتبار کتاب میں موجود نہیں ہے۔ اہل تشیع کا خود ساختہ واقعہ ہے۔ اِس کے گھڑنے کی ضرورت انہیں کیوں پیش آئی؟ اس کا کوئی ایک ہی سبب ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کو خلیفہ بنانے کی فکر میں تھے اور چاہتے تھے کہ زندگی میں ہی یہ معاملہ طے ہو جائے۔ لیکن وہ سمجھتے تھے۔ کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا انہیں راستہ سے ہٹانے کے لیے ان کی بیوی کے ذریعہ زہر دلوایا گیا۔

لیکن اس سبب زہر کی عقلاً و نقلاً حقیقت دیکھی جائے۔ تو اس کا کوئی وزن نہیں ہے۔ جو ہم متعدد حوالہ جات سے واضح کر چکے۔ عقلاً اس لیے ناقابلِ اعتبار ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو امام حسن کی بہ نسبت امام حسین رضی اللہ عنہ سے زیادہ خطرہ تھا۔ کیونکہ انہیں علم تھا۔ کہ امام حسن رضی اللہ عنہ درویش منش اور متواضع سیرت انسان ہیں۔ وہ کسی محاذ آرائی کے قائل نہیں ہیں۔ لیکن امام حسین رضی اللہ عنہ مجاہدانہ طبیعت اور صاحب جلال انسان تھے۔ وہ بُرائی کو دیکھ کر اُسے جوں کا توں دیکھنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کی اس سیرت کے بہت سے شواہد کتب اہل تشیع میں بھی موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اہل تشیع امام حسن اور ان کی اولاد کی بہ نسبت امام حسین اور ان کی اولاد کو امامت کا حق دار سمجھتے ہیں۔ بہر حال اس کی تفصیل

کسی دوسرے مقام پر انشاء اللہ آئے گی۔

لہذا ثابت ہوا۔ کہ اصل خطرہ تو امام حسین رضی اللہ عنہ تھے۔ اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کی فکر کرنی چاہیئے تھی اور یزید کی ولی عہدی کے پیش نظر امام حسین رضی اللہ عنہ کو زہر دے کر یا کسی اور طریقہ سے راستہ ہموار کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن تاریخ گواہ ہے۔ کہ امام حسین رضی اللہ عنہ تو امن وامان اور حفاظت سے زندہ رہے۔ لیکن امام حسن رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ ابھی یزید کی تخت نشینی نہ ہوئی تھی۔ آخر یہ زہر دینے والا امام حسن رضی اللہ عنہ کا دوست تو ہو نہیں سکتا۔ کوئی دشمن ہی ہوگا۔ جس نے خود دیا۔ یا کسی کے ذریعہ دلوایا۔ آیئے ذرا دیکھیں۔ کہ امام حسن رضی اللہ عنہ سے عداوت کس کو تھی۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ خلافت کرنے کے بعد جب حضرت امیر معاویہ کے حق میں دستبرداری کرلی۔ اور ان کی بیعت بھی کرلی۔ تو شیعہ لوگ ان کی جان کے دشمن بن گئے۔ انہوں نے امام موصوف کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں۔ ان کو ستانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

حتیٰ کہ شہید تک کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ان باتوں کا ثبوت خود ان کی کتابیں پیش کر رہی ہیں۔

٭ ٭ ٭
٭

امام حسن رضی اللہ عنہ پر اہل تشیع کے مظالم

(خود ان کی کتابوں سے)

۱۔ آپ کو شدید زخمی کر دیا۔ اور جان سے مارنے کی کوشش کی۔

مناقب آل ابی طالب:۔

فَقَالُوا وَاللّٰهِ يُرِيْدُ اَنْ يُصَالِحَ مُعَاوِيَةَ وَيُسَلِّمَ الْاَمْرَ اِلَيْهِ كَفَرَ وَاللّٰهِ الرَّجُلُ كَمَا كَفَرَ اَبُوْهُ فَانْتَهَبُوْا فِسْطَاطَهٗ حَتّٰى اَخَذُوْا مُصَلَّاهُ مِنْ تَحْتِهٖ وَنَزَعَ مِطْرَفَهٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ جُعَالٍ الْاَزْدِيُّ وَطَعَنَهٗ جَرَّاحُ بْنُ سِنَانٍ الْاَسَدِيُّ فِيْ فَخِذِهٖ۔

(۱۔ مناقب آل ابی طالب جلد ۴ ص ۳۳ فی صلحہ علیہ السلام مع معاویہ مطبوعہ قم طبع جدید)

(۲۔ ناسخ التواریخ حالات امام حسن رضی اللہ عنہ جلد اول ص ۲۱۱۔ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔

(جب شیعوں کو حضرت امام حسن اور حضرت امیر معاویہ کے مابین صلح ہو جانے کی خبر پہنچی) تو کہنے لگے۔ خدا کی قسم! یہ شخص حضرت امیر معاویہ سے صلح کرنا چاہتا ہے اور امور خلافت ان کے سپرد کرنا چاہتا ہے۔ یہ تو اپنے باپ کی طرح کافر ہو گیا ہے یہ کہہ کر ان کے خیمہ کو اکھاڑ کر پھینکا۔ آپ کے نیچے سے جائے نماز کھینچ لی گئی۔ عبدالرحمٰن بن جعال ازدی نے آپ کی چادر شریف ان کے کندھے سے اتار لی۔ اور جراح بن سنان اسدی نے آپ کی ران میں تیر مار کر زخمی کر دیا۔

۲۔ میرے قاتل شیعہ ہیں۔

(امام حسن رضی اللہ عنہ)

احتجاج طبرسی:۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبِ الْجُهَنِيِّ قَالَ لَمَّا طُعِنَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْمَدَائِنِ اَتَيْتُهُ وَ هُوَ مُتَوَجِّعٌ فَقُلْتُ مَا تَرٰى يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ النَّاسَ مُتَحَيِّرُوْنَ فَقَالَ اَرٰى وَاللّٰهِ اَنَّ مُعَاوِيَةَ خَيْرٌ لِّيْ مِنْ هٰؤُلَاءِ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ لِيْ شِيْعَةٌ اِبْتَغَوْا قَتْلِيْ وَانْتَهَبُوْا ثِقْلِيْ وَاَخَذُوْا مَالِيْ وَاللّٰهِ لَئِنْ اٰخُذُ مِنْ مُعَاوِيَةَ عَهْدًا اَحْقِنُ بِهٖ دَمِيْ وَاُوْمِنُ بِهٖ فِيْ اَهْلِيْ

خَیْرٌ مِّنْ اَنْ یَّقْتُلُوْنِیْ فَتَضِیْعُ اَھْلُ بَیْتِیْ وَ اَھْلِیْ وَاللّٰہِ لَوْ قَاتَلْتُ مُعَاوِیَۃَ لَاَخَذُوْا بِعُنُقِیْ حَتّٰی یَدْفَعُوْنِیْ اِلَیْہِ سَلَمًا۔

(۱۔ احتجاج طبرسی جلد ۲ ص ۱۰۔ ذکر احتجاجہ علی من انکر علیہ مصالحۃ معاویۃ مطبوعہ نجف اشرف طبع جدید)

(۲۔ ناسخ التواریخ حالات امام حسن جلد ۱ ص ۲۱۳ - ۲۱۴ مطبوعہ بیروت طبع جدید۔)

(۳۔ مروج الذہب جزء ۲ حیات السبطین ص ۲۰۱ مطبوعہ تہران طبع جدید)

(۴۔ بحار الانوار جلد ۴۴ حیات السبطین۔ ص ۲۰/ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔

زید ابن وہب جہنی کہتا ہے۔ کہ جب امام حسن رضی اللہ عنہ کو مدائن میں نیزہ مار کر زخمی کر دیا گیا۔ تو اس وقت میں ان کے پاس حاضر ہوا۔ آپ شدید تکلیف محسوس کر رہے تھے۔ میں نے پوچھا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند! کچھ اس بارے میں بتلائیں۔ کیونکہ لوگ حیران و پریشان ہیں۔ تو فرمانے لگے۔ میری رائے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان نام نہاد شیعوں سے کہیں بہتر ہیں۔ یہ تو میرے قتل کے درپے ہیں۔ انہوں نے میرا سامان لوٹا۔ میرا مال چھینا۔ خدا کی قسم! اگر میں امیر معاویہ سے معاہدہ کر لیتا ہوں۔ تو اس کے ذریعہ میں اپنی جان محفوظ کر لوں گا۔ اپنا مال امن میں کر لوں گا۔ اور میں اپنے اہل و عیال کو محفوظ کر لوں گا۔ یہ

اس سے کہیں بہتر ہے۔ کہ یہ میرے شیعہ کہلانے والے مجھے قتل کر ڈالیں۔ میرا گھر بار اور بال بچہ اجاڑ دیں۔ خدا کی قسم اگر میں امیر معاویہ سے لڑائی کرنا چاہوں۔ تو یہی لوگ میری گردن سے مجھے پکڑ کر ان کے سپرد کر دیں گے۔

۲۔ اہل تشیع نے میرے والد کو قتل کیا۔ اور مجھے لوٹ لیا۔ (امام حسن رض)

مروج الذہب:۔

لَوْ لَمْ تَذْهَلْ نَفْسِيْ عَنْكُمْ اِلَّا لِثَلَاثِ خِصَالٍ لَذَهِلَتْ مَقْتَلُكُمْ لِاَبِيْ وَسَلْبُكُمْ ثِقْلِيْ وَطَعْنُكُمْ فِيْ بَطْنِيْ وَاِنِّيْ قَدْ بَايَعْتُ مُعَاوِيَةَ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَطِيْعُوْا۔

(۱۔ مروج الذہب جلد ۲ / ذکر خلافت الحسن بن علی ص ۴۳۱ مطبوعہ تہران طبع جدید)

(۲۔ مناقب آل ابی طالب جلد ۴ ص ۳۴ ذکر فی صلحہ مع معاویہ مطبوعہ قم طبع جدید)

(۳۔ ناسخ التواریخ حالات امام حسن جلد ۱ ص ۲۲۸ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔

امام حسن نے فرمایا۔ اے عراقیو! تمہارے تین کرتوتوں کی وجہ سے میں نے تمہیں اہمیت دینا چھوڑ دی ہے۔ اول یہ کہ تم نے میرے والد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ دوسرا یہ کہ تم نے میرا سازوسامان لوٹ لیا۔ اور تیسرا یہ کہ تم نے ہی میرے پیٹ میں نیزہ مارا۔ میں نے امیر معاویہ کی بیعت کر لی ہے۔ لہٰذا اب تم کو ان کے احکام پر عمل کرنا اور ان کی اطاعت کرنا لازم ہے۔

۴۔ اپنے شیعوں کے مظالم کے ڈر سے میں نے امیر معاویہ سے صلح کر لی۔ (امام حسن)

مروج الذہب:۔

وَقَدْ كَانَ اَهْلُ الْكُوْفَةِ اِنْتَهَبُوْا سُوَارِقَ الْحَسَنِ وَرَحْلَهٗ وَطَعَنُوْا بِالْخَنْجَرِ فِيْ جَوْفِهٖ فَلَمَّا تَيَقَّنَ مَا نَزَلَ بِهٖ اِنْقَادَ اِلَى الصُّلْحِ۔

(مروج الذہب جلد ۲ ص ۴۳۱ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:۔

اہل کوفہ (شیعانِ علی) نے امام حسن رضی اللہ عنہ کے سامان اور خیمہ کو لوٹ لیا اور ان کے پیٹ میں خنجر گھونپ دیا۔ پھر جب آپ کو اس مصیبت کا یقین ہو گیا۔ جس

سے آپ کا واسطہ پڑا تو امیر معاویہ کے ساتھ صلح کرنے کی ٹھان لی۔

۵۔ امیر معاویہ سے صلح ہو جانے کے بعد شیعوں کا امام موصوف کو گستاخانہ سلام۔

بحار الانوار:۔

عَنْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِ الْحَسَنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُقَالُ لَهُ سُفْيَانُ بْنُ لَيْلَى وَهُوَ عَلَى رَاحِلَةٍ لَهُ فَدَخَلَ عَلَى الْحَسَنِ وَهُوَ مُحْتَبٍ فِي فَنَاءِ دَارِهِ فَقَالَ لَهُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُذِلَّ الْمُؤْمِنِينَ فَقَالَ لَهُ الْحَسَنُ إِنْزِلْ وَلَا تَعْجَلْ فَنَزَلَ فَعَقَلَ رَاحِلَتَهُ فِي الدَّارِ وَأَقْبَلَ يَمْشِي حَتّٰى انْتَهٰى عَلَيْهِ قَالَ فَقَالَ لَهُ الْحَسَنُ مَا قُلْتَ قَالَ قُلْتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُذِلَّ الْمُؤْمِنِينَ قَالَ وَمَا عَلَّمَكَ بِذٰلِكَ قَالَ عَمِدْتَّ إِلٰى أَمْرِ الْأُمَّةِ فَخَلَعْتَ مِنْ عُنُقِكَ وَقَلَّدْتَّهُ هٰذَا الطَّاغِيَةَ يَحْكُمُ بِغَيْرِ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ قَالَ فَقَالَ الْحَسَنُ سَأُخْبِرُكَ لِمَ فَعَلْتُ ذٰلِكَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُولُ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَنْ تَذْھَبَ الْاَیَّامُ وَاللَّیَالِیْ حَتّٰی یَلِیَ اَمْرَ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ رَجُلٌ وَاسِعُ الْبُلْعُوْمِ رَحْبُ الصَّدْرِ یَاْکُلُ وَلَا یَشْبَعُ وَھُوَ مُعَاوِیَۃُ فَلِذٰلِکَ فَعَلْتُ۔

(۱۔ بحار الانوار جلد ۴۴ ص ۲۳ تا ۲۴ حیات السبطین مطبوعہ تہران طبع جدید۔)

(۲۔ مناقب آل ابی طالب جلد ۴ ص ۳۶ فی صلحہ علیہ السلام مع معاویہ مطبوعہ قم طبع جدید)

(۳۔ جلاء العیون جلد ۱ ص ۴۰۵ زندگانی امام مجتبیٰ مطبوعہ تہران۔ طبع جدید)

ترجمہ:۔

حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے ایک شخص سفیان بن لیلیٰ اونٹ پر سوار امام حسن کے ہاں آیا۔ امام اس وقت مکان کے صحن میں اکڑوں بیٹھے تھے۔ اس نے امام موصوف کو ان الفاظ سے سلام کیا۔ اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے تم کو سلام۔ امام نے فرمایا۔ نیچے اتر آؤ۔ جلدی کس کی ہے۔ وہ اترا۔ اور سواری کو مکان میں باندھا۔ بڑھتا ہوا امام حسن کے پاس پہنچا۔ امام حسن نے پوچھا۔ تم نے کیا کہا تھا۔ کہنے لگا۔ کہا تھا۔ اے مومنین کو ذلیل کرنے والے تم کو سلام۔ پوچھا۔ تمہیں یہ کس نے بتایا۔ کہنے لگا۔ تمہیں امت کے معاملات کا ذمہ دار بنایا گیا تھا لیکن اس ذمہ داری کو تم نے اتار پھینکا۔ اور یہ ذمہ داری اس آدمی کو دے دی جو کہ اللہ کے احکام کے خلاف فیصلہ کرتا ہے۔ تو اس کو امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں

عنقریب تجھے بتاتا ہوں۔ کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔ پھر کہنے لگے۔ کہ میں نے اپنے والد گرامی سے سن رکھا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ کچھ دن رات گزرنے کے بعد اس امت کی باگ ڈور ایسے آدمی کے ہاتھ میں آجائے گی۔ جو کھلے ہوئے منہ والا اور چوڑے سینہ والا ہوگا۔ کھائے گا لیکن سیر نہیں ہوگا۔ اور وہ شخص امیر معاویہ ہے۔ لہٰذا میں نے یہ سب کچھ اسی لیے کیا ہے۔

نوٹ:-

حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت میں امام حسن رضی اللہ عنہ کے ایک دیرینہ ساتھی "سفیان بن ابی لیلی" نے امام موصوف کو "یا مذل المومنین" کے الفاظ سے جان بوجھ کر اور عمداً خطاب کیا۔ یہ الفاظ اس کی زبان سے بلاارادہ نہیں نکل گئے تھے۔ جس کی دلیل یہ ہے۔ کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے جب اُسے فرمایا۔ ذرا آہستگی کے ساتھ بیٹھو۔ جلد بازی کا کیا فائدہ۔ تو اس کے بعد دوبارہ امام موصوف نے پوچھا۔ تم نے مجھے سلام کن الفاظ سے کیا تھا۔ اس نے پھر وہی الفاظ دہرا دیے۔

روایت مذکورہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جن اوصاف کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنا بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ چوڑے سینہ والا ہوگا۔ کھائے گا لیکن سیر نہیں ہوگا۔ یہ تمام باتیں ان کے بارے میں امام حسن رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا بالکل باطل اور غلط ہیں۔ یہ صرف اور صرف "ملا باقر مجلسی" کے ذہن کی پیداوار ہیں۔ اور اگر بالفرض تسلیم کیا جائے۔ کہ واقعی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی یہ فرمایا تھا۔ تو اس سے اہل تشیع کو کیا فائدہ؟ یہ تو ان کے عقیدے کے سخت خلاف ہے۔ کیونکہ اس سے ثابت ہوا۔ کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے نانا کی اس بات کا علم تھا۔ کہ ایک دن خلافت امیر معاویہ کی ہو گی۔ اس لیے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خلافت بطور ان کی علامات کے ذکر کر دی۔ تو امام حسن کی ان سے صلح اور خلافت سے دستبرداری اس پیش گوئی کی صداقت ہے

جو حضور نے فرمائی تھی۔ دوسری یہ بات بھی ثابت ہوئی۔ کہ "ائمہ اہل بیت" کی خلافت کا منصوص من اللہ ہونا کوئی اصل نہیں رکھتا۔ یہ اہل تشیع کا من گھڑت عقیدہ ہے۔

خلاصہ:۔

کتب شیعہ اس امر کی واضح طور پر شہادت دیتی ہیں۔ کہ

۱۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت سے دستبرداری کی۔ اور امیر معاویہ سے صلح کر لینے کے بعد ان کی بیعت بھی کی۔

۲۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کے "شیعوں" کو اس دستبرداری کا انتہائی دکھ ہوا۔

۳۔ شدید صدمہ کی بنا پر ان شیعوں نے امام موصوف کو قتل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

۴۔ امام پر حملہ کیا گیا۔ اور ان کے نیچے سے مصلّی کھینچ لیا گیا۔

۵۔ ان کا مال لوٹ کر ان کے پیٹ یا ران میں خنجر گھونپا گیا۔

۶۔ انہیں "مسلمانوں کا رسوا کرنے والا" کہہ کر سلام کیا گیا۔

اور یہ امور بھی انہی کتب سے بالتصریح ثابت ہیں۔ کہ

۱۔ امام کے خیال میں "ان شیعوں" سے امیر معاویہ کہیں بہتر تھے۔

۲۔ شیعوں کے مظالم کے خوف کی وجہ سے آپ نے امیر معاویہؓ سے صلح کی۔ اور خلافت سے دستبرداری کی۔

۳۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی ہر ماہ ہزاروں درہم مالی مدد کیا کرتے تھے

۴۔ حسنین کریمین نے عمر بھر امیر معاویہ سے کوئی ایسی بات نہ دیکھی۔ جو قابل اعتراض ہو۔

۵۔ ان شیعوں نے من گھڑت خط لکھ کر امام حسین کو امیر معاویہ کے خلاف اکسانا چاہا۔ لیکن منہ کی کھانا پڑی۔

۶۔ انہی شیعوں نے امام حسن کے والد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔

یہ ہے خلاصہ ان حوالہ جات کا جو" زہر دے کر مارنے" کے طعن کے جواب میں ہم نے کتب شیعہ سے پیش کئے۔ آپ ان امور کی باہم کڑیاں ملاتے چلے جائیں۔ تو یقیناً اسی نتیجہ پر پہنچیں گے۔ کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری سے پہلے کے حالات پُرامن اور پرسکون تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح اور ان کے حق میں دستبرداری کے بعد ان کی بیعت کر لینا ان تمام واقعات کی ابتداء قرار پایا۔ تو ہم اسی طرح کہہ سکتے ہیں۔ جس طرح خود امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت میں ان لوگوں کا ہاتھ ہے۔ جنہوں نے آپ کے۔

پیٹ میں خنجر گھونپا

ان کے مال واسباب کو لوٹا۔

ان کے مصلیٰ کو نیچے سے کھینچ لیا۔

ان پر قاتلانہ حملہ کیا۔

آپ کو "مسلمانوں کو ذلیل کرنے والا"، کہہ کر سلام کیا۔

پہنچا ہیے یہ کون ہیں۔ زہر اگر دیا۔ تو انہوں نے ہی دیا۔ کسی دوست کا یہ کام نہیں ہو سکتا۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

طعن نمبر (۵)

امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) عائشہ صدیقہ رضؓ

کے قاتل ہیں

اہل سنت وجماعت کے ہاں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس قدر عظمت ومنزلت ہے۔ کہ ان کی گستاخی کرنے والے کو جہنمی قرار دیتے ہیں۔ جب گستاخ پر یہ حکم ہے تو ان کے قاتل کو کون اچھا اور ایمان دار کہے گا۔ یہ بات اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہے۔ امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) جب مدینہ آئے تو انہوں نے ام المومنین عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی اپنے ہاں دعوت کی۔ جو در اصل ان کے ہلاک کرنے کا منصوبہ تھا۔ وہاں ایک گڑھا کھدوایا گیا۔ اس میں حضرت عائشہ کو گرا کر ہلاک کر دیا اور پھر چونے اور پتھر سے اس کو مضبوطی سے بند کر دیا۔ یہی طعن ایک شیعی مؤرخ سید حیدر علی نقوی نے اپنی تصنیف "تاریخ آئمہ"

میں اس طرح نقل کیا ہے۔

تاریخ ائمہ:۔

۵۶ھ میں معاویہ مدینہ میں آیا۔ اور ایک مکان میں گڑھا کھدوا کر اس کو خس پوش کر کے آبنوس کی کرسی بچھوائی اور حضرت عائشہ کو دعوت کے بہانے بُلا کر اس پر بٹھایا۔ حضرت عائشہ بیٹھتے ہی گڑھے میں جا پڑیں۔ معاویہ نے اس گڑھے کو پتھر اور چونے سے مضبوط کرا دیا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

(تاریخ ائمہ ص ۱۴۸ مطبوعہ لاہور)

جواب:۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ کہ اہلِ تشیع کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بایں وجہ دشمنی ہے۔ کہ وہ صدیق اکبر کی بیٹی ہوتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں کیوں آئیں۔ ان کی دشمنی دراصل صدیق اکبر سے ہے اور اس واسطہ سے حضرت عائشہ بھی انھیں بُری نظر آتی ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھی یہ دشمن ہیں۔ ان دونوں کے بارے میں ان کے دل بغض و حسد میں جلتے رہتے ہیں۔ اور من گھڑت واقعات اور روایات سے اُس آگ پر پانی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن "مُوْتُوْا بِغَیْظِکُمْ" کے ارشاد ربانی سے ان کی آگ نہ ختم ہونے والی ہے۔

اس شیعہ مؤرخ کو یہ واقعہ لکھتے وقت معمولی سی بھی شرم و حیا نہ آئی کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ شخصیت ہیں جن کی تعریف کتاب اللہ میں موجود ہے اور احادیث نبویہ جن کے فضائل و مناقب سے بھری پڑی ہیں اُن کے بارے میں ایک بے سند اور بے سروپا واقعہ نقل کر کے اپنے بغض و عناد کی تسکین کا سامان بنایا جا رہا ہے۔ اگر اس کی کوئی معقول وجہ بن سکتی تھی۔ تو اس مورخ کو

یوں کرنا چاہیئے تھا کہ اہل سُنّت کی کسی معتبر کتاب سے اسی قسم کی کوئی روایت پیش کرتا۔ تو پھر اس کی تحریر کی طرف شاید کوئی توجہ دیتا۔ مگر چالاکی یہ کی کہ اس قصہّ کی نسبت دو کتابوں کی طرف کر کے لکھّا۔ کہ ان میں یہ واقعہ مذکور ہے اور ان میں سے ایک کے متعلق لکھّا کہ وہ قلمی نسخہ کی شکل میں ہے۔ یعنی نہ کسی کو یہ کتاب ملے اور نہ ہی حقیقتِ حال کھُل سکے اور زور زور سے چلاتے رہیں کہ سینوں کی کتاب میں یہ واقعہ لکھّا ہے۔ اسے یوں ہی سمجھ لیں کہ کوئی شخص کسی شیعہ ذاکر یا مجتہد کے متعلق کہتا ہے۔

"اس نے کسی سے بدفعلی کی۔ پکڑے جانے پر اس کو وہیں مار دیا گیا اور اسی جگہ گڑھا کھود کر اس کی لاش کو ٹھکانے لگا دیا گیا"

لیکن حقیقت یوں ہو کہ اس کے مرنے کے وقت سینکڑوں آدمی موجود تھے۔ اس کی باقاعدہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور اُسے سب کے سامنے قبرستان لے جا کر دفن کیا گیا۔ ان دونوں باتوں میں خود فیصلہ کر لو۔ کونسی بات درست اور حقیقت پر مبنی ہے اور کونسی جھوٹوں کا پلندہ ہے۔

ہم نے ایک فرضی واقعہ دو مختلف رنگوں میں اس لیے لکھا ہے۔ کہ کچھ ایسی ہی کیفیت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق سامنے آتی ہے رشیعہ مورخ نے حسد و بغض کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ ثابت کر دیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے گڑھے میں گرا کر ہلاک کر دیا۔ اور پھر اس گڑھے کو پتھروں اور چونے سے چن دیا گیا۔ اگر ایسا ہی ہوا تھا۔ تو پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کفن دفن اور جنازہ کی کوئی روایت نہ ہوتی اور لوگوں کو ان کی موت کا جب علم ہی نہیں ہوا۔ تو جنازہ میں شرکت کا کیا مطلب؟ پھر اگر ایسا ہی ہوا، تو کیا اس واقعہ کے بعد مسلمانوں کو اس کا علم ہوا یا نہ ہوا۔ نہ ہونا غیر ممکن

ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت ایک بین الاقوامی شخصیت تھی۔ خود صحابہ کرام نے ان سے اکتسابِ علم کیا۔ اور لاکھوں کی تعداد میں ان کے جانثار موجود تھے۔ لہٰذا اتنا عظیم سانحہ گزرا اور کسی نے ایک لفظ تک بھی احتجاجًا نہ کہا۔ اگر یہ واقعہ حقیقت پر مبنی ہوتا۔ تو واقعہ حرّہ اور واقعہ کربلا کی طرح اس کا چار دانگ عالم میں چرچا ہوتا۔ ہزاروں لاکھوں روایات اس پر شاہد ہوتیں۔ لیکن شیعی مورّخ نے اس واقعہ کے ضمن میں دو کتابوں کا ذکر کیا۔ جن میں سے ایک کا کہیں وجود ہی نہیں۔ ان دو نام نہاد کتابوں کے علاوہ سیرت و احادیث کی کتب اور تاریخی اوراق میں اور اس کا کہیں ذکر موجود نہیں۔

رہا یہ مسئلہ کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی توہین کرنے والا، گستاخ اور بے ادب ہے۔ ہماری کتب تو اس بارے میں صاف صاف بتلا رہی ہیں۔ اور اس کی صراحت معترض نے اعتراض میں بھی کی۔ لیکن یہ یاد رہے۔ کہ گستاخ عائشہ کو ہم ہی مردود بارگاہِ الٰہی نہیں کہتے۔ بلکہ خود شیعہ بھی اس کی اپنی کتب میں تائید و توثیق کرتے ہیں۔

منہج الصّادقین

ابن عباس را روز عرفہ ازایں آیت سوال کردند فرمود کہ مَنْ اَذْنَبَ ذُنُبًا ثُمَّ تَابَ مِنْهُ قُبِلَتْ تَوْبَتُهٗ اِلَّا مَنْ خَاضَ فِيْ اَمْرِ عَائِشَةَ۔ یعنی ہر گاہ کسے گناہے کند و از آں توبہ نماید توبۂ او مقبول است مگر آں کسے کہ در امر عائشہ خوض کردہ برا وافک کرد۔

(تفسیر منہج الصادقین جلد ۶ ص ۲۶۸ سورۂ نور مطبوعہ تہران)

ترجمہ:۔ (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برارت میں نازل شدہ آیات سورہ نور کے متعلق) لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یوم عرفہ (نویں ذوالحجہ کو) پوچھا۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ کوئی شخص اگر کسی قسم کا گناہ کر لیتا ہے۔ اور پھر اس سے تائب ہو جائے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ لیکن اس شخص کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جاتی۔ جس نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائے گئے۔ بہتان میں غور و خوض کیا (یعنی اُسے ثابت کرنے کے لیے غور و فکر کیا۔)

"تفسیر منہج الصادقین" کے مصنف نے حضرت ابن عباس کے حوالہ سے اپنا مسلک بیان کر دیا اور ہونا بھی یہی چاہیئے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ صرف اہلسنت کے ہاں ہی نہیں بلکہ اہل تشیع بھی گستاخ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو مردود اور ملعون سمجھتے ہیں۔ اس سے طعن مذکور کے راوی اور اس کے مؤید کے بارے میں خود بخود فیصلہ ہو جاتا ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ کے وصال شریف کا اصل واقعہ

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق گذشتہ اوراق میں یہ گفت گو چل رہی تھی کہ ان کا وصال کہاں ہوا اور کیونکر ہوا؟ کیا نمازِ جنازہ کسی نے پڑھی؟ کس نے غسل دیا؟ دفنانے میں کون کون شریک تھے؟ طعن مذکور میں ان تمام باتوں کا انکار ہے۔ کیونکہ اس باطل و لغو روایت کے

مطابق آپ کو گڑھے میں گرا کر ہلاک کر دیا گیا اور پھر گڑھے کو پتھر اور چونے سے بند کر دیا گیا۔

اس لیے ہم نے ضروری سمجھا۔ کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا اصل واقعہ ذکر کر دیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی تذکرہ ہو جائے کہ جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے درمیان عداوت و کدورت تھی یا ایک دوسرے کے بہی خواہ تھے۔ دونوں طرف کی کتب سے انشاء اللہ اس بارے میں حوالہ جات پیش کیے جا رہے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے وصال کا مختصر واقعہ یوں ہے۔

"آپ مدینہ منورہ میں بیمار ہوئیں اور رمضان المبارک کی سترہ تاریخ کو وصال فرمایا۔ آپ نے آخری وقت وصیت فرمائی۔ کہ مجھے رات کے وقت کفن دفن دیا جائے۔ رات کو جس قدر عظیم اجتماع ان کے جنازے کی نماز پڑھنے آیا۔ وہ اپنی مثال آپ تھا۔ نمازِ جنازہ سیدنا ابو ہریرہؓ نے پڑھائی۔ قبر میں اتارنے والوں میں عبداللہ بن زبیر اور عروہ بن زبیر، عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے اسماء گرامی ہیں۔ دفنانے میں بھی یہی لوگ تھے۔"

روایت ۱

طبقات ابن سعد

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ وَحَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي سَبْرَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ مَيْسَرَةَ عَنْ سَالِمٍ سَبَلَانَ قَالَ مَاتَتْ عَائِشَةُ لَيْلَةَ سَبْعَ عَشْرَةَ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ بَعْدَ الْوِتْرِ

فَاَمَرَتْ اَنْ تُدْفَنَ مِنْ لَيْلَتِهَا
فَاجْتَمَعَ النَّاسُ وَ حَضَرُوْا فَلَمْ
نَرَ لَيْلَةً اَكْثَرَ نَاسًا مِّنْهَا نَزَلَ اَهْلُ
الْعَوَالِيْ فَدُفِنَتْ بِالْبَقِيْعِ ۔

طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۶۵ ذکر
ازواج الرسول صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ بیروت

ترجمہ:۔ (بحذف اسناد) سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رمضان المبارک کی سترہویں تاریخ بعد نمازِ عشاء وفات پائی وصال سے قبل انہوں نے وصیّت کر دی تھی کہ مجھے رات کو ہی دفن کرنا آپ کی نمازِ جنازہ (بموجب وصیّت) رات کو ہی پڑھی گئی۔ اور لوگوں کا اس قدر اجتماع تھا کہ میں نے اتنا بڑا اجتماع اس سے قبل کسی رات میں نہ دیکھا تھا۔ اور عوالیٔ مدینہ کے لوگ بھی آ گئے ۔ اور جنّت البقیع میں آپ دفن ہوئیں۔

روایت ۲ طبقات ابن سعد:

اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنِيْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ
بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ
مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ قَالَ صَلّٰى اَبُوْ
هُرَيْرَةَ عَلٰى عَائِشَةَ فِيْ رَمَضَانَ سَنَةَ
ثَمَانٍ وَّ خَمْسِيْنَ وَ دُفِنَتْ بَعْدَ
الْاِيْتَارِ ۔ جلد ۸ ص ۷۷ مطبوعہ بیروت

ترجمہ:۔ (بحذف اسناد) عمر بن حزم کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ یہ سن ۵۰ ہجری رمضان المبارک کا واقعہ ہے اور آپ کو بعد نماز وتر (عشاء) جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

روایت ۳

اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ سَبْرَۃَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِیْ عَتِیْقٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ نَزَلْتُ فِیْ قَبْرِ عَائِشَۃَ اَنَا وَعَبْدُ اللّٰہِ بْنُ الزُّبَیْرِ وَعُرْوَۃُ بْنُ الزُّبَیْرِ وَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍ۔

(۱- طبقات ابن سعد جلد ۸ ص۷۸
ذکر ازواج الرسول صلی اللہ علیہ وسلم
مطبوعہ بیروت)

(۲- البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص۹۳
تذکرہ ام المومنین حضرت عائشہ بنت ابی بکر۔
مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:۔ (بحذف اسناد) قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ

عنہا کے دفنانے کے لیے میں، عبداللہ بن زبیر، عروہ بن زبیر، عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر قبر میں اترے۔

روایت ۱۲

زرقانی۔

وَفِي الصَّحِيحِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ اَنَّ عَائِشَةَ مَرِضَتْ فَعَادَهَا ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ تَقْدَمِيْنَ عَلٰى فَرَطِ صِدْقٍ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى اَبِيْ بَكْرٍ (وَ مَاتَتْ بِالْمَدِيْنَةِ سَنَةَ سَبْعٍ وَ خَمْسِيْنَ) فِيْمَا ذَكَرَهُ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِيْنِيْ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ قَالَ فِي التَّقْرِيْبِ وَهُوَ الصَّحِيْحُ (وَ قَالَ الْعَامِدِيُّ لَيْلَةَ الثُّلٰثَاءِ لِسَبْعَ عَشَرَ خَلَتْ مِنْ رَمَضَانَ سَنَةَ ثَمَانٍ وَّخَمْسِيْنَ --------) (وَ اَوْصَتْ) ابْنَ اُخْتِهَا عُرْوَةَ (اَنْ تُدْفَنَ بِالْبَقِيْعِ) فَقَالَتْ لَهٗ اِذَا اَنَا مِتُّ فَادْفِنِّيْ مَعَ صَوَاحِبِيْ بِالْبَقِيْعِ رَوَاهُ ابْنُ اَبِيْ خَيْثَمَةَ فَدُفِنَتْ بِهٖ (لَيْلًا) وَ نَزَلَ فِيْ قَبْرِهَا

الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ وَابْنُ عَمِّهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِیْ عَتِیْقٍ وَعُرْوَۃُ وَعَبْدُ اللّٰهِ اَبْنَا الزُّبَیْرِ کَمَا فِی الْعُیُوْنِ وَحَضَرَ جَنَازَتَهَا اَکْثَرُ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ اَوْ صَلّٰی عَلَیْهَا اَبُوْ هُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَکَانَ یَوْمَئِذٍ خَلِیْفَةَ مَرْوَانَ ابْنِ الْحَکَمِ اَمِیْرِ الْمَدِیْنَةِ حِیْنَئِذٍ مِّنْ جِهَةِ مُعَاوِیَةَ (عَلَی الْمَدِیْنَةِ) لِاَنَّهٗ حَجَّ فَاسْتَخْلَفَ اَبَا هُرَیْرَۃَ۔

(زرقانی علی المواہب اللدنیہ للقسطلانی جلد ۳ ص ۲۳۵۔۲۳۶۔ تذکرہ عائشہ ام المومنین۔ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: قاسم ابن محمد سے صحیح روایت ہے۔ کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ بیمار پڑیں۔ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی عیادت کی۔ دوران تیمارداری کہا۔ اے ام المومنین! آپ بچی خوشی کے ساتھ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا رہی ہیں۔ آپ کا مدینہ منورہ میں ستاون ہجری کے اندر وصال ہوا یہی ابن وصال علی ابن المدینی

سے منقول ہے۔ جو انھوں نے سفیان بن ہشام بن عروہ سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ تقریب میں ہے۔ کہ یہی درست ہے۔

واقدی نے کہا۔ حضرت عائشہ کی وفات ۵۸ ہجری ۱۷ رمضان المبارک بدھ کی رات کو ہوئی۔ وصال سے قبل انھوں نے اپنے بھانجے عروہ کو وصیت فرمائی کہ مجھے جنت البقیع میں دفن کیا جائے آپ نے عروہ سے فرمایا تھا کہ مجھے میری ہمجولیوں کے ساتھ بقیع میں دفنانا۔ ابن ابی خیثمہ نے یہ روایت کی۔ تو بموجب وصیت آپ کو وہیں دفن کیا گیا۔ بوقت دفن رات پڑ گئی تھی۔ انھیں قبر میں قاسم بن محمد، ان کے چچا زاد بھائی عبداللہ بن عبدالرحمٰن اور عبداللہ بن ابی عتیق اور عروہ و عبداللہ جو دونوں زبیر کے بیٹے ہیں نے اتارا۔ عیون میں ایسے ہی مذکور ہے۔ آپ کی نماز جنازہ میں مدینہ کے اکثر باشندوں نے شرکت کی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت ابوہریرہ ان دنوں مروان بن حکم کے نائب تھے۔ جسے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کا امیر مقرر کیا تھا۔ حضرت ابوہریرہ نائب اس لیے بنے۔ کیونکہ مروان ان دنوں حج کرنے گیا ہوا تھا۔ اس نے جاتے ہوئے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام کر دیا تھا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بہت قیمتی تحائف بھیجا کرتے تھے۔

حلیۃ الاولیاء:-

حَدَّثَنَا اَبُوْ حَامِدِ بْنُ جَبَلَةَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحٰقَ ثَنَا اَبُو الْاَشْعَثِ الْعَجَلِیُّ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَکْرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ مُعَاوِیَةَ بَعَثَ اِلٰی عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا بِمِائَةِ اَلْفٍ فَوَاللّٰهِ مَا غَابَتِ الشَّمْسُ عَنْ ذٰلِكَ الْیَوْمِ حَتّٰی فَرَّقَتْهَا قَالَتْ مَوْلَاةٌ لَوِاشْتَرَیْتِ لَنَا مِنْ هٰذِهِ الدَّرَاهِمِ بِدِرْهَمٍ لَحْمًا فَقَالَتْ لَوْقُلْتِ قَبْلَ اَنْ اُفَرِّقَهَا لَفَعَلْتُ۔

(حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء جلد ۲، ص۴۷ تذکرہ عائشہ زوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:۔ (بحذف اسناد) حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ

عنہا کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بھیجے۔ خدا کی قسم! اس دن سُورج غروب ہونے سے پہلے پہلے حضرت صدیقہ نے وہ تمام درہم فقراء میں بانٹ دیئے۔ ان کی ایک باندی نے عرض کیا۔ کیا اچھا ہوتا اگر آپ ان دراہم میں سے ایک آدھ درہم کا ہمارے لیے گوشت خرید دیتیں۔ یہ سُن کر سیدہ نے فرمایا۔ افسوس ہے۔ تم نے مجھ سے یہ بات درہم بانٹنے سے پہلے کہی ہوتی۔ تو میں ایسا ضرور کرتی۔

حلیۃ الاولیاء

حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ ثَنَا اَحْمَدُ بْنُ سَعِيْدٍ ثَنَا اِبْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِيْ يَحْيَى بْنُ اَيُّوْبَ اَنَّ يَحْيَى بْنَ سَعِيْدٍ كَتَبَ اِلَيْهِ يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ اَنَّهٗ قَالَ اَهْدٰى مُعَاوِيَةُ لِعَائِشَةَ ثِيَابًا وَّ وَرَقًا وَ اَشْيَاءَ تُوْضَعُ فِيْ اُسْطُوَانِهَا فَلَمَّا خَرَجَتْ عَائِشَةُ نَظَرَتْ اِلَيْهِ فَبَكَتْ ثُمَّ قَالَتْ لٰكِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَجِدُ هٰذَا ثُمَّ فَرَّقَتْهٗ وَلَمْ يَبْقَ مِنْهُ شَيْءٌ

(حلیۃ الاولیاء جلد دوم ص۴۸ ذکر عائشہ زوج
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:۔ (بحذف اسناد) عبدالرحمٰن بن قاسم کہتے ہیں۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں کچھ کپڑے، چاندی اور بہت سی دوسری چیزیں بطور ہدیہ دیں۔ جو آپ کے حجرہ شریف کے باہر رکھی گئیں۔ جب سیّدہ گھر سے باہر تشریف لائیں اور ان چیزوں کو دیکھا تو رو پڑیں۔ پھر فرمانے لگیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی اشیاء اپنے پاس نہ رکھیں۔ یہ کہہ کر ان چیزوں کو بانٹ دیا۔ اور ایک چیز بھی اپنے پاس باقی نہ چھوڑی۔

روایات مذکورہ سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ سیدہ عائشہ کو ہزاروں کی تعداد میں نقدی، کپڑے اور دیگر تحائف دیا کرتے تھے۔

۲۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا انتہائی سخاوت کا پیکر تھیں کہ لاکھوں دراہم کی اشیاء ایک ہی دن میں فقراء و مساکین پر بانٹ دیا کرتی تھیں۔

۳۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رمضان المبارک میں بیمار ہوئیں تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کی عیادت و بیمار پرسی کے لیے ان کے ہاں جایا کرتے تھے۔

۴۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انتقال رات کے وقت بعد نماز وتر (عشاء)،

ہوا۔ اور مدینہ منورہ میں ہوا۔

۵۔ سیدہ کے جنازہ کی نماز پر اہلِ مدینہ اور گرد و نواح سے اس قدر کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ کہ اتنا بڑا اجتماع اس سے قبل کسی رات کو دیکھنے میں نہ آیا تھا۔

۶۔ ام المومنین کی نمازِ جنازہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ کیونکہ اس وقت عارضی طور پر مدینہ منورہ کا امیر انھیں مقرر کیا گیا تھا۔ ان کی نیابت مروان کے حج پر جانے کی وجہ سے تھی۔

۷۔ آپ کو خود ان کے بھتیجوں اور بھانجوں نے لحد میں اتارا۔

لمحہ فکریہ۔

ناظرین و قارئین کرام!

مذکورہ طعن کو آپ ذرا ذہن میں پھر سے لائیں۔ تو آخر میں اس کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ رضی اللہ عنہا کو دعوت کے نام پر دھوکہ دیا۔ اور اس کے پسِ پردہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہلاکت کی خواہش تھی جسے پورا کرنے کے لیے گڑھا کھودا گیا۔ اور اُس میں ام المومنین کو گرا کر ہلاک کر دیا گیا۔

۲۔ جب حضرت صدیقہ اس گڑھے میں گر چکیں۔ تو اُس کو پتھر چونے سے بند کر دیا گیا۔

۳۔ کسی کو ان کی فوتیدگی کا علم نہ ہوا۔ لہٰذا نہ نمازِ جنازہ ہوئی اور نہ گور و کفن دیا گیا۔ انھیں ہمیشہ کے لیے اُسی گڑھے میں دفن کر دیا گیا۔

ان مذکور مختصر امور کو آپ نے دیکھا۔ اور ان کے متعلق مذکورہ روایات بھی آپ نے ملاحظہ کیں تو دونوں کا موازنہ کرنے کے بعد کوئی ذی ہوش اور عقلمند آدمی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ طعن مذکور ایک فریب ایک چال اور مکر و حیلہ کی ایک تصویر کے سوا کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جناب صدیقہ سے غایت عقیدت کی بنا پر انہیں تحفہ جات بھیجیں۔ اور ظالم ان کے بارے میں ہلاک کرنے کا الزام تھوپیں۔ عقل کے اندھے انھیں (عائشہ صدیقہ رض کو) بے گور و کفن اور بغیر جنازہ پڑھے مدفون کریں۔ اور ادھر ام المومنین کے بھتیجے بھانجے انھیں لحد میں اتاریں۔ ابو ہریرہ ان کی نماز جنازہ میں امامت کرائیں۔ دین کے دشمن انہیں خفیہ طور پر گڑھے میں پھینکنے کے قائل اور دوسری طرف اتنی کثیر جماعت کی ان کی نماز جنازہ میں شرکت جو اس سے پہلے دیکھنے میں نہ آئی۔ اب ان ظالموں، دین کے دشمنوں اور عقل کے اندھوں کی بات پر کوئی کان دھرے۔ یا حقیقت حال کو قبول کرے۔ لہذا معلوم ہوا۔ کہ مذکورہ طعن ایک تار عنکبوت سے بھی کم وزنی ہے وہ تو معمولی سا ہوا کا جھونکا برداشت کر سکتا ہے۔ لیکن یہ طعن اتنی بھی سکت نہیں رکھتا کہ خود بخود کھڑا ہو سکے اس قدر بودے اور بھدے طعن کو اتنے ناز و نخرے سے پیش کرنا اور پھر سامنے آنے کی جرأت نہ کرنا کس قدر بے وقوفی ہے۔ کس قدر اس میں ناپائیداری ہے۔

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

مذکورہ طعن کی تردید شیعہ کتب کی تحریرات سے بھی ملاحظہ ہو۔

تاریخ یعقوبی

وَتُوُفِّيَ اَيَّامَ مُعَاوِيَةَ اَرْبَعٌ مِّنْ اَزْوَاجِ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَفْصَةُ بِنْتُ عُمَرَ تُوُفِّيَتْ سَنَةَ ۴۵ وَصَلّٰى عَلَيْهَا مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ وَهُوَ عَامِلُ الْمَدِيْنَةِ وَصَفِيَّةُ بِنْتُ حَيِّ بْنِ اَخْطَبَ تُوُفِّيَتْ سَنَةَ ۵۰ وَخَوْلَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ تُوُفِّيَتْ سَنَةَ ۵۶ وَعَائِشَةُ بِنْتُ اَبِيْ بَكْرٍ تُوُفِّيَتْ سَنَةَ ۵۸ وَصَلّٰى عَلَيْهَا اَبُوْهُرَيْرَةَ وَكَانَ خَلِيْفَةً لِمَرْوَانَ عَلَى الْمَدِيْنَةِ۔

(تاریخ یعقوبی جلد دوم ص ۲۳۸ وفات حسن بن علی مطبوعہ بیروت جدید)

ترجمہ:۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار ازواج مطہرات نے انتقال فرمایا۔ حفصہ بنت عمر سن ۴۵ ہجری میں فوت ہو گئیں۔ ان کی نمازِ جنازہ مروان بن حکم نے پڑھائی۔ کیونکہ وہ ان دنوں مدینہ کا عامل تھا۔

(۲) صفیہ بنت حی بن اخطب نے سن پچاس میں انتقال فرمایا۔

(۳) خولہ بنت الحارث سن ۵۶ ہجری میں اللہ کو پیاری ہوئیں۔

(۴) عائشہ بنت ابوبکر صدیق سن ۵۸ ہجری میں دارِ فانی کو چھوڑ گیئں۔ ان کی نماز جنازہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ ان دنوں یہ مروان د کی عدم موجودگی میں اس کے خلیفہ تھے۔

منتخب التواریخ۔

وایضا دراین سال عائشہ زوجۂ پیغمبر (ص) از دنیا رحلت کرد در شب سہ شنبہ ہفدہم ماہ رمضان در سن شصت و ہفت سالگی وابوہریرہ بروی نماز خواند اورا در بقیع دفن کردند۔

(منتخب التواریخ ص ۲۰۴ تصنیف ہاشم بن محمد علی خراسانی باب پنجم فصل یازدہم مطبوعہ تہران جدید)

ترجمہ: نیز اسی سال (سن ستاون ہجری) میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زوجۂ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا۔ آپ منگل کی رات سترہ رمضان المبارک سن سڑسٹھ ہجری میں دنیا سے رحلت کر گیئں۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ ان کو جنت البقیع میں دفنایا گیا۔

لمحہ فکریہ۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھا۔ کہ خود شیعہ کتب میں مذکور طعن کی دھجیاں اڑائی گیئں۔ وہ آپ پر مخفی نہیں۔ ان دونوں روایات میں کہیں اس بات کا نام و نشان بھی نہیں۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دھوکہ سے حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دعوت پر بلایا اور گڑھے میں گرا دیا۔ اور کسی نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ نہ ان کا غسل ہوا۔ نہ کفن پہنایا گیا؟ آپ یقیناً کہیں گے کہ ان تمام باتوں میں کسی کا کوئی نام و نشان تک بھی نہیں ملتا اور شیعہ کتب میں بھی صاف صاف انہی باتوں کا ذکر ہوا ہے۔ جن کا ذکر اہل سنت کی کتب میں تھا۔ وہ یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کسی حیلہ بہانہ کے بجائے اپنے آپ موت آئی۔ مدینہ منورہ میں بیمار رہنے کے بعد آپ نے سترہ رمضان المبارک کو دنیا فانی چھوڑی۔ اعزہ و اقارب نے غسل و کفن دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور مدینہ اور اس کے گرد و نواح کے باشندوں نے ایک کثیر تعداد میں ان کی نمازِ جنازہ ادا کی۔

لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ طعن مذکور ایک بغض و عداوت کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شدید ترین توہین ہے۔ اور ان کی شخصیات کو بدنام کرنے کی ایک ناپاک اور گھناؤنی سازش ہے جس سے معترضین نے اپنا منہ تو کالا کر لیا۔ لیکن ان دونوں شخصیات کے فضائل و مناقب میں سے کچھ بھی کم نہ کر سکے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

طعن نمبر (۶)

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی زندگی میں یزید کو ولی عہد بنا کر مسلمانوں کے خون سے کھیلے

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنا کر ایک تو خلفائے راشدین کی سنت کی مخالفت کی۔ اور دوسرا مسلمانوں کے باہم لڑنے اور قتل و غارت کا ایسا دروازہ کھول دیا کہ آج تک امت مسلمہ متحد نہ ہو سکی۔ سانحہ کربلا بھی اسی کے اثرات میں سے ایک بہت بڑا اثر تھا۔ جس میں اہل بیت کا قتل عام ہوا۔

جواب:۔

طعن مذکورہ میں دراصل تین باتیں ذکر کی گئیں۔

۱۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو ولی عہد بنا کر خلفائے راشدین کی سنت کی مخالفت کی۔

۲۔ یزید کی ولی عہدی سے امیر معاویہ نے قصداً اہل بیت کے قتل کا راستہ نکالا۔
۳۔ اگر امیر معاویہ ایسا نہ کرتے۔ تو واقعہ کربلاء بھی پیش نہ آتا۔ اور مسلمان باہم شیر و شکر رہتے۔

ہم ان تینوں امور کی بالترتیب تردید کرتے ہیں۔ اور ہم ہی نہیں بلکہ خود اہل تشیع کی کتب بھی ان کی تردید کرتی ہیں۔ لیجئے سنیئے۔

تردید امر اول:

بادشاہ کو ولی عہد بنانا ممنوع نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی امام حسن کو ولی عہد بنایا

سب سے پہلی بات یہ ہے۔ کہ کسی معتبر اور مستند حدیث سے کوئی ایک آدھ ایسا حوالہ نہیں ملتا۔ نہ ہی کسی امام کا قول بالتصریح ایسا ملتا ہے۔ کہ جس میں یہ کہا گیا ہو۔ کہ کسی امام و خلیفہ کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے کسی رشتہ دار کو اپنا ولی عہد یا جانشین نہیں بنا سکتا۔ اگر ایسا کرے گا۔ تو اس کا یہ عمل خلاف اسلام ہو گا۔ بلکہ اس کے برعکس ولی عہدی کا ثبوت موجود ہے۔ کتب شیعہ اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں۔ کہ حضرت علی المرتضے رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں امام حسن رضی اللہ عنہ کو ولی عہد مقرر کر دیا تھا۔

کشف الغمہ:۔

اِنَّ عَلِیًّا عَلَیْہِ السَّلَامُ اَوْصٰی بِھَا اِلَیْہِ وَاَفَاضَ رِدَائَھَا عَلَیْہِ فَھُوَ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَسْئَلَۃُ اِجْمَاعٍ

وَقَدْ سَلِمَ الْمُدَّعٰی اِمَامَتِہٖ عَنِ النِّزَاعِ۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد ۱ ص ۵۳۱

فی امامتہ علیہ السلام

مطبوعہ تبریز)

ترجمہ:-

حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ہی امام حسن رضی اللہ عنہ کو اپنا وصی اور ولی عہد بنا دیا۔ اور خلافت کی چادر بھی انہیں پہنا دی۔ لہٰذا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت ایک اجماعی مسئلہ ہے۔ اور ہر قسم کے تنازعات سے پاک ہے۔ (کیونکہ یہ دورِ خلافت اس زمانے میں شامل ہے۔ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرماتے ہوئے تیس سال قرار دیا تھا۔)

لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ جب حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنا کر سنت خلفائے راشدین کی مخالفت نہیں کی۔ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی یزید کو ولی عہد بنا کر مخالفت نہیں کی۔ بلکہ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ کے طریقہ کی اتباع کی ہے۔

تردید امر دوم

امیر معاویہ کی یزید کو امام حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق وصیت

یہ کہنا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو ولی عہد بنا کر اہل بیت کے قصداً قتل کا دروازہ کھول دیا۔ پہلے امر کی طرح غلط اور بے اصل ہے۔ اس کی تردید بھی اہل تشیع کی کتب سے ملاحظہ فرمائیں۔

مقتل ابی مخنف:۔

وَالرَّابِعُ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ فَإِنَّ النَّاسَ تَدْعُوْهُ حَتّٰى يَخْرُجَ عَلَيْكَ فَإِنْ ظَفِرْتَ بِهٖ فَاحْفَظْ قَرَابَتَهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاعْلَمْ يَا بُنَيَّ اَنَّ اَبَاهُ خَيْرٌ مِّنْ اَبِيْكَ وَجَدَّهٗ خَيْرٌ مِّنْ جَدِّكَ وَاُمَّهٗ خَيْرٌ مِّنْ اُمِّكَ وَلِلْمَرْءِ مَا يَعْقِلُ بِكَ وَهٰذِهٖ وَصِيَّتِيْ اِلَيْكَ وَالسَّلَامُ وَطَوَى الْكِتَابَ وَسَلَّمَهٗ لِلضَّحَّاكِ بْنِ قَيْسِ الْفِهْرِيِّ وَاَمَرَهٗ اَنْ يُسَلِّمَهٗ اِلٰى وَلَدِهٖ ثُمَّ اَنَّهٗ لَمْ يَلْبَثْ حَتّٰى هَلَكَ وَذٰلِكَ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ رَجَبٍ سَنَةَ سِتِّيْنَ مِنَ الْهِجْرَةِ وَضَجَّتْ دِمَشْقُ لِمَوْتِهٖ۔

(مقتل ابی مخنف، صفحہ نمبر ۸/ مقدمہ مطبوعہ نجف اشرف)

ترجمہ:۔

(امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی عدم موجودگی میں وصیت لکھواتے ہوئے دیگر امور کے علاوہ چار آدمیوں کا ذکر بھی کیا۔ کہ وہ یزید کے مقابلہ میں شاید آجائیں تو ان سے مقابلہ کے وقت اسے یزید تجھے کیا کرنا چاہیے۔ یہ تحریر کیا۔ ان چار

میں سے ایک امام حسین بھی تھے۔ ان کے بارے میں وصیت لکھی اچھے آدمی حسین بن علی ہیں۔ جن کو کوفی لوگ دعوت دیں گے۔ حتی کہ وہ احسین ا تجھ پر خروج کریں گے۔ تو اگر تو ان کو پکڑنے اور شکست دینے میں کامیاب ہو جائے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی قرابت ضرور ذہن میں رکھنا۔ بیٹا! تجھے معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ حسین کا باپ تمہارے باپ اس کے نانا تمہارے نانا، اس کی والدہ تمہاری والدہ سے کہیں بہتر ہیں۔ اور آدمی کے لیے وہی ہے۔ جو تیرے دل میں ہے والسلام اس کے بعد وصیت نامہ لپیٹ دیا۔ اور ضحاک بن قیس الفہری کے سپرد کرتے ہوئے حکم دیا کہ یہ وصیت نامہ میرے بیٹے کو دے دینا۔ اس وصیت کے بعد حضرت امیر معاویہ بہت جلد دنیا سے رخصت ہو گئے۔ یہ رجب کی پندرھویں رات ۶۰ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ پورا دمشق امیر معاویہ کی موت پر کانپ اٹھا۔

مذکورہ حوالہ سے درج ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو فراست ایمانی اور سیاستِ جہانگیری سے یہ بخوبی معلوم تھا۔ کہ کوفی شیعہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کے خلاف خروج پر ضرور ابھاریں گے۔

۲۔ آپ نے فرمایا اگر امام حسین رضی اللہ عنہ سے اے یزید تیرا مقابلہ ہو ہی جائے۔ تو امام موصوف کی قرابت کو نہ بھولنا۔ نہ تیرا باپ ان کے باپ جیسا نہ تیرا نانا ان کے نانا جیسا اور نہ ہی تیری ماں ان کی ماں جیسی ماں ہے۔ لہذا کوئی نازیب حرکت نہ ہونے پائے۔

۳۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے الفاظ اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں۔ کہ یزید سے امام حسین رضی اللہ عنہ کو کسی قسم کی تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ بلکہ یزید ان کے آباؤ اجداد

کے مقام و مرتبہ کو دیکھ کر درگزر کرے۔ اور حسن سلوک سے پیش آئے۔

امالی صدوق:۔

عَنْ لمی (ع) قَالَ سَأَلْتُ جَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدِ ابْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ (ع) فَقُلْتُ حَدِّثْنِي عَنْ مَقْتَلِ ابْنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ فَقَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ مُعَاوِيَةَ الْوَفَاةُ دَعَا ابْنَهُ يَزِيْدَ لَعَنَهُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَاَجْلَسَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ لَهُ يَا بُنَيَّ اِنِّيْ قَدْ ذَلَّلْتُ لَكَ الرِّقَابَ الصِّعَابَ وَ وَهَّدْتُ لَكَ الْبِلَادَ وَجَعَلْتُ الْمُلْكَ وَ مَا فِيْهِ لَكَ طُعْمَةً وَ اِنِّيْ اَخْشٰى عَلَيْكَ مِنْ ثَلٰثَةِ نَفَرٍ يُخَالِفُوْنَ عَلَيْكَ بِجُهْدِهِمْ وَ هُمْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ وَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ فَاَمَّا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَهُوَ مَعَكَ فَالْزِمْهُ وَلَا تَدَعْهُ وَ اَمَّا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ فَقَطِّعْهُ اِنْ ظَفِرْتَ بِهٖ اِرْبًا اِرْبًا فَاِنَّهُ يَجْثُوْا لَكَ كَمَا يَجْثُوا الْاَسَدُ لِفَرِيْسَتِهٖ وَيُوَارِبُكَ مُوَارِبَةَ الثَّعْلَبِ لِلْكَلْبِ وَ اَمَّا الْحُسَيْنُ (ع) فَقَدْ عَرَفْتَ حَظَّهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ص)

وَهُوَ مِنْ لَحْمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ دَمِهٖ
وَ قَدْ عَلِمْتَ لَا مَحَالَةَ اَنَّ اَهْلَ الْعِرَاقِ
سَيُخْرِجُوْنَهٗ اِلَيْهِمْ ثُمَّ يَخْذُلُوْنَهٗ
وَ يُضِيْعُوْنَهٗ فَاِنْ ظَفَرْتَ بِهٖ فَاعْرِفْ
حَقَّهٗ وَ مَنْزِلَتَهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ (ص)
وَ لَا تُؤَاخِذْهُ بِفِعْلِهٖ وَ مَعَ ذٰلِكَ
فَاِنَّ لَنَا بِهٖ خِلْطَةً وَ رَحِمًا وَ
اِيَّاكَ اَنْ تَنَالَهٗ بِسُوْءٍ وَ يَرٰى مِنْكَ
مَكْرُوْهًا۔

(۱۔ الامالی والمجالس للشیخ الصدوق
ص ۹۲/ المجلس الثلاثون
مطبوعہ قم)
(۲۔ بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ نمبر ۱۹۰،
باب تاریخ حسین بن علی۔
طبع ایران قدیم)

ترجمہ:۔
لمی روایت کرتا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر رضی اللہ عنہ سے پوچھا مجھے امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کے بارے میں کچھ بتلائیے؟ انہوں نے فرمایا۔ کہ میرے والد نے اپنے والد امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ کہ جب امیر معاویہ کے انتقال کا وقت قریب آگیا۔ تو انہوں نے اپنے بیٹے یزید لعنہ اللہ)

کو اپنے پاس بلوایا۔ اُسے پرائے سے اپنے سامنے بٹھا کر کہا۔ بیٹا! میں نے بڑے بڑے جفادریوں کو تیرے لیے سرنگوں کر دیا۔ اور شہروں کو تیرے ماتحت کر دیا۔ اور ملک کی تمام دولت تیری جھولی میں ڈال دی۔ اس کے باوجود میں تین آدمیوں سے تیرے بارے میں پریشان ہوں۔ وہ پوری طاقت سے تیری مخالفت کریں گے۔ وہ یہ ہیں۔ (۱) عبداللہ بن عمر بن الخطاب (۲) عبداللہ بن الزبیر۔ (۳) حسین بن علی۔ ان میں سے عبداللہ بن عمر تیرے ساتھ ہے۔ اُسے ضرور ساتھ رکھنا۔ عبداللہ بن الزبیر جہاں کہیں واؤ لگے۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔ کیونکہ وہ تجھ پر اس طرح گھات لگا کر حملہ کرے گا۔ جس طرح شیر اپنے شکار پر حملہ کرتا ہے۔ اور لومڑی کی طرح تیرے ساتھ مکروفریب کرے گا۔ جس طرح لومڑی کتے سے فریب کرتی ہے۔ اور حسین بن علی تو تو ان کا تعلق جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اس کو اچھی طرح جانتا ہے۔ وہ حضور کے جسم اور خون کا حصہ ہیں۔ اور میں بخوبی جانتا ہوں۔ کہ عراقی انہیں اپنے ہاں بلانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور پھر انہیں خوب ذلیل کریں گے۔ اور انہیں شہید کر دیں گے۔ تو اگر تجھے ان پر دسترس حاصل ہو جائے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ ان کے مقام ومرتبہ کا ضرور خیال رکھنا۔ ان کے کسی کام پر ان کی گرفت نہ کرنا۔ اس عظمت کے علاوہ ان کی ہمارے ساتھ رشتہ داری اور قرابت بھی تو ہے۔ میں تجھے خبردار کرتا ہوں۔ کہ تجھ سے ان کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ اور نہ ہی وہ تیری طرف سے کسی برائی میں گرفتار ہوں۔

مذکورہ حوالہ سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں امام حسین کی بہت عزت و منزلت تھی۔ اسی لیے فرمایا۔ کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گوشت اور خون کا حصہ ہیں۔

۲۔ عراقی شیعہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو جب اپنے ہاں بلا کر یزید سے مقابلہ کرانا چاہیں تو امیر معاویہ نے فرمایا۔ بیٹا۔ ایسے میں امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کا ضرور خیال رکھنا۔ ان کے کسی فعل پر گرفت نہ کرنا۔

۳۔ امام حسین رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان خونی و نسبی رشتہ بھی تھا اس رشتہ کی وجہ سے بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو بدسلوکی کرنے سے منع کیا۔

حاصل کلام:

اہل تشیع کی دو کتابوں کے حوالہ سے ہم نے جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔ یہی مضمون ان کی بہت سی دیگر کتب میں بھی موجود ہے۔ وصیت کے ان الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ خود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی بہت زیادہ عزت فرمایا کرتے تھے۔ اور اسی کی اپنے بیٹے کو بھی وصیت کی۔ جس سے یہ بھی واضح ہو گیا۔ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو جب ولی عہد مقرر کیا۔ تو اس کی تقرری اس وجہ سے نہ ہوئی۔ کہ اس سے امام حسین رضی اللہ عنہ کو ذلیل کرنا اور ان کی مخالفت کرنا مقصود تھی۔ اس ثبوت کی مضبوطی روایت مذکورہ کے راویان کی وجہ سے اور بڑھ جاتی ہے "امالی صدوق" کی روایت میں حضرات ائمہ اہل بیت راوی ہیں۔ اور اہل بیت کے ان مقتدر اماموں سے کذب بیانی کی توقع فضول و عبث ہے۔ اس لیے میں اہل تشیع کو دعوت دیتا ہوں

کہ روایت مذکورہ کے پڑھنے کے بعد اب تمہارے لیے دو ہی راستے ہیں۔

۱۔ یہ کہو کہ حضرت امام جعفر، امام باقر اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہم نے محض امیر معاویہ کو راضی کرنے کے لیے غلط بیانی اور دروغ گوئی سے کام لیا اگر ایسا ہے تو پھر تمہیں ایسے اماموں سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہیئے۔ پھر مزید یہ کہ "فقہ جعفریہ" ہے ہی ان کی روایات کا نام۔ اگر یہی جھوٹے ہیں تو ساری فقہ جعفریہ جھوٹ کا پلندہ ٹھہری۔

۲۔ یا مان لو۔ کہ حضرات آئمہ کرام نے امیر معاویہ کی وصیّت کو حق و صحیح سمجھ کر نقل کیا۔ اور ہونا بھی یہی چاہیئے۔ کیونکہ تمہاری کتابیں ببانگِ دہل کہہ رہی ہیں۔ کہ اہل بیت کا ہر ایک امام "علم کلی" جانتا ہے تو پھر ان آئمہ سے یہ بات کیونکر چھپی رہ سکتی ہے۔ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنے بیٹے یزید کو وصی بنانا اور پھر اسے وصیت کرنا کہ اہل بیت کی تعظیم و تکریم میں کسر اٹھا نہ رکھنا غلط ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ جو لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام دھرتے ہیں۔ کہ انہوں نے یزید کو وصی اور ولی عہد بنا کر اہل بیت پر ظلم و ستم کے دروازے کھول دیئے۔ بالکل کذب و افتراء ہے۔ حقیقت اس کے الٹ ہے۔ یعنی یہ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بتاکید وصیت فرمائی۔ کہ بیٹا! خبردار۔ امام حسین اور دیگر اہل بیت کی تعظیم و تکریم میں کمی نہ آنے پائے۔ ان کی باتوں سے درگزر کرنا۔ اور ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت تمہارے لیے واجب الاحترام ہے۔ انہیں ستانے کی قطعاً کوشش نہ کرنا۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

تردید امر سوم

امیر معاویہ قتل حسین سے لاتعلق ہیں

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگانا بھی قطعاً بے بنیاد ہے۔ کہ آپ اگر یزید کو ولی عہد اور وصی مقرر نہ کرتے تو واقعہ کربلا وقوع پذیر نہ ہوتا۔ کیونکہ قرآن و حدیث اس کی واضح تردید کر رہے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔ اِذَا جَاءَ اَجَلُهَا لَا يَسْتَاخِرُوْنَ سَاعَةً الخ جب لوگوں کی موت کا وقت آجاتا ہے۔ تو ایک لمحہ کے لیے آگے پیچھے نہیں ہو سکتے۔

خود اہل تشیع کی کتب لکھتی ہیں۔ کہ جب امام حسین کی شہادت کا وقت قریب آگیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کے لیے آسمانوں سے فرشتے بھیجے۔ لیکن فرشتوں کے آنے سے قبل ہی امام جامِ شہادت نوش فرما چکے تھے۔ مقصد یہ ہے۔ کہ تقدیر کا بہر حال وقت مقرر ہے۔ ہزاروں لاکھوں تدابیر و اسباب دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

واقعہ کربلا کے بارے میں ہر شخص جانتا ہے۔ کہ کوفیوں نے ایک دو نہیں تقریباً اٹھارہ ہزار لگاتار خطوط لکھے۔ آپ ایک آدھ خط ملنے پر ہی کوفہ جانے کو تیار نہیں ہو گئے تھے۔ بلکہ خطوط کا انبار لگنے پر اس بارے میں غور و فکر کیا۔ کہ یہ خطوط وفاداری کی علامت ہیں یا غداری کی۔ پھر مزید تحقیق کے لیے اپنے بھائی حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجا۔ ان کی آمد پر اٹھارہ ہزار کے لگ بھگ کوفی آپ کی بیعت میں آگئے۔ حالات کا جائزہ لے کر جناب مسلم بن عقیل نے امام موصوف کو خط لکھا۔ کہ اہل کوفہ قابل اعتماد لوگ ہیں۔ آپ تشریف لے آئیں۔

اس کے بعد جب اہل مدینہ کو علم ہوا۔ کہ امام موصوف کوفہ جانے کی تیاری میں ہیں۔ تو عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن الزبیر، عبداللہ بن عباس اور محمد بن الحنفیہ ایسے صاحبانِ فراست نے بہت سمجھایا۔ کہ کوفی بے وفا ہیں انہوں نے آپ کے والد سے بھی غداری کی
۔ آپ وہاں جانے کا ارادہ ترک کر دیں۔ لیکن آپ نے اپنے اجتہاد پر عمل پیرا ہو کر ان کی بات نہ مانی۔ کوفہ روانہ ہو گئے۔ اور اہل و عیال کو بھی اسی اعتماد پر ساتھ لے لیا۔

امام حسین رضی اللہ عنہ نے کوفیوں پر اجتہادی طور پر اعتماد کر لیا۔ لیکن وہ انتہائی درجہ کے بے وفا نکلے۔ ان کی بے وفائی سے امام کے اجتہاد پر اعتراض تو نہیں کرنا چاہیئے بعینہٖ اسی طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اجتہاد فرمایا۔ کہ میرے بعد میرا بیٹا خلیفہ بن کر میری وصیت پر عمل کرے گا۔ اور اہل بیت کی تعظیم و تکریم کا شیوہ اپنائے گا۔ لیکن یزید نے ایسا نہ کیا۔ تو اس سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد پر اعتراض کیوں؟

امیر معاویہ کے یزید کو ولی عہد بنانے کی حقیقت حال

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کی ولی عہدی اور تفویض خلافت کا معاملہ ایک باپ ہونے کی حیثیت سے ہرگز نہ تھا۔ نہ ہی اس میں خاندانی اقتدار انتقال کی کوئی وجہ مخفی تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں مسلمانوں کے مابین دو خوفناک جنگیں دیکھی تھیں۔ ایک جنگ جمل اور دوسری جنگ صفین۔ ان دونوں لڑائیوں میں اسی نوے ہزار کے لگ بھگ مسلمان شہید ہو گئے۔ ان حالات میں امیر معاویہ کیسے

سوچ سکتے تھے۔ کہ میرے جانے کے بعد پھر وہی حالات پیدا ہو جائیں۔ کہ مسلمان باہم دست و گریبان ہوں۔ آپ نے اس مسئلہ پر غور و خوض کے لیے اہل حل وعقد کو بلایا۔ ان سے مشورہ لیا۔ کہ آئندہ باہمی قتل و غارت، اختلاف و انتشار کے انسداد کے لیے کیا کرنا چاہیئے۔ تو کثرتِ رائے سے یہ طے پایا۔ کہ چونکہ بنی امیہ کا اس وقت پورے ملک پر تسلط ہے۔ اصلی قوت اور طاقت کا مرکز ہیں۔ اور حقیقت یہ تھی۔ کہ یہ لوگ یزید کے سوا کسی دوسرے کے خلیفہ اور ولی عہد بننے پر ہرگز رضامند نہ تھے۔ اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس وقت یزید سے بڑھ کر صاحبانِ فراست و سیاست موجود تھے۔ لیکن لوگوں کی سوچ تھی جس پر لگام ڈالی نہیں جا سکتی تھی۔ لیکن ان اچھے لوگوں کو نظر انداز صرف اسی بنا پر کیا گیا۔ کہ ان کے خلیفہ بننے سے انتشار و افتراق پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔ تو کثرت رائے سے یزید کو ہی خلیفہ بنانے کا فیصلہ ہوا۔ لیکن اس کے باوجود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو انتہائی سخت وصیت لکھی۔ کہ اہل بیت کا ہر طرح خیال رکھنا۔ جیسا کہ گزشتہ حوالہ جات میں ہم ذکر کر چکے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کثرتِ رائے سے فیصلہ کے بعد اللہ کی بارگاہ میں اس تعلق کے لیے دعا مانگی۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔

البدایۃ والنہایۃ:۔

رَوَيْنَا عَنْ مُعَاوِيَةَ اَنَّهٗ قَالَ يَوْمًا فِيْ خُطْبَتِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّيْ وَلَّيْتُهٗ لِاَنَّهٗ فِيْمَا اَرَاهُ اَهْلُ لِذٰلِكَ فَاَتْمِمْ لَهٗ مَا وَلَّيْتُهٗ وَاِنْ كُنْتُ وَلَّيْتُهٗ لِاَنِّيْ اُحِبُّهٗ فَلَا تُتَمِّمْ لَهٗ مَا

وَلِيَّتَهُ۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد نمبر ۸ صفحہ نمبر ۸۰۔
ثم دخلت سنۃ ست وخمسین
مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:۔
امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ آپ نے ایک دن دوران خطبہ یہ دعا مانگی "اے اللہ! تو جانتا ہے۔ کہ میں نے اس کو اس کی اہلیت کی بنا پر ولی عہد اور خلیفہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ تو میری اس تمنا کو پورا فرما دے۔ اور اگر میں نے اسے اس لیے ولی عہد بنایا۔ کہ مجھے اس سے پیار و محبت تھی تو اے اللہ! اس کو ولی عہدی میں ناکام بنا دے۔ اور اس کی تکمیل نہ فرما۔

نبراس:۔

وَاِنَّمَا نَصَبَهٗ مُعَاوِيَةُ ظَنًّا بِصَلَاحِهٖ كَمَا رُوِیَ عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ يَزِيْدُ عَلٰى مَا اَظُنُّهٗ وَاِلَّا فَعَجِّلْ مَوْتَهٗ وَقَدْ اُسْتُجِيْبَ دُعَاءُهٗ فَلَمْ يَطُلْ مُلْكُهٗ۔

(نبراس شرح، شرح العقائد ص ۱ ۵۴
مطبوعہ ملک دین محمد لاہور)

ترجمہ:
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اس کی اہلیت و استعداد کے پیش نظر خلیفہ بنایا

جیسا کہ خود ان سے مروی ہے۔ دعا کی اے اللہ! اگر یزید ویسا ہی ہے۔ جیسا اس کے بارے میں میرا گمان ہے۔ تو بہت بہتر۔ اور اگر ویسا نہیں۔ تو اس کو جلدی موت دے دے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور حضرت امیر معاویہ کی دعا مقبول ہوئی۔ اس یزید کو زیادہ دیر خلافت کرنا نصیب نہ ہوا۔

لمحۂ فکریہ:-

قارئین کرام! اور حق و صداقت کے متلاشی اہل تشیع! یزید کے ولی عہد بنانے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مورد الزام ٹھہرایا گیا۔ ہم نے اس الزام کی کتب شیعہ سے تردید پیش کر دی۔ اور اس پر مزید یہ کہ حضرات آئمہ اہل بیت کی روایت کے مطابق ان وصایا کا بھی ذکر کر دیا گیا۔ جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بوقت انتقال یزید کو کی تھیں۔ ان تمام حوالہ جات اور شہادتوں کے مطالعہ کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر وارد کیے گئے طعن کی تردید ثابت ہو چکی تھی۔ لیکن پھر اس کے بعد اہل سنت کی مشہور و متداول کتاب ”نبراس“ سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بر سرِ عام اس دعا کا ہم نے تذکرہ بھی کر دیا۔ جو آئمہ اہل بیت کی روایات کی پوری پوری تائید کرتی ہے۔

ان تمام باتوں سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی ولی عہدی اس ارادہ سے ہرگز نہ کی تھی۔ کہ اس کے ذریعہ اہل بیت کے ساتھ جنگ و جدل کی نوبت آئے گی۔ بلکہ کھلے دل اور صاف الفاظ میں آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ یا اللہ! اگر میں نے یزید کو محض قرابت اور شفقتِ پدری کی بنا پر خلافت دینے کا ارادہ کیا۔ تو ہرگز ہرگز اس کو پورا نہ ہونے دے۔ اور اگر مفادِ عامہ اور امت کی بھلائی کے پیش نظر ایسا کیا۔ تو اس کو کامیاب و کامران بنا۔ امیر معاویہ کی خلوص نیت کا یہ عالم تھا۔ کہ ان کے عزائم پر پورا نہ اترنے کی صورت میں اس کے لیے موت تک کی دعا کر ڈالی۔ صاحبِ نبراس کے

مطابق چونکہ یزید کا وطیرہ اُس کے بالکل الٹ تھا۔ جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے وابستہ سمجھ رکھا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔ اور یزید بہت جلد اس دنیا سے اٹھ گیا۔ اور تا دیر خلافت قائم نہ رہ سکی۔

ان تمام دلائل و شواہد کی صورت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن اُن الزامات و اعتراضات سے بالکل پاک ہے۔ جو معترض ان پر لگاتا ہے۔ کیونکہ ان کی برأت آئمہ اہل بیت کی روایات بھی کر رہی ہیں۔ اور خود ان کی وصیت اور دعا بھی اس کی شاہد ہے۔ لہٰذا مذکورہ طعن جھوٹ اور فریب کا ایک پلندہ ہے۔ اور دھوکہ دہی کی ایک نہایت گھناؤنی کوشش ہے۔ جسے ہر ذی عقل سلیم جان سکتا ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

طعن نمبر (۷)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صحابیِ رسول جناب حجر بن عدی کو بلا وجہ قتل کیا۔

اس طعن اور اس کے جواب کے لیے بہت عرصہ مجھے پس و پیش رہا۔ کیونکہ مطاعن پر میں بہت کچھ لکھ چکا تھا۔ لیکن برخوردار مولوی طیب اور ناصر صاحبان کا اصرار تھا۔ کہ اس طعن کا بھی کچھ تذکرہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اہل تشیع اس کا اپنی مجالس میں بہت زیادہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے بھی جب اس کے بارے میں متداول تاریخی کتب کا مطالعہ کیا۔ تو پھر فیصلہ کر لیا۔ کہ واقعی اس طعن پر تفصیلی طور پر لکھنا چاہیئے۔ کیونکہ کئی ایک حقائق اس کے پس پردہ نظر آئے۔ جن سے عدم واقفیت کی بنا پر صرف کتب شیعہ کو دیکھنے والا بہت سے خیالات و توہمات باطلہ کا شکار ہو سکتا ہے۔ ہمارا طریقہ کار یہ ہو گا۔ کہ اول اس طعن کی وہ عبارات پیش کی جائیں گی۔ جو شیعہ علماء نے تحریر کی ہیں۔ ان کے بعینہٖ نقل کرنے کے بعد وضاحت و تفصیل کے ساتھ اس پر اٹھائے گئے اعتراضات کے جوابات دیئے جائیں گے۔

یہ طعن ذرا تفصیل کے ساتھ سید محمد ذوالقرنین زیدی شیعی نے اپنی تالیف "حضرت امیر معاویہ تاریخ کے آئینہ میں،، میں ذکر کیا۔ اسی کی تائید "چودہ ستارے" میں نجم الحسن شیعی نے کی۔ اور خان بہادر نواب احمد حسین نے بھی "تاریخ احمدی" میں اس کو نقل کیا۔ ذوالقرنین کی کتاب میں چونکہ اس بارہ میں تفصیل بھی ہے۔اور یہ اہل تشیع کی مایہ ناز کتاب بھی۔ اس لیے اس کی من وعن عبارت نقل کی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

حضرت امیر معاویہ تاریخ کے آئینہ میں

مؤرخین کہتے ہیں۔ کہ امیر معاویہ نے جب مغیرہ بن شعبہ کو عامل کوفہ مقرر کیا۔ انہوں نے مغیرہ کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔ اما بعد۔ صاحب علم روز مصیبت سے پہلے ہی خبردار اور ہوشیار ہو جایا کرتا ہے۔ اور صاحب حکمت بغیر تعلیم کے تمہارے لیے کافی ہو سکتا ہے۔ میں تم کو کئی باتوں کے متعلق نصیحت کرنا چاہتا ہوں مگر ان کو اس خیال سے ترک کرتا ہوں کہ مجھے تمہاری دوربینی پر اعتماد ہے۔ مگر میں تمہیں ایک بات کے متعلق ضرور نصیحت کروں گا۔ اور وہ یہ کہ علی کرم اللہ وجہہ پر سب و شتم کرنا اور ان کی مذمت کرنا، حضرت عثمان کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کرنا۔ اور علی کرم اللہ وجہہ کے اصحاب کی عیب جوئی کرنا۔ ان ہدایات کے زیر اثر حضرت علی کو نماز کے بعد گالیاں دی جاتی تھیں۔ نیک دل مسلمانوں کو یہ سب و شتم برا لگتا۔ اور وہ انہیں ٹوکتے ان ٹوکنے والوں میں حضرت حجر بن عدی پیش پیش تھے۔ مغیرہ کے بعد زیاد حاکم کوفہ بن کر آیا۔ یہ احسان فراموش حضرت علی پر سب و شتم کرتا اور آپ کی شان میں نازیبا کلمات بکتا۔ اور امیر برلعن طعن کے لیے لوگوں کو ابھارتا۔ جب زیاد خطبہ میں حضرت علی کو گالیاں دیتا

تو حضرت حجر اٹھ کر اسی کا جواب دینے لگتے۔ اس گستاخی اور تلخی کے ساتھ اور واقعات بھی رونما ہوئے۔ جس کی وجہ سے زیاد آپ کا جانی دشمن بن گیا۔ وہ حضرت حجر کو بار بار قتل کی دھمکیاں دیتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ کہ میں کوفہ کی زمین کو حجر سے پاک نہ کردوں اور اُسے آنے والوں کے لیے سامان عبرت نہ بنا دوں تو میرا نام بھی زیاد نہیں۔ اس کشیدگی اور تلخی کے ساتھ اور واقعات بھی رونما ہوئے ایک واقعہ یہ تھا۔ کہ ایک عرب مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا۔ زیاد نے ذمی کے خون کا قصاص مسلم عرب سے مناسب نہ سمجھا۔ اور خون بہا ادا کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ ذمی کے وارثوں نے خون بہا لینے سے انکار کر دیا۔ اور کہا ہمیں یہ بتایا جاتا ہے۔ کہ اسلام لوگوں میں مساوات کا قائل ہے۔ عرب کی غیر عرب پر کوئی برتری تسلیم نہیں کرتا۔ حجر اس فیصلے سے ناراض ہوئے۔ اور اس کے نفاذ پر خاموش رہنے سے انکار کر دیا۔ لوگوں نے بھی حجر کا ساتھ دیا۔ زیاد کو خطرہ پیدا ہوا۔ کہ فیصلہ نافذ کرنے سے فتنہ پیدا ہو گا۔ تب اس نے قصاص کا حکم دیا اور امیر معاویہ کو حجر اور ان کے ساتھیوں کے طرز عمل کی شکایت کی۔ امیر معاویہ نے جواب دیا کہ موقعہ کے منتظر رہو۔ اور پہلی فرصت میں اس کا کام تمام کر دو۔ پھر ایک دن زیاد نے جمعہ کے خطبے کو اتنا طویل کیا۔ کہ نماز قضا ہونے لگی۔ تو حجر نے اُسے ٹوکا۔ اب تو زیاد کو جلال آگیا۔ اور اس نے حجر بن عدی کو مزہ چکھانے کا عہد کر لیا۔ حجر کو مع اس کے ساتھیوں کے گرفتاری کا حکم دے دیا۔ اس کے بعد زیاد نے کوفہ والوں کی ایک جماعت سے حجر اور اس کے ساتھیوں کے خلاف شہادتیں اس فرد جرم پر لیں۔ کہ انھوں نے ایک جتھا بنا لیا ہے۔ خلیفہ کو اعلانیہ گالیاں دیتے ہیں۔ امیر المؤمنین کے خلاف لڑنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہے۔ کہ خلافت آل

ابی طالب کے سوا کسی کے لیے درست نہیں۔ انہوں نے شہر میں فساد بپا کیا۔ اور امیر المومنین کے عامل کو نکال باہر کیا۔ ابو تراب کی حمایت کرتے ہیں ان پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اور ان کے مخالفین سے اظہار برائت کرتے ہیں۔ زیاد نے اس بیان پر لوگوں سے دستخط لیے، زیاد نے گواہوں میں ان حضرات کا نام بھی درج کر دیا۔ جو کہ حاضر نہ تھے۔ اور جنہوں نے نہ ہی دستخط کیے تھے۔ ان حضرات میں ایک قاضی شریح بھی تھے۔ جب ان کو اس مکروفریب کا علم ہوا کہ ان کی مرضی کے بغیر ایسے محضر نامے پر ان کے جعلی دستخط کر دیئے گئے ہیں۔ تو معاویہ کو انہوں نے ایک خط تحریر کیا۔ جس میں حضرت حجر کے بارے میں یہ شہادت دی کہ میری اصل شہادت حضرت حجر کے بارے میں یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں۔ جو نماز قائم کرتے ہیں۔ زکوۃ دیتے ہیں اور دائما حج و عمرہ کرتے رہتے ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ اور بدی سے روکتے ہیں۔ ان کا خون اور مال حرام ہے۔ آپ چاہیں تو انہیں قتل کر دیں۔ ورنہ معاف کر دیں۔ امیر معاویہ نے زیاد کو لکھا۔ کہ حجر اور ان کے ساتھیوں کو زنجیروں میں جکڑ کر میرے پاس بھیج دو۔ حجر جب امیر معاویہ کے سامنے لائے گئے۔ تو معاویہ نے کہا۔ کہ واللہ تجھ سے درگزر کروں گا۔ نہ درگزر ہونے دوں گا۔ لے جاؤ اسے یہاں سے اور اس کی گردن مار دو۔ حجر اور ان کے ساتھیوں نے تمام رات نماز پڑھنے میں گزار دی۔ صبح ہوئی اور ان کو قتل کرنے کے لیے نکالا گیا۔ تو حجر نے کہا مجھے ذرا وضو کر کے نماز پڑھنے دو۔ چنانچہ ان کو نماز پڑھنے کی اجازت مل گئی۔ نماز پڑھ کر فرمانے لگے۔ خدا کی قسم میں نے کبھی آج سے زیادہ ہلکی نماز نہیں پڑھی۔ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ وہ لوگ خیال کریں گے۔ کہ میں موت سے ڈر گیا ہوں۔ تو میں اور زیادہ نماز پڑھتا۔ اور

پھر کہا کہ اے خدا ہم اپنی قوم کے خلاف تجھ سے مدد طلب کرتے ہیں۔ قتل سے قبل جلاد نے آپ کے سامنے یہ شرط پیش کی۔ کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ کہ اگر تم علی سے تبرا کا اظہار کرو اور ان پر لعنت بھیجو۔ تو تمہیں چھوڑ دیا جائے ورنہ قتل کر دیا جائے۔ ان حضرات نے یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا۔ حضرت حجر نے کہا۔ میں زبان سے وہ بات نہیں نکال سکتا۔ جو خدا کو ناراض کرے۔ پھر حضرت حجر اور ان کے ساتھی مرج عذرا کے مقام پر محبوس کر دیئے گئے۔ تو وہاں یزید بن حجیۃ کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ انہیں قتل کی سزا ملنے والی ہے۔ اس پر حضرت حجر نے یزید سے کہا۔ کہ وہ امیر معاویہ سے جا کر کہیں کہ ہم اپنی بیعت پر قائم ہیں۔ ہمارے خلاف گواہی عداوت اور اتہام پر مبنی ہے مگر امیر معاویہ نے اس کے جواب میں کہا۔ زیاد ہمارے نزدیک حجر سے زیادہ سچا ہے

(۱۔ امیر معاویہ تاریخ کے آئینہ میں ص۳۲ حصہ دوم تصنیف سید ذوالقرنین زیدی شیعی)

(۲۔ چودہ ستارے مصنفہ نجم الحسن کراروی ص ۲۰۸)

(۳۔ تاریخ احمدی مؤلفہ احمد حسین ۲۱۶ مطبوعہ لاہور)

درج بالا عبارت سے چھ امور یا طعن ثابت ہوئے۔ جن کی تفصیل یہ ہے

١۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب کوفہ کی گورنری مغیرہ بن شعبہ کے سپرد کی۔ تو اس شرط پر کہ تم نے حضرت علی المرتضےٰ کو سب وشتم اور حضرت عثمان کے لیے دعائے مغفرت کو نہیں چھوڑنا ہوگا۔

٢۔ مغیرہ بن شعبہ اور ان کے بعد زیاد جب حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کرتے تو حجر بن عدی ان کو ٹوکتے تھے۔ اور ان کا جواب دیتے تھے۔

٣۔ حجر بن عدی کے اس طرز اور مخالفت کی وجہ سے یزید نے ان کے خلاف غلط گواہیاں تیار کیں۔ جس کا ثبوت قاضی شریح کا وہ خط ہے۔ کہ جس میں انہوں نے امیر معاویہ کو اپنی شہادت کے غلط طور پر قلمبند ہونے کا ذکر کیا تھا۔

٤۔ حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنے سے پہلے یہ پیغام پہنچایا گیا۔ کہ اگر اب بھی تم حضرت علی المرتضےٰ پر لعن طعن کرنے کا عہد کرلو۔ تو تمہاری جان بخشی ہو سکتی ہے لیکن انہوں نے یہ پیش کش بھی ٹھکرا دی۔

٥۔ قتل سے کچھ دیر پہلے حجر بن عدی نے کہا۔ کہ میری طرف سے امیر معاویہ کو یہ پیغام پہنچا دو۔ کہ میں اُسی پہلی بیعت پر قائم ہوں۔ اور یہ کہ میرے خلاف جو شہادتیں تم تک پہنچائی گئیں۔ وہ غلط ہیں۔ اس پیغام کے جواب میں امیر معاویہ نے کہا۔ کہ حجر کی بہ نسبت زیاد میرے نزدیک زیادہ سچا ہے

۶۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسے ایسے ظالم لوگ اپنے عامل و گورنر مقرر کیے۔ جو حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کے قتل کا ذریعہ بنے۔

نوٹ

جیسا کہ شروع میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ اوپر کی عبارت ذوالقرنین شیعی کی کتاب سے نقل کی گئی ہے۔ اور ذوالقرنین نے اس عبارت میں ابن اثیر، ابن خلدون البدایہ والنہایہ اور تاریخ طبری سے استفادہ کیا ہے۔ اس عبارت میں بنیادی بات یہی تھی۔ کہ جناب حجر بن عدی یہ سننا گوارہ نہ کرتے تھے۔ کہ کوئی شخص علی الاعلان حضرت علی المرتضیٰ کو بُرا بھلا کہے۔ لیکن بعض شیعہ ذاکرین وواعظین اس طعن کو یوں بھی رنگ دیتے ہیں۔ کہ مغیرہ بن شعبہ اور زیاد نے حجر بن عدی کو مجبور کیا۔ کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ پر لعن طعن کریں۔ جب انہوں نے اس جبر کا مقابلہ کرتے ہوئے انکار کر دیا۔ تو ان کی گرفتاری عمل میں آئی۔ اور بعد میں انہیں قتل کر دیا گیا۔ مختصر یہ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کے قتل کا الزام لگتا ہے۔ آخر حجر بن عدی صحابی رسول تھے۔ اور اُن کے قتل کا سبب بھی کوئی سببِ قتل نہ تھا۔ یہ ناحق خون امیر معاویہ کی گردن پر ہے۔ لہٰذا وہ ظالم ہوئے۔ اور مسلمانوں کے خلیفہ بننے کے مستحق نہ ہوئے۔

جواب

یہ اعتراض اور اس قسم کے دیگر اعتراضات کے بارے میں ہم اہلسنت کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ حضرات صحابہ کرام کے مابین ہونے والے تنازعہ جات، اور اختلافات کے بارے میں ہمیں غور و خوض کر کے کسی کو سچا اور دوسرے

کو جھوٹا کہنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ان کا تعلق تقدیر کے ساتھ ہے جس میں تفصیلی بحث ہے۔ اس مقام پر .... حضرت حجر بن عدی اور ان کے رفقاء کے واقعہ کو اہل تشیع ایسا رنگ دیتے ہیں۔ کہ جس سے حضرات صحابہ کرام کی شخصیات پر دھبہ لگ جاتا ہے۔ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت ظلماً ہوئی۔ اس پر تمام امت مسلمہ کا اتفاق ہے۔ اور یہ کہ عثمان غنی کے قاتلین پر حضرات صحابہ کرام بھی لعن طعن کرتے رہے۔ ان میں حضرت علی المرتضےٰ بھی ہیں۔ حضرت عثمان غنی کی شہادت کے بعد صحابہ کرام میں اختلاف ہوا۔ جس کی تفصیل جنگ جمل اور جنگ صفین کی بحث میں تحفہ جعفریہ کے حصہ سوم اور چہارم میں ہم کر چکے ہیں۔ مختصر یہ کہ شہادت عثمان سے قبل حضرت علی نے حسن و حسین کو، حضرت طلحہ و زبیر نے اپنے اپنے صاحبزادوں کو جناب عثمان کی حفاظت کی خاطر ان کے دروازے پر پہرہ دینے کے لیے مقرر کیا تھا۔ ان محافظوں کے ساتھ باغیوں کی جھڑپیں بھی ہوئیں۔ اور ان پہرہ داروں کو زخم بھی آئے۔ جب شہادت عثمان ہو چکی۔ تو ان حضرات سے ان کے والدوں نے باز پرس بھی کی۔ انہوں نے اپنی صفائی اس طرح بیان کی۔ کہ ہم تو دروازے پر متعین تھے۔ لیکن باغی تو مکان کے پچھلے حصہ سے دیوار پھاند کر اندر داخل ہو گئے۔ اس پر انہیں معذور سمجھا گیا تاریخی گواہی تو یہاں تک ملتی ہے۔ کہ حضرت عثمان کی خبر شہادت سُن کر طلحہ، زبیر اور علی المرتضےٰ ہوش باختہ ہو گئے تھے۔ اور رو رو کر یہ کہتے تھے۔ کہ ہمیں معلوم نہ تھا۔ کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔ پھر کیا ہوا۔ جب دار الخلافہ، خلیفہ سے خالی ہو گیا۔ اور پورے مدینہ میں باغی جمع ہو گئے۔ اور انہیں کوئی پوچھنے والا نہ تھا ایسے میں تمام موجود لوگوں کی نظریں حضرت علی المرتضےٰ کی طرف تھیں۔ عظمت شان اور قرابت رسول کی وجہ سے آپ محترم تھے۔ خلافت کے لیے آپ کا

انتخاب عمل میں آیا۔ اعلان خلافت کے بعد باقی سب آپ کی بیعت میں داخل ہو گئے۔ آپ نے سردست معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر قاتلان عثمان سے قصاص لینے میں تامل کیا۔ تاکہ قدم مضبوط ہو جائیں۔ اور پھر ان سے دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ حضرت علی سے صحابہ کرام نے قاتلان عثمان کے قصاص کا مطالبہ کر دیا۔ یہ لوگ اس واقعہ سے اس قدر دکھی تھے۔ کہ جہاں کہیں دو چار آدمی جمع ہوتے۔ وہاں شہادت عثمان زیر بحث آتی۔ سسکیاں بھر کر لوگ روتے تھے۔ کیونکہ لوگوں کو یہ یاد تھا۔ کہ حضرت عثمان کو جب باغی شہید کرنے لگے۔ تو ان کی بیوی نائلہ ان پر گر پڑیں۔ لیکن باغیوں نے ان کی بھی انگلیاں کاٹ دی تھیں۔ آپ کی قمیص جب آپ کے چچازاد بھائی امیر معاویہ کو پہنچائی گئی۔ تو اس میں نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں بھی تھیں۔ اس قمیص کو بمعہ ان کٹی ہوئی انگلیوں کے دمشق کی جامع مسجد کے دروازے پر لٹکایا گیا۔ یہ دیکھ کر لوگ زار و قطار روتے اور قاتلوں پر لعنت بھیجتے۔ ادھر حضرت علی المرتضیٰ نے جب امیر معاویہ کو معزول کرنے اور ان سے بیعت لینے کے لیے ایک قاصد روانہ کیا۔ تو امیر معاویہ نے اس قاصد کے ہاتھ جواباً ایک لفافہ بطرف علی المرتضیٰ بھیجا۔ جب حضرت علی نے یہ لفافہ کھولا۔ تو اس کو خالی پا کر امیر معاویہ کی نیت جان گئے۔ قاصد سے شام کے حالات دریافت فرمائے۔ اس پر قاصد نے جو کچھ کہا۔ صاحب تاریخ طبری نے اسے یوں لکھا ہے۔

شہادت عثمان غنی پر اہل شام کے غم و غصہ کا عالم

تاریخ طبری

قَالَ وَرَائِی تَرَکْتُ قَوْمًا لَا یَرْضُوْنَ اِلَّا بِالْقَوْدِ قَالَ مِمَّنْ قَالَ مِنْ عِنْدِ نَفْسِکَ وَتَرَکْتُ سِتِّیْنَ اَلْفَ شَیْخٍ یَبْکِیْ تَحْتَ قَمِیْصِ عُثْمَانَ وَهُوَ مَنْصُوْبٌ لَهُمْ قَدْ اَلْبَسُوْهُ مِنْبَرَ دِمَشْقٍ فَقَالَ مِنِّیْ یَطْلُبُوْنَ دَمَ عُثْمَانَ اَلَسْتُ مَوْتُوْرًا کَتِرَةِ عُثْمَانَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُبَرَّاءُ اِلَیْکَ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ۔

(تاریخ طبری جلد پنجم ص ۱۶۳۔ کامل ابن اثیر جلد سوم ص ۲۰۳)

ترجمہ:

قاصد کہنے لگا۔ میں ان لوگوں کو اس حال میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ کہ وہ حضرت عثمان کے قاتلوں سے قصاص کے علاوہ کسی بات پر راضی نہ ہوں گے۔ پوچھا۔ وہ کس سے قصاص لینا چاہتے ہیں۔ کہا۔ آپ سے۔ اور میں نے ساٹھ ہزار کے لگ بھگ بزرگ لوگوں کو حضرت عثمان کی قمیص کے نیچے روتا دیکھا ہے۔ وہ قمیص دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر لٹکائی ہوئی تھی۔ حضرت علی نے پوچھا۔ کیا وہ مجھ سے خونِ عثمان کا مطالبہ کرتے ہیں۔ کیا میں ان کی شہادت پر غم زدہ نہ ہوا۔ کیا مجھے ان کی شہادت کا دکھ نہ ہوا تھا؟ اے اللہ!

میں خونِ عثمان سے تیری بارگاہ میں برائت کرتا ہوں۔

چونکہ حضرت عثمان کے قاتل بھی حضرت علی المرتضٰی کی بیعت کر چکے تھے۔ اس لیے لوگ حضرت علی کو بھی شہادت عثمان میں ملوّث کرتے تھے لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ قتل عثمان میں کسی طور بھی شریک نہ تھے۔ بلکہ آپ تو قاتلوں پر لعنت بھیجا کرتے تھے۔ اس کی تفصیل تحفہ جعفریہ جلد چہارم میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ جس طرح امیر معاویہ اور ان کے رفقاء حضرت عثمان غنی کے قاتلوں پر برسرِ منبر لعنت کیا کرتے تھے۔ اِسی طرح حضرت علی المرتضٰی بھی ان کے لیے ہلاکت کی دعا اور ان سے بیزاری کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

مروج الذہب

ثُمَّ نَادٰی عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ طَلْحَةَ حِیْنَ رَجَعَ الزُّبَیْرُ یَا اَبَا مُحَمَّدٍ مَا الَّذِیْ اَخْرَجَكَ قَالَ الطَّلَبُ بِدَمِ عُثْمَانَ قَالَ عَلِیٌّ قَاتَلَ اللّٰہُ اَوْلَانَا بِدَمِ عُثْمَانَ۔

(مروج الذہب جلد دوم
ص ۳۶۴ ذکر خطبۃ علی
قبل الاستحکام)

ترجمہ:

جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جنگ سے مُنہ پھیر لیا۔ تو حضرت علی المرتضٰی نے حضرت طلحہ کو کہا۔ اے ابا محمد! تجھے کس

بات نے لڑائی کے لیے نکلنے پر آمادہ کیا؟ جناب طلحہ بولے۔ حضرت عثمان کے خون کے بدلہ نے۔ علی المرتضیٰ کہنے لگے۔ اللہ سمجھے! عثمان کے خون کا مطالبہ کرنے میں ہم زیادہ حق دار ہیں۔

امالی طوسی

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عَلِی بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ اِنْ شَاءَ النَّاسُ قُمْتُ لَهُمْ مَقَامَ اِبْرَاهِیْمَ فَحَلَفْتُ لَهُمْ بِاللّٰهِ مَا قَتَلْتُ عُثْمَانَ وَلَا اَمَرْتُ بِقَتْلِهٖ وَلَقَدْ نَهَیْتُهُمْ فَعَصَوْنِیْ۔

(امالی شیخ طوسی جلد اول ص ۲۷۵ الجزء ۱۰)

ترجمہ:

حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ سے جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت علی نے فرمایا۔ اگر لوگوں کی خواہش ہو۔ تو میں مقام ابراہیم پر کھڑا ہو کر خدا کی قسم اٹھا کر ان کو یقین دلا سکتا ہوں۔ کہ قتل عثمان کا نہ تو میں نے حکم دیا۔ اور نہ ہی خود یہ کام کیا۔ میں تو قاتلوں کو منع کرتا رہا۔ لیکن انہوں نے نہ مانا۔

نہج البلاغۃ

وَکَانَ بَدْءُ اَمْرِنَا اَلْتَقَیْنَا وَالْقَوْمُ مِنْ اَهْلِ الشَّامِ وَالظَّاهِرُ اَنَّ رَبَّنَا وَاحِدٌ۔ وَ نَبِیَّنَا

وَاحِدٌ وَدَعْوَتُنَا فِی الْاِسْلَامِ وَاحِدَةٌ وَلَا نَسْتَزِیْدُهُمْ فِی الْاِیْمَانِ بِاللّٰهِ وَالتَّصْدِیْقِ بِرَسُوْلِهٖ وَلَا یَسْتَزِیْدُوْنَنَا اَلْاَمْرُ وَاحِدٌ اِلَّا مَا اخْتَلَفْنَا فِیْهِ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ وَنَحْنُ مِنْهُ بُرَاءٌ۔

(نہج البلاغۃ ص ۸۴۴ مکتوب ۵۸ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:

جنگ صفین کے معاملات کے بارے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بہت سے شہروں کے معززین کو یہ تحریر لکھی ۔ ہم اور شامی لوگ جو آپس میں لڑ پڑے۔ اس کی کیا وجہ تھی۔ حالانکہ ان کا اور ہمارا رب ایک ہی ہے۔ نبی بھی ایک اور دعوتِ اسلام بھی ایک ہے۔ ہم اللہ پر ایمان اور اس کے رسول کی تصدیق کے بارے میں ان سے زیادتی کے طلبگار نہیں۔ اور نہ ہی ان باتوں میں وہ ہم سے زیادہ اچھے ہونے کے خواہش مند ہیں۔ ہاں حضرت عثمان کا خون تھا جو ہمارے مابین وجہ اختلاف بنا۔ حالانکہ ہم اس سے بری الذمہ ہیں۔

غلط فہمیوں کی بناء پر قتل عثمان غنی کے بعد ایک دوسرے پر طعن شروع ہو گیا تھا

مختصر یہ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کسی طور پر قتل عثمان میں شریک نہ تھے۔ یہ یاد رہے۔ کہ کچھ شیعانِ علی (رافضی) خواہ مخواہ حضرت علی کو شہادت عثمان

میں ملوث کرتے ہیں۔ یہ ان کی کھلی منافقت ہے۔ ہم نے یہ تفصیل اس لیے پیش کی۔ تاکہ یہ بات واضح ہو جائے۔ کہ شہادت عثمان کے بعد حضرات صحابہ کرام دو گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک حضرت علی المرتضیٰ کے طرفدار اور دوسرے قصاصِ دمِ عثمان کے طالب ہونے کی وجہ سے ان کے مخالف تھے۔ ان مخالفین کا مطالبہ یہ تھا۔ کہ سب سے پہلے قتلِ عثمان کا قصاص لیا جائے۔ پھر آپ خلافت کریں۔ لیکن حضرت علی نے حالات کی نزاکت کی وجہ سے اس مطالبہ کو فوری طور پر پورا کرنے پر آمادگی کا اظہار نہ کیا۔ جس کی بنا پر لوگوں نے آپ کو بھی شہادتِ عثمان میں ملوث کرنا شروع کر دیا۔ اور جب منبروں پر علی الاعلان قاتلانِ عثمان پر لعن طعن کیا جاتا۔ تو گاہے بگاہے حضرت علی المرتضےٰ کے بارے میں سست الفاظ زبان پر آجاتے۔ ان کی وجہ سے جو لوگ حضرت علی کے طرفدار تھے۔ یا انہیں علم تھا۔ کہ حضرت علی اس میں ملوث نہیں انہیں یہ بات بُری لگتی۔ ماحول ایسا بن گیا تھا۔ کہ جب بھی کوئی نام لیے بغیر قاتلانِ عثمان پر لعن طعن کرتا۔ تو طرفدارانِ علی یہ سمجھتے۔ کہ اجمالی طور پر ایسا کرنے والا حضرت علی المرتضےٰ کو بُرا بھلا کہہ رہا ہے۔ بس اسی ماحول کی وجہ سے باہم کھینچا تانی شروع ہو گئی۔ اور جوابی کاروائی بھی شروع ہو گئی۔ یعنی قاتلانِ عثمان پر لعن طعن کرنے والے چونکہ طرفدارانِ حضرت علی کی نظر میں حضرت علی کو بھی بُرا بھلا کہتے تھے۔ اس لیے ان طرفداروں نے لعن طعن کرنے والوں اور ان کے رفقاء کو بھی انہی الفاظ سے یاد کرنا شروع کر دیا۔ جن سے وہ یاد کیا کرتے تھے، شہادت حضرت عثمان غنی کے بعد حالات کا یہ رُخ بن چکا تھا۔ جو آپ پڑھ چکے ہیں۔

ان حالات کے پیشِ نظر ذوالقرنین شیعی کے اعتراضات و مطاعن میں سے کافی کا جواب عیاں ہو جاتا ہے۔ گزشتہ اوراق میں ذوالقرنین کی زبانی اس

طعن کی عبارت دیکھی۔ یہ مضمون البدایۃ والنہایۃ، تاریخ طبری اور ابن اثیر میں مذکور ہے۔ سردست البدایۃ والنہایۃ کی اصل عبارت پیش خدمت ہے۔ تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے۔ کہ نقل عبارت اور ترجمہ میں اپنا توسیدھا کرنے کے لیے ذوالقرنین شیعی نے کیا کیا خیانتیں کیں۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

حجر بن عدی کے قتل کا پورا اصل واقعہ تاریخ کی زبانی

البدایۃ والنہایۃ

وَكَانَ اِذَا كَانَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ عَلَى الْكُوفَةِ اِذَا ذَكَرَ عَلِيًّا فِيْ خُطْبَتِهٖ يَتَنَقَّصُهٗ بَعْدَ مَدْحِ عُثْمَانَ وَشِيْعَتِهٖ فَيَغْضَبُ حَجَرٌ هٰذَا وَيُظْهِرُ الْاِنْكَارَ عَلَيْهِ وَلٰكِنْ كَانَ الْمُغِيْرَةُ فِيْهِ حِلْمٌ وَّاَنَاةٌ وَّكَانَ يَصْفَحُ عَنْهُ وَيَعِظُهٗ فِيْمَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ۔ وَيُحَذِّرُهٗ عَنْ هٰذَا الصَّنِيْعِ فَاِنَّ مُعَارَضَةَ السُّلْطَانِ شَدِيْدٌ وَبَالُهَا فَلَمْ يَرْجِعْ حَجَرٌ عَنْ ذَالِكَ فَلَمَّا كَانَ فِيْ اٰخِرِ اَيَّامِ الْمُغِيْرَةِ قَامَ حَجَرٌ يَوْمًا فَاَنْكَرَ عَلَيْهِ فِي الْخُطْبَةِ وَصَاحَ بِهٖ وَذَمَّهٗ بِتَاخِيْرِهِ الْعَطَاءَ عَنِ النَّاسِ وَقَامَ مَعَهٗ فِئَامُ النَّاسِ لِقِيَامِهٖ يُصَدِّقُوْنَهٗ وَيُشَنِّعُوْنَ عَلَى الْمُغِيْرَةِ وَدَخَلَ الْمُغِيْرَةُ بَعْدَ الصَّلٰوةِ قَصْرَ الْاِمَارَةِ وَدَخَلَ مَعَهٗ جُمْهُوْرُ الْاُمَرَاءِ فَاَشَارُوْا عَلَيْهِ بِرَدْعِ حَجَرٍ هٰذَا عَمَّا تَعَاطَاهُ مِنْ شَقِّ الْعَصٰى وَالْقِيَامِ عَلَى الْاَمِيْرِ

وَذَمُّوهُ وَحَثَوا عَلَى التَّنْكِيلِ فَصَفَحَ عَنْهُ وَحَلُمَ
بِهِ وَذَكَرَ يُونُسُ بْنُ عُبَيْدٍ أَنَّ مُعَاوِيَةَ كَتَبَ
إِلَى الْمُغِيرَةِ يَسْتَمِدُّهُ بِمَالٍ يَبْعَثُهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ
فَبَعَثَ عِيرًا تَحْمِلُ مَالًا فَاعْتَرَضَ لَهَا حَجَرٌ
فَأَمْسَكَ بِزِمَامِ أَوَّلِهَا وَقَالَ لَا وَاللهِ حَتَّى يُؤْتَى
كُلُّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَقَالَ شَبَابٌ ثَقِيفٌ الْمُغِيرَةَ
أَلَا نَأْتِيكَ بِرَأْسِهِ فَقَالَ مَا كُنْتُ لَأَفْعَلَنَّ
ذَالِكَ بِحَجَرٍ فَتَرَكَهُ فَلَمَّا بَلَغَ مُعَاوِيَةَ ذَالِكَ عَزَلَ
الْمُغِيرَةَ وَوَلَّى زِيَادًا وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَمْ يَعْزِلِ الْمُغِيرَةَ
حَتَّى مَاتَ فَلَمَّا تُوُفِّيَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ
وَجُمِعَتِ الْكُوفَةُ مَعَ الْبَصْرَةِ لِزِيَادٍ دَخَلَهَا وَقَدِ
الْتَفَتَ عَلَى حَجَرٍ جَمَاعَةٌ مِّنْ شِيعَةِ عَلِيٍّ يَقُولُونَ
أَمْرُهُ وَيَشُدُّونَ عَلَى يَدِهِ وَيَسُبُّونَ مُعَاوِيَةَ وَ
يَتَبَرَّءُونَ مِنْهُ فَلَمَّا كَانَ أَوَّلُ خُطْبَةٍ خَطَبَهَا زِيَادٌ
بِالْكُوفَةِ ذَكَرَ فِي آخِرِهَا فَضْلَ عُثْمَانَ وَذَمَّ مَنْ قَتَلَهُ
أَوْ أَعَانَ عَلَى قَتْلِهِ فَقَامَ حَجَرٌ كَمَا كَانَ يَقُومُ فِي
أَيَّامِ الْمُغِيرَةِ وَتَكَلَّمَ بِنَحْوِ مَا قَالَ لِلْمُغِيرَةِ فَلَمْ يَعْرِضْ
لَهُ زِيَادٌ ثُمَّ رَكِبَ زِيَادٌ إِلَى الْبَصْرَةِ وَأَرَادَ أَنْ يَأْخُذَ حَجَرًا
مَعَهُ إِلَى الْبَصْرَةِ لِئَلَّا يُحْدِثَ حَدَثًا فَقَالَ إِنِّي مَرِيضٌ
فَقَالَ وَاللهِ إِنَّكَ لَمَرِيضُ الدِّينِ وَالْقَلْبِ وَالْعَقْلِ
وَاللهِ لَئِنْ أَحْدَثْتَ شَيْئًا لَأَسْعَيَنَّ فِي قَتْلِكَ ثُمَّ

سَارَ زِيَادٌ اِلَى الْبَصْرَةِ فَبَلَغَهٗ اَنَّ حَجَرًا وَّاَصْحَابَهٗ اَنْكَرُوْا عَلٰى نَائِبِهٖ بِالْكُوْفَةِ وَهُوَ عَمْرُو بْنُ حُرَيْثٍ وَّحَصَبُوْهُ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَرَكِبَ زِيَادٌ اِلَى الْكُوْفَةِ فَنَزَلَ فِي الْقَصْرِ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى الْمِنْبَرِ وَعَلَيْهِ قَبَاءُ سُنْدُسٍ وَّمُطْرَفُ خَزٍّ اَحْمَرَ فَقَدْ فَرَّقَ شَعْرَهٗ وَحَجَرٌ جَالِسٌ وَّحَوْلَهٗ اَصْحَابُهٗ اَكْثَرُ مَا كَانُوْا يَوْمَئِذٍ وَّكَانَ مَنْ لَبِسَ مِنْ اَصْحَابِهٖ يَوْمَئِذٍ نَحْوًا مِّنْ ثَلَاثَةِ اٰلَافٍ وَّجَلَسُوْا حَوْلَهٗ فِي الْمَسْجِدِ فِي الْحَدِيْدِ وَالسِّلَاحِ فَخَطَبَ زِيَادٌ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ غِبَّ الْبَغْيِ وَالْغَيِّ وَخِيْمٌ وَاِنَّ هٰؤُلَاءِ اَمِنُوْنِيْ فَاجْتَرَؤُا عَلَيَّ وَاَيْمُ اللّٰهِ لَئِنْ لَّمْ تَسْتَقِيْمُوْا لَاُدَاوِيَنَّكُمْ بِدَوَائِكُمْ ثُمَّ قَالَ مَا اَنَا بِشَيْءٍ اِنْ لَّمْ اَمْنَعْ سَاحَةَ الْكُوْفَةِ مِنْ حَجَرٍ وَّ اَصْحَابِهٖ وَاَدَعُهٗ نَكَالًا لِّمَنْ بَعْدَهٗ وَيْلُ اُمِّكَ يَا حَجَرُ۔ سَقَطَ بِكَ الْعَشَاءُ عَلٰى سِرْحَانَ ثُمَّ قَالَ

اَبْلِغْ نَصِيْحَةً اَنَّ رَاعِيَ اِبِلِهَا

سَقَطَ الْعَشَاءُ بِهٖ عَلٰى سِرْحَانَ

وَجَعَلَ زِيَادٌ يَّقُوْلُ فِيْ خُطْبَتِهٖ اِنَّ مِنْ حَقِّ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ يَعْنِيْ كَذَا وَكَذَا۔ فَاَخَذَ حَجَرٌ كَفًّا حَصْبَاءَ فَحَصَبَهٗ وَقَالَ كَذَبْتَ عَلَيْكَ لَعْنَةُ اللّٰهِ فَانْحَدَرَ زِيَادٌ فَصَلّٰى ثُمَّ دَخَلَ الْقَصْرَ وَاسْتَحْضَرَ

حَجَرًا وَّ يُقَالُ اِنَّ زِيَادًا لَمَّا خَطَبَ طَوَّلَ الْخُطْبَةَ وَاَخَّرَ
الصَّلٰوةَ فَقَالَ لَهٗ حَجَرٌ اَلصَّلٰوةُ فَمَضٰى فِىْ خُطْبَتِهٖ
فَلَمَّا خَشِىَ فَوْتَ الصَّلٰوةِ عَمَدَ اِلٰى كَفٍّ مِّنْ حَصْبَاءَ
وَنَادٰى اَلصَّلٰوةُ وَثَارَ النَّاسُ مَعَهٗ فَلَمَّا رَاٰى ذَالِكَ
زِيَادٌ نَزَلَ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ فَلَمَّا انْصَرَفَ مِنْ صَلٰوتِهٖ
كَتَبَ اِلٰى مُعَاوِيَةَ فِىْ اَمْرِهٖ وَكَثَّرَ عَلَيْهِ فَكَتَبَ
اِلَيْهِ مُعَاوِيَةُ اَنْ شُدَّهٗ فِى الْحَدِيْدِ وَاحْمِلْهُ اِلَىَّ
فَبَعَثَ اِلَيْهِ زِيَادٌ اَلِى الشُّرْطَةِ - وَهُوَ شَدَّادُ بْنُ
الْهَيْثَمِ وَمَعَهٗ اَعْوَانُهٗ فَقَالَ لَهٗ اِنَّ الْاَمِيْرَ يَطْلُبُكَ
فَامْتَنَعَ مِنَ الْحُضُوْرِ اِلٰى زِيَادٍ وَقَامَ دُوْنَهٗ اَصْحَابُهٗ
فَرَجَعَ الْوَالِىُّ اِلٰى زِيَادٍ فَاَعْلَمَهٗ فَاسْتَنْهَضَ زِيَادٌ
جَمَاعَاتٍ مِّنَ الْقَبَائِلِ فَرَكِبُوْا مَعَ الْوَالِىْ اِلٰى حَجَرٍ وَ
اَصْحَابِهٖ فَكَانَ بَيْنَهُمْ قِتَالٌ بِالْحِجَارَةِ وَالْعَصٰى
فَعَجَزُوْا عَنْهُ فَنَدَبَ مُحَمَّدَ بْنَ الْاَشْعَثِ وَاَمْهَلَهٗ
ثَلَاثًا وَّ جَهَّزَ مَعَهٗ جَيْشًا فَرَكِبُوْا فِىْ طَلَبِهٖ وَلَمْ يَزَالُوْا
حَتّٰى اَحْضَرُوْهُ اِلٰى زِيَادٍ وَّمَا اَغْنٰى عَنْهُ قَوْمُهٗ وَلَا
مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ يَّنْصُرَهٗ فَعِنْدَ ذَالِكَ قَيَّدَهٗ زِيَادٌ وَّ
سَجَنَهٗ عَشَرَةَ اَيَّامٍ وَبَعَثَ بِهٖ اِلٰى مُعَاوِيَةَ وَبَعَثَ مَعَهٗ
جَمَاعَةً يَّشْهَدُوْنَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ سَبَّ الْخَلِيْفَةَ وَاَنَّهٗ
حَارَبَ الْاَمِيْرَ وَاَنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ لَا يَصْلَحُ
اِلَّا فِىْ اٰلِ عَلِيِّ بْنِ اَبِىْ طَالِبٍ وَكَانَ مِنْ جُمْلَةِ الشُّهُوْدِ

عليه ابو بردة بن ابي موسى و وائل بن حجر و عمرو
بن سعد بن ابي وقاص و اسحاق و اسماعيل و موسى
بنو طلحة بن عبيد الله و المنذر بن الزبير و
كثير بن شهاب و ثابت بن ربعي في سبعين و يقال
انه كتبت شهادة شريح القاضي فيهم و انه
انكر ذالك و قال انما قلت لزياد انه كان صواما
قواما ثم بعث زياد حجرا و اصحابه مع وائل بن
حجر و كثير بن شهاب الى الشام و كان مع حجر
بن عدي من اصحابه جماعة
قيل عشرون و قيل اربعة عشر رجلا منهم الارقم
بن عبد الله الكندي و شريك بن شداد الحضرمي
و صيفي بن فسيل و قبيصة ابن ضبيعة بن حرملة
العبسي و كريم بن عفيف الخثعمي و عاصم بن عوف
البجلي و ورقاء بن سمي البجلي و كدام بن حبان
و عبد الرحمن بن حسان العريان من بني تميم و
محرز بن شهاب التميمي و عبيد الله بن حوية
السعدي التميمي ايضا فهؤلاء اصحابه الذين
وصلوا معه فساروا بهم الى الشام ثم ان زيادا
اتبعهم برجلين آخرين عتبة بن الاخنس من بني
سعد و سعد بن عمران الهمداني فكملوا اربعة
عشر رجلا فيقال ان حجرا لما دخل على معاوية

قَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَغَضِبَ مُعَاوِيَةُ غَضَبًا شَدِيْدًا وَّاَمَرَ بِضَرْبِ عُنُقِهٖ هُوَ وَمَنْ مَعَهٗ وَيُقَالُ اِنَّ مُعَاوِيَةَ رَكِبَ فَتَلَقَّاهُمْ فِيْ بُرْجِ عَذْرَآءَ يُقَالُ بَلْ بَعَثَ اِلَيْهِمْ مَنْ تَلَقَّاهُمْ اِلٰى عَذْرَاءَ تَحْتَ ثَنِيَّةِ الْعُقَابِ فَقَتَلُوْا هُنَاكَ وَكَانَ الَّذِيْنَ بَعَثَ اِلَيْهِمْ ثَلَاثَةٌ وَهُمْ هُدْبَةُ بْنُ فَيَّاضٍ الْقُضَاعِيُّ وَحُصَيْنُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْكَلَابِيُّ وَاَبُوْ شَرِيْفِ الْبَدَوِيُّ فَجَاءُوْا اِلَيْهِمْ فَبَاتَ حُجْرٌ وَاَصْحَابُهٗ يُصَلُّوْنَ طُوْلَ اللَّيْلِ فَلَمَّا صَلُّوا الصُّبْحَ قَتَلُوْهُمْ وَهٰذَا هُوَ الْاَشْهَرُ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

(۱- البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۰ تا ۵۵ ۵۱ھ ہجری مطبوعہ بیروت طبع قدیم)

(۲- تاریخ طبری ص ۱۴۱ تا ۱۵۶ جلد ۶ مطبوعہ بیروت طبع قدیم)

(۳)- الکامل فی التاریخ ابن اثیر جلد ۳ ص ۴۷۳ تا ۴۸۵ تذکرہ ۵۱ھ ہجری مطبوعہ بیروت طبع جدید)

(۴- تاریخ ابن خلدون جلد سوم ص ۱۳ تا ۱۷ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ: مغیرہ بن شعبہ جب کوفہ کے گورنر تھے۔ تو آپ نے خطبہ میں حضرت علی المرتضیٰ کا ذکر تنقیص شان کے طور پر کرتے حالانکہ وہ

اسی خطبہ میں پہلے حضرت عثمان اور ان کے ساتھیوں کی خوب تعریف کر چکے ہوتے۔ تو جناب حجر غضبناک ہو جاتے اور اس پر اظہارِ ناپسندیدگی کرتے۔ لیکن چونکہ مغیرہ میں بردباری اور حلم تھا۔ اس لیے وُہ یہ دیکھ کر جناب حجر کو سمجھاتے کہ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اس کے انجام سے ڈراتے۔ کیونکہ خلیفہ وقت کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے۔ لیکن جناب حجر پھر بھی باز نہ آتے تھے۔ جناب مغیرہ کی گورنری کے آخری دنوں میں ایک دن حضرت حجر کھڑے ہوئے۔ اور دوران خطبہ مغیرہ کو ٹوک دیا اور زور سے ان کی مذمت کی۔ کیونکہ انہوں نے لوگوں کے عطیات ان تک پہنچانے میں بہت تاخیر کی تھی۔ اس دفعہ موجود لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی ان کی ہم نوائی میں کھڑی ہو گئی۔ اور ان کی تصدیق کرنے لگی۔ نماز سے فراغت پر حضرت مغیرہ بہت سے امراء کی معیت میں قصر امارۃ میں داخل ہوئے۔ تو ان امیر لوگوں نے جناب مغیرہ سے درخواست کی کہ حجر کو ان کے رویے سے باز رکھا جائے۔ کیونکہ وہ انتشار کا سبب بن رہے ہیں۔ اور امیر کی نافرمانی کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔ ان امراء نے مذمت کرتے ہوئے انہیں راہِ راست پر لانے کو کہا لیکن حضرت مغیرہ نے اس سے چشم پوشی فرمائی۔ اور ان امراء کی بات نہ مانی۔

یونس بن عبید راوی ہیں کہ جناب امیر معاویہ نے حضرت مغیرہ کی طرف ایک رقعہ بھیجا۔ کہ بیت المال سے کچھ رقم بھیج کر میری مدد کی جائے۔ اس پر جناب مغیرہ نے سامان سے لدے

چند اونٹ روانہ کیے۔ اس پر جناب حجر نے اُن کا راستہ روک کر کہا۔ خدا کی قسم! یہ اس وقت تک نہیں ہو گا جب تک ہر حق دار اپنا حق وصول نہیں کر لیتا۔ اس پر شباب ثقیف نے جناب مغیرہ کو کہا۔ کیا ہم حجر بن عدی کا سر نہ تمہارے سامنے پیش کر دیں؟ یہ سُن کر مغیرہ بولے۔ میں ایسا ہرگز کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ اس پر لوگوں نے جناب حجر کو چھوڑ دیا۔ جب اس واقعہ کی خبر حضرت امیر معاویہ کو پہنچی۔ تو انہوں نے مغیرہ کو معزول کر کے ان کی جگہ زیاد کو گورنر مقرر کر دیا۔ لیکن صحیح یہ ہے۔ کہ حضرت مغیرہ معزول نہ ہوئے۔ اور تادم آخر وہ گورنر رہے۔ جب مغیرہ بن شعبہ کا انتقال ہوا۔ تو کوفہ اور بصرہ کے لوگوں نے زیاد کے گورنر بنائے جانے پر اتفاق کر لیا۔ زیاد ان دونوں علاقہ جات کا امیر منفرد ہوا۔
ادھر شیعان علی کے کچھ گروہ جناب حجر بن عدی کے گرد جمع ہونا شروع ہو گئے۔ اور یہ باور کرانے لگے۔ کہ ہم تو آپ کا حکم مانیں گے اور آپ کی تائید کریں گے۔ اور ان لوگوں نے امیر معاویہ پر لعن طعن شروع کر دیا۔ اور ان سے بیزاری کا اظہار بھی۔ پھر جب زیاد نے کوفہ میں اپنی گورنری کا پہلا خطبہ دیا۔ تو اس نے اس کے آخر میں حضرت عثمان کے فضائل اور ان کے قاتلوں کی مذمت کی۔ اور ہر اس شخص کی مذمت کی جس نے قتلِ عثمان میں حصہ لیا۔ اس دوران حضرت حجر کھڑے ہو گئے۔ اور وہی انداز اپنایا۔ جو اس سے پہلے دورِ مغیرہ بن شعبہ میں اپنایا کرتے تھے۔ لیکن زیاد نے کوئی پرواہ نہ کی۔ پھر زیادہ جانب بصرہ روانہ ہوا۔ اور ارادہ

کیا کہ حجر بن عدی کو بھی اپنے ساتھ بصرہ لے جائے۔ تاکہ عدم موجودگی میں کوئی واقعہ رونما نہ ہو جائے۔ جب حجر کو پیغام بھیجا۔ تو انہوں نے کہا۔ میں بیمار ہوں۔ یہ سُن کر زیاد کہنے لگا۔ بخدا! تم دین دل اور عقل کے بیمار ہو۔ خدا کی قسم! اگر میرے بعد کوئی واقعہ ہو گیا۔ تو پھر تمہاری خیر نہیں۔ یہ کہہ کر زیاد بصرہ چلا گیا۔ وہاں پہنچنے پر اسے اطلاع ملی۔ کہ حجر اور ان کے ساتھیوں نے اس کے قائم مقام گورنر کی حکم عدولی شروع کر دی۔ اس قائم مقام گورنر یعنی عمرو بن حدیث کو جمعہ کے دن دوران خطبہ کنکریاں ماریں۔ یہ خبر سُن کر زیاد نے واپس کوفہ کا سفر باندھا۔ واپسی پر محل میں ٹھہرا اور تھوڑی دیر بعد سندس اور مطرف کا لباس زیب تن کر کے منبر پر وعظ کرنے کے لیے آیا۔ جناب حجر بمع اپنے ساتھیوں کے وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ آج اُن کی تعداد پہلے سے کچھ زیادہ تھی۔ تین ہزار کے لگ بھگ ان کے ساتھیوں نے اپنے آپ کو مسلح کیا ہوا تھا۔ ادھر زیاد نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد یہ کہا۔ کہ بغاوت اور خلیفہ پر دلیری کی سزا بڑی سخت ہو گی۔ اور یہ لوگ جو آج دلیر بنے بیٹھے ہیں۔ کل تک یہی امن کے طالب تھے۔ خدا کی قسم! اگر انہوں نے اپنا رویہ درست نہ کیا۔ میں تمہاری بیماری کی دوا ضرور پلاؤں گا۔ پھر کہنے لگا۔ اگر حجر اور اس کے ساتھیوں سے میں نے کوفہ کی سرزمین کو پاک نہ کر دیا۔ تو میں بالکل بے حیثیت اور نکمّا ہوں گا۔ میں انہیں ایسی عبرت ناک سزا دوں گا۔ جس سے بعد میں آنے والے بھی سبق سیکھیں گے۔ اے حجر! تم یاد رکھو۔

تمہاری حالت اس چرواہے کی مانند ہو چکی ہے۔ جسے لوگ نصیحت کرتے ہوں۔ کہ رات کے وقت بھیڑیئے کا سامنا کر کے اپنی موت کو آوازنہ دینا۔ پھر زیاد نے تقریر کرتے ہوئے جناب امیر معاویہ کے حقوق کا ذکر کیا۔ اور ان کی اطاعت کی تبلیغ کی۔ اس پر جناب حجر نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر زیاد کی طرف پھینک دی۔ اور کہا۔ خدا کی لعنت تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔ زیاد نے خطبہ ختم کیا۔ نماز پڑھنے کے بعد اپنے محل میں چلا گیا۔ اور حجر کو بُلوایا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ کہ زیاد نے جب خطبہ کو بہت طول دیا۔ اور نماز میں تاخیر کر دی۔ تو جناب حجر نے باآواز بلند اسے نماز ادا کرنے کی تلقین کی۔ لیکن اس نے ایک نہ سُنی اور خطبہ میں مشغول رہا۔ جب نماز کے قضا ہو جانے کا خطرہ ہوا۔ تو جناب حجر نے مٹھی بھر کنکریاں ماریں، اور نماز کی ادائیگی کا کہا۔ لوگوں نے بھی اس معاملہ میں جناب حجر کا ساتھ دیا۔ زیاد نے جب یہ ماجرا دیکھا۔ تو منبر سے اتر کر فوراً نماز پڑھائی۔ نماز سے فراغت پر یہ سارا معاملہ اس نے امیر معاویہ کو لکھ بھیجا۔ اور کچھ اپنی طرف سے زائد باتیں بھی ساتھ لکھیں۔ اس کے جواب میں حضرت امیر معاویہ نے حکم دیا۔ کہ حجر کو بیڑیوں میں ڈال کر میرے پاس پہنچایا جائے زیاد اور ابی شرط یعنی شداد بن ہیثم کو بمعہ مددگاروں کے بھیجا جناب حجر کو کہا۔ کہ امیر المومنین نے تمہیں طلب کیا ہے۔ لیکن حجر نے زیاد کے پاس حاضر ہونے سے انکار کر دیا۔ خود حجر اور ان کے ساتھی حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

یہ ... والی واپس زیاد کے پاس آیا۔ اور حالات سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد زیاد نے قبائل کی بہت سی جماعتیں تیار کیں۔ اور والی کے ساتھ انہیں جناب حجر اور ان کے ساتھیوں کی طرف بھیجا۔ ان دونوں کے مابین پتھروں اور ڈنڈوں سے لڑائی ہوئی جس پر زیاد کے ساتھی پسپا ہو گئے۔ اور حجر کو بمعہ ساتھیوں کے گرفتار کرنے میں ناکامی ہوئی۔ اس کے بعد محمد بن اشعث کو تین دن تک تیاری کرا کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ جناب حجر کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ بالآخر انہوں نے زیاد کے پاس حاضر کر دیا۔ حجر کے ساتھی ساتھ نہ دے سکے۔ اور نہ ہی وہ لوگ جو بوقت ضرورت مدد کا وعدہ کرتے تھے۔ اب زیاد نے انہیں گرفتار کر کے دس دن کی قید سُنا دی۔ پھر حجر کو ایک جماعت کے ساتھ امیر معاویہ کے پاس بھیجا۔ اور بہت سے آدمی ساتھ بھیجے جو ان کے خلاف وہاں گواہی دیں گے۔ کہ انہوں نے خلیفہ کو گالیاں دیں۔ امیر سے لڑائی کی۔ اور ان کا یہ کہنا ہے۔ کہ خلافت صرف علی بن ابی طالب کی اولاد کا حق ہے۔ ان گواہوں میں سے ابو بردہ بن ابی موسےٰ، وائل بن حجر، عمرو بن سعد بن ابی وقاص اسحاق، اسماعیل، موسیٰ۔ بنو طلحہ بن عبید اللہ، منذر بن زبیر، کثیر بن شہاب ثابت ابن ربعی بھی تھے۔ اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ کہ زیاد نے تحریری گواہیوں میں حضرت شریح القاضی کی گواہی بھی لکھی تھی۔ حالانکہ انہوں نے اس سے انکار کیا تھا۔ اور کہتے ہیں۔ کہ میں نے زیاد کو بتا دیا تھا۔ کہ حجر ایک نیک آدمی ہے۔ وہ

بہت روزے رکھنے والا رات بھر نوافل ادا کرنے والا ہے۔ بہرحال زیاد نے جناب حجر بن عدی کو وائل بن حجر اور کثیر بن شہاب کے ساتھ شام کی طرف روانہ کر دیا۔ ان کے ساتھ ابن جبلہ الکندی، شریک بن شداد الحضرمی، صیفی بن فسیل، قبیصہ بن ضبیعہ بن حرملۃ العبسی، کریم بن عضیف الخشعمی، عاصم بن عوف البجلی، رقار بن سمی البجلی، کدام بن حبان، عبدالرحمٰن بن حسان العریان تمیمی، محرز بن شہاب تمیمی، عبیداللہ بن حویۃ السعدی جو بنی سعد تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو جناب حجر کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ زیاد نے اس کے بعد دو اور آدمی بعد میں بھیجے۔ یعنی عتبہ بن الاخنس جو بنی سعد سے تھا۔

اور دوسرا سعد بن عمران الہمدانی تھا۔ اس طرح اب چودہ اشخاص ہو گئے۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ جب جناب حجر امیر المومنین امیر معاویہ کے پاس حاضر ہوئے۔ تو انہوں نے السلام علیک یا امیر المومنین کہا۔ یہ سن کر امیر معاویہ آگ بگولا ہو گئے۔ اور ان کی گردن مارنے کا حکم دے دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ خود امیر معاویہ سوار ہو کر اس قافلہ کے راستہ میں آئے۔ اور برج عذرا میں ان کی ملاقات ہوئی۔ یہ بھی آیا ہے۔ کہ امیر معاویہ نے بجائے خود کچھ لوگوں کو ان کی طرف بھیجا۔ جو انہیں مقام عذرا میں ملے۔ انہوں نے حجر اور ان کے ساتھیوں کو وہیں قتل کر دیا۔ جن کو امیر معاویہ نے بھیجا تھا۔ وہ تین آدمی تھے۔ ہدبہ بن فیاض قضاعی، حضیر بن عبداللہ الکابی اور ابو شریف البدوی۔ یہ جناب حجر اور ان کے ساتھیوں کے پاس آئے۔ اس وقت جناب حجر اور ان کے ساتھیوں نے

رات گئے تک نوافل ادا کیے۔ جب نماز صبح ادا کر چکے۔ تو انہیں قتل کر دیا گیا۔

البدایہ والنہایہ کی مذکورہ عبارت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ جناب مغیرہ بن شعبہ دوران خطبہ حضرت عثمان کے فضائل بیان کرتے۔ اور حضرت علی کی تنقیص شان کرتے۔ جس پر جناب حجر انہیں ٹوک دیتے لیکن مغیرہ کے حلم اور بُردباری سے معاملہ خراب نہ ہوا۔

۲۔ مغیرہ بن شعبہ سے امیر معاویہ کے بیت المال سے مدد طلب کرنے پر جب مغیرہ نے سامان سے لدے کچھ اونٹ بھیجنا چاہے۔ تو جناب حجر نے ان اونٹوں کو روک کر کہا۔ کہ جب تک حق داروں کے حقوق پورے نہیں ہوتے۔ میں یہ مال وہاں جانے کی اجازت نہیں دوں گا اس پر شباب ثقیف کے لوگوں نے حجر کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی لیکن مغیرہ نے اجازت نہ دی۔

۳۔ مغیرہ بن شعبہ کے انتقال کے بعد جب کوفہ کی گورنری زیاد کے سپرد کی گئی۔ تو شیعیان علی کی تمام جماعتیں جناب حجر کے پاس جمع ہوئیں۔ اور کہنے لگیں۔ کہ ہم آپ کے سوا کسی کا حکم نہیں مانیں گے۔ تمہارے ہاتھ مضبوط کریں گے۔ اور امیر معاویہ کو گالیاں نکالیں گے۔

۴۔ زیاد نے گورنر بننے کے بعد جب اپنے اولین خطبہ میں حضرت عثمان کے فضائل اور ان کے قاتلوں کی مذمت کی۔ تو حجر بن عدی نے کھڑے ہو کر زیاد کو خوب کوسا۔ بعد میں زیاد نے حجر کو اپنے ساتھ

بصرہ چلنے کو کہا۔ لیکن وہ نہ مانے۔ اور بیماری کا بہانہ بنایا۔

۵۔ زیاد کے بصرہ پہنچنے پر اسے خبر ملی۔ کہ حجر اور ان کے ساتھیوں نے کوفہ میں گڑبڑ کر دی ہے۔ اور ان کے نائب پر دوران خطبہ کنکریاں پھینکی ہیں۔ زیاد فوراً واپس کوفہ آیا۔ اور اس نے جب آکر خطبہ دیا۔ تو دیکھا۔ کہ حجر اور ان کے تقریباً تین ہزار ساتھی مسلح وہاں بیٹھے ہیں۔ یہ دیکھ کر زیاد نے انہیں بغاوت سے باز رہنے اور اس کے نتائج سے خبردار کیا۔

۶۔ دوران خطبہ زیاد کو بھی حجر بن عدی نے کنکریاں ماریں۔ اور جھوٹا کہا۔ اور لعنت بھیجی۔

۷۔ زیاد نے جب حجر اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری کا حکم دیا۔ تو گرفتار کرنے والوں اور ان کے درمیان پتھروں اور لاٹھیوں سے تصادم ہوا۔ اور حجر گرفتار نہ ہو سکے۔

۸۔ دوبارہ جب زیاد نے حجر کی گرفتاری کے لیے لوگوں کو بھیجا۔ تو حجر کے ساتھی بھاگ گئے۔ اور حجر کو گرفتار کر کے امیر معاویہ کے پاس شام بھیج دیا گیا۔

۹۔ جب حجر بن عدی کو امیر معاویہ کے پاس شام بھیجا گیا۔ تو ان کے خلاف شہادتیں بھی بھیجے گئے۔ جو ان امور کی شہادت دیں گے۔ کہ حجر اور ان کے ساتھی خلیفہ وقت کو گالی دیتے ہیں۔ امیر سے لڑائی کرتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ خلافت کا حق صرف اور صرف آل علی بن ابی طالب کو ہے۔

امور مذکورہ کا خلاصہ

حجر بن عدی یہ گوارا نہ کرتے تھے۔ کہ ان کے سامنے حضرت عثمان کے فضائل بیان کیے جائیں۔ بلکہ وہ اور اس کے ساتھی ان پر سب وشتم کے قائل تھے۔ اس کے برخلاف وہ حضرت علی المرتضیٰ اور ان کے ساتھیوں کی تعریف کرتے تھے۔ اس کی شہادت میں اتنا ہی کافی ہے۔ کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کھڑے ہو کر روکنا صرف اس بنا پر تھا۔ کہ وہ حضرت عثمان کی تعریف کیوں کرتے ہیں۔ جب انہوں نے قاتلانِ عثمان پر لعنت کی۔ تو حجر بن عدی نے برملا انکار کرتے ہوئے انہیں جھوٹا قرار دیا۔ اس کے علاوہ مغیرہ بن شعبہ کی وفات کے بعد جب شیعیانِ علی ان کے ہمنوا اور مددگار بن گئے۔ تو ان کے دل میں یہ سما گیا۔ کہ اب امیر وقت کا ہم مقابلہ کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ تھی۔ کہ ہزاروں شیعیانِ علی ہر وقت مسلح ہو کر ان کے ساتھ رہتے تھے۔ پھر ان مسلح شیعیان علی کا زیاد کے ساتھیوں کے ساتھ باقاعدہ مقابلہ بھی ہوا۔ حتیٰ کہ ان لوگوں نے حجر بن عدی کو بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ لیکن جب وقت آیا۔ تو یہ لوگ کسی کام نہ آئے گرفتاری کے بعد جب حجر بن عدی کی بغاوت پر گواہیاں قائم ہوئیں۔ تو امیر معاویہ نے ان گواہیوں کی بنا پر انہیں قتل کروا دیا۔ تاکہ فتنہ یہیں دب جائے۔

ؐ
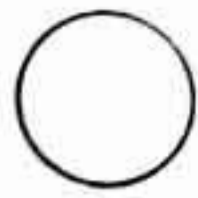
ذوالقرنین زیدی وشیعی کے ذکر کردہ طعن میں مذکورہ چھ عدد امور کا بالترتیب جواب

جواب اوّل

عہد معاویہ میں گورنروں کو لعنت بر علی کا پابند کیا جانا شیعوں کی روایت ہے۔

الزام یہ تھا۔ کہ سنیوں کی تاریخ میں مذکور ہے۔ کہ جب امیر معاویہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ تو ان کو دس امر کا پابند کیا گیا تھا۔ ان میں سے دو امر یہ تھے۔ کہ وہ قاتلانِ عثمان کے لیے رحم کی دعا اور حضرت علی المرتضیٰ پر سب وشتم کو ترک نہیں کریں گے۔ اس اعتراض کا کتب اہل سنت میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کیونکہ جن کتب کا زیدی شیعی نے سہارا لیا۔ ان میں سے ماسوا طبری کے کسی میں اس کی سند مذکور نہیں۔ اس لیے بے سند ہونے کی وجہ سے کوئی الزام ثابت نہیں ہو سکتا۔ رہا یہ معاملہ کہ تاریخ طبری میں اس کی سند موجود ہے۔ تو اس سلسلہ میں ہم عقائد جعفریہ جلد چہارم میں محمد ابن جریر طبری کے بارے میں تحقیق بیان کر چکے ہیں۔ کہ اس میں تشیع تھا۔ خصوصاً ان مسائل میں جن سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

پر طعن آتا ہو۔ یا شان علی المرتضیٰ کا معاملہ ہو۔ میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۳۵،
حرف میم کے تحت ابن جریر کے بارے میں مرقوم ہے "فِيهِ تَشَيُّعٌ" اس
میں تشیع پایا جاتا ہے۔ لہذا ایسی روایت کہ جس سے امیر معاویہ کی تنقیص نکلتی ہو ایس
میں ابن جریر کی عبارت قابل اعتبار نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اس روایت کے بانی
ہشام اور لوط بن یحییٰ ابو مخنف ہیں۔ تاریخ طبری میں اس واقعہ کی سند یوں
مذکور ہے۔

قَالَ هِشَامُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ السَّائِبِ الْكَلْبِي عَنْ مُجَالِدِ بْنِ سَعِيْدٍ وَالصَّقْعَبِ بْنِ زُهَيْرٍ وَفُضَيْلِ بْنِ خُدَيْجٍ وَالْحُسَيْنِ بْنِ عُقْبَةَ الْمُرَادِي۔

اب مختصر طور پر ہشام بن محمد اور ابو مخنف کی سیرت و عقائد کتب
اسمائے رجال سے ملاحظہ ہوں۔

میزان الاعتدال

هِشَامُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ السَّائِبِ الْكَلْبِيُّ اَبُو الْمُنْذِرِ الْاَخْبَارِيُّ النَّسَّابَةُ الْعَلَّامَةُ رَوَى عَنْ اَبِيْهِ اَبِي النَّضْرِ الْكَلْبِيِّ الْمُفَسِّرِ وَعَنْ مُجَاهِدٍ وَحَدَّثَ عَنْهُ جَمَاعَةٌ قَالَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ اِنَّمَا كَانَ صَاحِبَ سَمَرٍ وَنَسَبٍ مَا ظَنَنْتُ اَنَّ اَحَدًا يُحَدِّثُ عَنْهُ وَقَالَ الدار قطني وغيره مَتْرُوْكٌ وَقَالَ ابْنُ عَسَاكِرَ رَافِضِيٌّ لَيْسَ بِثِقَةٍ۔

(میزان الاعتدال جلد سوم ص ۵۶ مطبوعہ بیروت طبع قدیم)

ترجمہ:

ابومنذر ہشام بن محمد الکلبی اخباری اور نسب بیان کرنے والا عالم ہے اپنے باپ ابوالنضر سے روایت کرتا ہے۔ اس کے علاوہ امام مجاہد سے بھی اس کی مرویات ملتی ہیں۔ اس سے ایک جماعت نے حدیث بیان کی۔ احمد بن حنبل کا کہنا ہے۔ کہ یہ شخص قصہ کہانیاں بیان کرنے والا اور نسب کے حالات کا ماہر تھا۔ میں گمان نہیں کرتا۔ کہ اس سے کسی نے کوئی حدیث بیان کی ہو گی۔ دارقطنی نے اسے متروک کہا۔ اور ابن عساکر نے اس کے رافضی ہونے کی وجہ سے اس کو غیر ثقہ کہا۔

میزان الاعتدال:

لُوطُ بْنُ یَحْیٰی اَبُوْ مَخْنَفٍ اَخْبَارِیٌّ فَاَلَفَ لَا یُوْثَقُ بِهٖ تَرَکَهٗ اَبُوْحَاتِمٍ وَغَیْرُهٗ وَقَالَ الدارقطنی ضَعِیْفٌ وَقَالَ اَبْنُ مُعِیْنٍ لَیْسَ بِثِقَةٍ وَقَالَ مُرَّةٌ لَیْسَ بِشَیْئٍ وَقَالَ اَبْنُ عَدِیٍّ شِیْعِیٌّ مُتَحَرَّقٌ صَاحِبُ اَخْبَارِ هِمْ۔

(میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۳۶۰)

ترجمہ:

ابومخنف لوط بن یحییٰ اخباری شخص تھا۔ قابل وثوق نہ تھا۔ ابوحاتم نے اسے ترک کیا۔ دارقطنی نے اسے ضعیف اور ابن معین نے غیر ثقہ کہا۔ مرۃ کے نزدیک یہ کچھ بھی وقعت نہ رکھتا تھا۔ اور ابن عدی

نے اسے دل جلا شیعہ کہا۔ اور شیعوں کے واقعات لکھنے والا کہا۔

زیدی شیعی کا مذکورہ طعن جن کے سہارے کھڑا تھا۔ وہ بھی قابل اعتبار نہ رہے۔ اول صاحب تاریخ طبری میں تشیع موجود تھا اس لیے امیر معاویہ کے بارے میں اس کی ایسی روایت جس سے ان کی شخصیت پر حرف آتا ہو قطعاً نامقبول۔ دوسرا جن رواۃ کے ذریعہ اس روایت کو لایا۔ وہ بھی رافضی اِدھر اُدھر کی ہانکنے والے غیر ثقہ تو پھر ان حالات میں حضرت امیر معاویہ پر طعن کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ آیئے لوط بن یحییٰ اور ہشام کے متعلق کچھ کتب اہل تشیع کے حوالہ جات بھی دیکھ لیں۔ وہ ان کے بارے میں کیا کہتی ہیں۔

لوط بن یحییٰ کے شیعہ ہونے میں تامل کی ضرورت نہیں

تنقیح المقال

وَتَنْقِیْحُ الْمَقَالِ فِیْ حَالِ الرِّجَالِ اَنَّهٗ لَا یَنْبَغِی التَّاَمُّلُ فِیْ کَوْنِهٖ شِیْعِیًّا اِمَامِیًّا کَمَا صَرَّحَ بِذَالِکَ جَمَاعَةٌ وَاِنْکَارُ ابْنِ اَبِی الْحَدِیْدِ ذَالِکَ بِقَوْلِهٖ فِیْ شَرْحِ النَّهْجِ وَاَبُوْ مِخْنَفٍ مِّنْ مُّحَدِّثِیْنَ وَمِمَّنْ یَرَی صِحَّةَ الْاِمَامَةِ بِالْاِخْتِیَارِ وَلَیْسَ مِنَ الشِّیْعَةِ وَلَا مَعْدُوْدًا مِّنْ رِّجَالِهَا اِنْتَهٰی مِنَ الْخُرَافَاتِ الَّتِیْ تَصَوَّرَتْ

اَلْعَامَّۃُ عَلَیْهَا فِیْ مَذْهَبِهِمْ فِیْمَا یُرْجَعُ اِلَیْهِ کَیْفَ وَقَدْ صَرَّحَ جَمَاعَۃٌ مِّنْهُمْ بِتَشَیُّعِهٖ سَبَبًا لِّرَدِّ رِوَایَتِهٖ کَمَا هِیَ عَادَتُهُمْ غَالِبًا اَلَا تَرٰی اِلٰی قَوْلِ صَاحِبِ الْقَامُوْسِ فِیْ مَادَۃِ خ-ن-ف- وَمِخْنَفُ کَمِنْبَرٍ وَّ اَبُوْمِخْنَفٍ لُوْطُ بْنُ یَحْیٰی اِخْبَارِیٌّ شِیْعِیٌّ تَاَلِّفَ مَتْرُوْکٌ اِنْتَهٰی وَالْعَجَبُ الْعُجَابُ اَنَّ ابْنَ اَبِی الْحَدِیْدِ نَطَقَ بِمَا سَمِعَ بَعْدَ اَنْ رَوٰی اَشْعَارًا فِیْ اَنَّ عَلِیًّا وَّصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَقَالَ هٰذِهِ الْاَشْعَارُ وَالْاَرَاجِزُ جَمَعَهَا اَبُوْمِخْنَفٍ لُوْطُ بْنُ یَحْیٰی فِیْ کِتَابِ وَقْعَۃِ الْجَمَلِ اِنْتَهٰی- فَاِنَّ نَقْلَهٗ تِلْکَ الْاَشْعَارَ شَاهِدٌ لِّتَشَیُّعِهٖ وَاِلَّا لَمْ یَکُنْ لِّیَرْوِهَا کَمَا هِیَ عَادَۃُ اَهْلِ السُّنَّۃِ غَالِبًا وَبِالْجُمْلَۃِ فَکَوْنُ الرَّجُلِ شِیْعِیًّا اِمَامِیًّا مِمَّا لَا یَنْبَغِیْ الرَّیْبُ فِیْهِ

(تنقیح المقال جلد دوم صفحہ نمبر ۴۴
من ابواب اللام)

ترجمہ:

لوط بن یحییٰ کے شیعہ امامی ہونے میں کسی کو شک نہ کرنا چاہیئے جیسا کہ اس کی ایک جماعت نے تصریح بھی کر دی ہے۔ اور ابن ابی حدید کا نہج البلاغۃ کی شرح میں لوط بن یحییٰ کو محدثین میں شمار کرنا اور مسئلہ امامت کو اختیاری ماننے والا لکھ کر اس کے شیعہ ہونے کا انکار کرنا ان واہی تباہی باتوں میں سے ہے جو عوام

میں ہوتی ہیں۔ یہ کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ حالانکہ ایک بہت بڑی جماعت نے اس کے تشیع کی صراحت کر دی ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کی روایات اہل سنت قبول نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کی غالباً یہی عادت ہوتی ہے۔ صاحب قاموس نے خ۔ ن۔ ف کے مادہ میں بحث کرتے ہوئے جو لکھا۔ تم ذرا اس کو تو پڑھو۔ لکھا ہے کہ مخنف بروزن منبر ہے۔ اور لوط بن یحییٰ ابو مخنف قصّہ کہانیاں بیان کرنے والا شیعی ہے۔ اور متروک ہے۔ ابن ابی الحدید کے اس قول پر تعجب علی تعجب یوں بھی ہے۔ کہ اس نے ابو مخنف کے شیعہ نہ ہونے کی بات ان تحریرات اور اشعار ذکر کرنے کے بعد کی۔ جن میں ابو مخنف نے حضرت علی کو وصی رسول اللہ کہا ہے اور یہاں تک ابن ابی حدید نے لکھ کر یہ کہا۔ کہ یہ وہ اشعار ہیں۔ جو ابو مخنف نے "وقعۃ الجمل" میں لکھے ہیں۔ کیونکہ ان اشعار کا نقل کرنا اس کے تشیع کی گواہی کے لیے کافی ہے۔ ورنہ وہ ان کو ذکر ہی نہ کرتا۔ جیسا کہ غالباً اہل سنت کی عادت ہے۔ کہ جو شخص شیعہ ہو وہ ان کے اشعار نقل نہیں کرتے۔ لہذا ابو مخنف کے امامی شیعی ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہونا چاہیئے۔

اعیان الشیعہ :

قَالَتِ الْعُلَمَاءُ اَبُوْمخنف بِاَمْرِ الْعِرَاقِ وَاَخْبَارِهَا وَفُتُوْحِهَا يَزِيْدُ عَلٰى غَيْرِهٖ وَالْمُدَائِنِيُّ بِاَمْرِ خراسان وَالْهِنْدِ وَالْفَارِسِ وَالْوَاقِدِيُّ بِالْحِجَازِ

وَالسِّیْرَةِ وَقَدِ اشْتَرَکُوا فِیْ فُتُوْحِ الشَّامِ۔ اِثْنَانِ مِنَ الثَّلَاثَةِ شِیْعَةٌ ابو مخنف والواقدیؒ۔ (المائتہ الثانیة)

(اعیان الشیعہ جلد اول ص ۱۵۳)

ترجمہ:

شیعہ علماء کہتے ہیں۔ کہ عراق کے واقعات، فتوحات اور اخبار کا سب سے زیادہ جاننے والا ابو مخنف ہے۔ اور خراسان، ہندوستان اور ایران کے معاملات کا ماہر مدائنی تھا۔ حجاز اور سیرت پر مضبوط گرفت رکھنے والا واقدی تھا۔ یہ تینوں فتوح الشام کے موضوع پر لکھنے والے باہم مشترک ہیں۔ ان تین میں سے دو یعنی ابو مخنف اور واقدی شیعہ ہیں۔ (اور مدائنی اہل سنت میں سے ہے۔)

ہشام بن محمد بلاشبہ شیعہ ہے

تنقیح المقال:

هِشَامُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ السَّائِبِ اَبُو الْمُنْذِرِ النَّاسِب الکلبی اِنَّ کَوْنَ الرَّجُلِ اِمَامِیًا لَا شُبْهَةَ فِیْهِ کَمَا یُسْتَفَادُ مِنْ کَلَامِ النَّجَاشِیّ۔

(تنقیح المقال جلد سوم ص ۳۰۲ من ابواب الہاء)

ترجمہ:

ہشام بن محمد السائب الکلبی کے امامی شیعہ ہونے میں کوئی شبہ

نہیں۔ جیسا کہ نجاشی کے کلام سے اس کا ثبوت ہوتا ہے۔

اعیان الشیعہ:

مُؤلِّفُوا الشِّیْعَۃِ فِی التَّارِیْخِ وَالسِّیَرِ وَالْمَغَازِیْ وَمِنْھُمْ ھِشَامُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ السَّائِبِ الْکَلْبِیِّ۔

(اعیان الشیعہ جلد اول ص ۱۵۴ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:

سیرت تاریخ اور مغازی میں جن شیعہ مصنفین نے تصانیف لکھیں۔ ان میں سے ایک ہشام بن محمد بن سائب کلبی بھی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ ہشام بن محمد السائب اور اس کا استاد ابو مخنف صرف علمائے اہل سنت کی تحقیق کے مطابق ہی شیعہ نہیں بلکہ انہیں خود شیعہ علماء بھی امامی شیعی کہتے ہیں۔ اگر کسی شیعہ نے ابو مخنف کو سنی کہنے کی جرارت کی۔ تو صاحب تنقیح المقال نے اس کی خوب خبر لی۔ اور اسے خرافات کے طور پر پیش کیا۔ یعنی ابن ابی حدید نے ابو مخنف کو شیعیت سے خارج کر کے ایک خرافات کی ہے۔ اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ خرافات کی وجہ بھی بیان کر دی۔ یعنی جبکہ واقعہ جمل کے ضمن میں اس کے اشعار اور خبر یہ کلام اس امر کی صراحت کرتا ہے۔ کہ اس کے نزدیک حضرت علی وصی رسول اللہ ہیں۔ تو پھر اس عقیدہ کے ہوتے ہوئے اسے شیعیت سے خارج کر کے ایک خرافات کرنا کس قدر تعجب کی بات ہے۔ ہشام بن محمد اور ابو مخنف کے شیعہ ہونے پر شیعہ سنی دونوں متفق ہیں۔ پھر ایسے لوگوں کی روایت سے امیر معاویہ پر طعن

کی بجائے اور کس امر کی توقع ہو سکتی ہے۔ لہذا تاریخ طبری میں ابن جریر کا ان کی روایات کا سہارا لے کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ طعن ذکر کرنا کہ انہوں نے مغیرہ بن شعبہ وغیرہ کو گورنر اس شرط پر مقرر کیا تھا۔ کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ پر سب و شتم کریں ایک طرف ابن جریر کے تشیع کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اور دوسری طرف ہشام اور ابو مخنف کے خبث باطنی کی آئینہ دار ہے۔ بلکہ معلوم یہ ہوتا ہے۔ کہ امیر معاویہ کی طرف سے گورنروں کی شرط ہشام اور ابو مخنف ان دونوں میں سے کسی ایک کی اختراع ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار
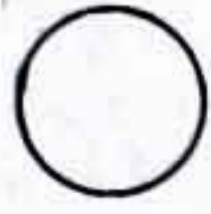
جواب طعن دوم

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ گورنر حضرت علی المرتضیٰ پر سب وشتم نہیں کرتے تھے بلکہ قاتلانِ عثمان کو بُرا بھلا کہتے تھے

زیدی شیعی کے مذکور طعن میں امر دوم یہ تھا۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ گورنر یکے بعد دیگرے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر لعنت بھیجتے تھے۔ تو اس سلسلہ میں حقیقت کیا ہے۔ آییئے ذرا اس بارے میں معاملہ کی تہ تک پہنچیں۔ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کو ہر شخص یہ سمجھتا تھا۔ کہ یہ ظلماً ہوئی۔ چنانچہ حضرت مغیرہ بن شعبہ اور زیاد کا بھی یہی نظریہ تھا یہ دونوں اپنے اپنے خطبوں میں قاتلانِ عثمان غنی پر لعن طعن کیا کرتے تھے۔ لیکن تاریخ طبری سمیت کسی کتاب سے زیدی شیعی یہ نہیں دکھا سکتا۔ کہ ان دونوں نے کسی خطبہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نام لے کر ان پر لعن طعن کیا ہو۔ بلکہ ان کا طریقہ یہ تھا۔ کہ جو بھی قاتلانِ عثمان کے زمرہ میں آتا وہ

عمومی انداز میں اُسے بُرا بھلا کہتے تھے۔ یعنی قاتلانِ عثمان پر خدا کی لعنت
حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو تاثر تھا وہ یہ کہ آپ نے ان
قاتلوں سے قصاص لینے میں جلدی نہ کی۔ آپ کا یہ فعل کچھ لوگوں کو ناپسند تھا۔ یہ
نہیں کہ آپ بھی قاتلانِ عثمان میں سے ہونے کی وجہ سے لوگوں کے نزدیک
مطعون تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خود بھی قاتلانِ عثمان پر لعنت بھیجا کرتے
تھے۔ اور ان سے بیزاری کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ لیکن کچھ لوگوں نے یہ تاثر
پھیلا دیا تھا۔ کہ قاتلانِ عثمان کو برا بھلا کہنے والا نام لیے بغیر حضرت علی کو بھی بُرا بھلا
کہہ دیتا ہے۔ اسی تاثر کی بنا پر حجر بن عدی جب مغیرہ بن شعبہ یا زیاد سے برسر
منبر قاتلانِ عثمان کے بارے میں لعن طعن کے الفاظ سنتے۔ تو یہ سمجھتے۔ کہ اس طرح
یہ لعن طعن کرنے والا حضرت علی المرتضےٰ کو بھی بُرا بھلا کہہ رہا ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز
نہ تھا۔ اسی مغالطہ کی بنا پر مغیرہ بن شعبہ اور زیاد کو حجر بن عدی جھوٹا بھی کہتے۔
حالانکہ ان دونوں کا طریقہ اور حضرت علی المرتضےٰ کا طریقہ ایک ہی تھا۔ یعنی تینوں
حضرات قاتلانِ عثمان کی مذمت کیا کرتے تھے۔ تاریخ طبری نے جو الفاظ
لکھے ہیں۔ ذرا اُن پر نظر دوڑالی جائے۔

تاریخ طبری

وَاِقَامَةُ الْمُغِيْرَةِ عَلَى الْكُوْفَةِ عَامِلاً لِمُعَاوِيَةَ سَبْعَ سِنِيْنَ وَاَشْهُرٍ وَهُوَ مِنْ اَحْسَنِ شَيْئٍ سِيْرَةً وَاَشَدَّ حُبًّا لِلْعَافِيَةِ غَيْرَ اَنَّهُ لَا يَدَعُ ذَمَّ عَلِيٍّ وَالْوُقُوْعَ فِيْهِ وَالْعَيْبَ لِقَتَلَةِ عُثْمَانَ وَاللَّعْنَ عَلَيْهِمْ وَالدُّعَاءَ لِعُثْمَانَ بِالرَّحْمَةِ

وَالْاِسْتِغْفَارَ لَهٗ وَالتَّزْكِيَةَ لِاَصْحَابِهٖ فَكَانَ حَجَرُ بْنُ عَدِيٍّ اِذَا سَمِعَ ذَالِكَ قَالَ بَلْ اِيَّاكُمْ فَذَمَّمَ اللّٰهُ وَلَعَنَ ثُمَّ قَامَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَاِنِّيْ اَشْهَدُ اَنَّ مَنْ تَذُمُّوْنَ وَتُعَيِّرُوْنَ لَاَحَقُّ بِالْفَضْلِ وَاَنَّ مَنْ تُزَكُّوْنَ وَتُطَهِّرُوْنَ اَوْلٰى بِالذَّمِّ فَيَقُوْلُ لَهُ الْمُغِيْرَةُ يَا حَجَرُ لَقَدْ رُمِيَ بِسَهْمِكَ اِذْ كُنْتُ اَنَا الْوَالِيْ عَلَيْكَ يَا حَجَرُ وَيْحَكَ اِتَّقِ السُّلْطَانَ اِتَّقِ غَضَبَهٗ وَسَطْوَتَهٗ فَاِنَّ غَضْبَةَ السُّلْطَانِ اَحْيَانًا مِمَّا يُهْلِكُ اَمْثَالَكَ كَثِيْرًا ثُمَّ يَكُفُّ عَنْهُ وَيَصْفَحُ فَلَمْ يَزَلْ حَتّٰى كَانَ فِيْ اٰخِرِ اِمَارَتِهٖ قَامَ الْمُغِيْرَةُ فَقَالَ فِيْ عَلِيٍّ وَعُثْمَانَ كَمَا كَانَ يَقُوْلُ وَكَانَتْ مَقَالَتُهٗ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَتَجَاوَزْ عَنْهُ وَاجْزِهٖ بِاَحْسَنِ عَمَلِهٖ فَاِنَّهٗ عَمِلَ بِكِتَابِكَ وَاتَّبَعَ سُنَّةَ نَبِيِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَمَعَ كَلِمَتَنَا وَحَقَنَ دِمَاءَنَا وَقُتِلَ مَظْلُوْمًا اَللّٰهُمَّ فَارْحَمْ اَنْصَارَهٗ وَاَوْلِيَاءَهٗ وَمُحِبِّيْهِ وَالطَّالِبِيْنَ بِدَمِهٖ وَيَدْعُوْا قَتَلَتَهٗ فَقَامَ حَجَرُ بْنُ عَدِيٍّ فَنَعَرَ نَعْرَةً بِالْمُغِيْرَةِ سَمِعَهَا كُلُّ مَنْ كَانَ فِي الْمَسْجِدِ وَخَارِجًا مِنْهُ فَقَامَ مَعَهٗ اَكْثَرُ مِنْ ثُلُثَيِ النَّاسِ يَقُوْلُ صَدَقَ حَجَرٌ۔

(تاریخ طبری جلد ۲ ص ۱۴۱ سن ہجری ۵۱)

ترجمہ:

حضرت امیر معاویہ کی طرف سے جناب مغیرہ بن شعبہ سات سال سے کچھ اوپر تک کوفہ کے عامل (گورنر) رہے۔ وہ سیرت کے اعتبار سے بہترین آدمی تھے۔ اور معاف کر دینا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ ہاں وہ حضرت علی کی مذمت سے باز نہ آتے تھے۔ ان کی عیب جوئی کرتے۔ اور قاتلانِ عثمان پر لعن طعن کرتے۔ اور خود حضرت عثمان کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحمت و مغفرت کی درخواست کرتے اور ان کے ساتھیوں کی پاکیزگی بیان کرتے۔ جب حجر بن عدی یہ سب کچھ سنتے۔ تو کہتے۔ کہ یہ سب کچھ تم ہی ہو یعنی جو کچھ تم نے قاتلان عثمان کو یا حضرت علی کو کہا۔ ان باتوں کے مستحق تم خود ہو۔ پھر کھڑے ہو کر کہتے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ حق و انصاف کی گواہی دینے والے بن جاؤ۔ اور میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ جس کی تم مذمت اور عیب جوئی کرتے ہو۔ وہ فضیلت کے اعتبار سے تم سے بڑھ کر ہے۔ اور جن کی پاکدامنی اور خوبیاں بیان کرتے ہو۔ وہ قابل مذمت ہیں۔ یہ سن کر انہیں مغیرہ کہتے۔ اے حجر! تو نے مجھ پر تیر مارا۔ دیکھو میں تمہارا والی ہوں۔ اے حجر! افسوس ہے۔ خلیفہ کے غصہ اور رعب سے ڈرو۔ بعض دفعہ اس کا غصہ تم جیسے لوگوں کی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔ یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے۔ اور درگزر فرماتے۔ یونہی معاملہ چلتا رہا۔ گورنری کے آخری ایام میں ایک مرتبہ جناب مغیرہ نے کھڑے ہو کر حضرت علی و عثمان کے بارے میں وہی کچھ کہا۔ جو وہ پہلے کہا کرتے تھے

ان کی گفت گو یہ تھی۔ اے اللہ! عثمان بن عفان پر رحم فرما۔ ان کی خطائیں معاف کردے۔ ان کے اعمال کی انہیں اچھی جزا عطا فرما کیونکہ انہوں نے تیری کتاب پر عمل کیا۔ تیرے نبی کی سنت کی اتباع کی۔ ہمارے اتحاد کو قائم رکھا۔ اور ہمارے خون کی حفاظت کی۔ وہ ظلماً قتل کیے گئے۔ اے اللہ! ان کے ساتھیوں پر بھی رحم فرما۔ ان کے دوستوں اور معاونین پر بھی مہربانی کر۔ ان کے خون کا قصاص طلب کرنے والوں پر رحمت نازل فرما۔ اور ان کے قاتلوں کے لیے بد دعا کی۔ یہ سب کچھ سُن کر حجر بن عدی اُٹھے۔ انہوں نے مغیرہ کے خلاف اس زور سے نعرہ لگایا۔ کہ تمام حاضرین مسجد کے علاوہ مسجد سے باہر والوں نے بھی وہ سُنا۔ اس کے ساتھ ہی موجود لوگوں میں سے دو تہائی لوگ ان کی ہم نوائی میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور سب بول پڑے حجر بن عدی سچ کہتا ہے۔

تبصرہ:

تاریخ طبری کے مذکورہ حوالہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ جناب مغیرہ بن شعبہ جہاں عثمان غنی اور ان کے ساتھیوں کے حق میں دعائیہ کلمات کہتے وہاں ان کے قاتلوں کی مذمت اور ان پر لعن طعن کرتے۔ لیکن اس سب کچھ میں حضرت علی کو کبھی بھی انہوں نے شمار نہ کیا۔ اس عمومی لعن طعن پر حجر بن عدی کھڑے ہو کر ان کی مخالفت کرتے۔ لیکن یہ سب کچھ آپ خندہ پیشانی سے برداشت کرتے۔ صرف حجر بن عدی کو تنبیہ کرتے۔ کہ تمہارا رویہ خود تمہارے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن انہیں اس کی پرواہ نہ ہوتی۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ امیر معاویہ

پر یہ الزام دھرنا کہ انہوں نے مغیرہ بن شعبہ کو یہ ہدایت کر رکھی تھی۔ کہ تم نے اپنے ہر خطبہ میں علی المرتضےٰ پر لعن طعن کرنا ہے۔ بالکل غلط اور بے اصل ہے اسی طرح زیاد کے خطبوں میں بھی یہی کچھ ہوتا۔ اور مغیرہ بن شعبہ کی طرح حجر بن عدی زیاد کے خطاب کے دوران بھی بول پڑتے۔ اور کنکریاں تک اٹھا کر ان پر پھینکتے۔ اس لیے زیدی شیعہ کا یہ الزام قطعاً درست نہیں۔ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں سے حضرت علی المرتضیٰ پر لعن طعن کرایا کرتے تھے۔ خود شیعہ تصانیف بھی یہی کہتی ہیں۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

حجر بن عدی اموی گورنر پر دوران خطبہ سنگ باری شروع کر دیا کرتے تھے

اخبار الطوال:

قَالُوْا وَقَدْ كَانَ مُعَاوِيَةُ خَلَّفَ عَلَى الْكُوْفَةِ حِيْنَ شَخَصَ مِنْهَا الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ لِيَخْطُبَ فَحَصَبَهُ حُجْرُ بْنُ عَدِيٍّ وَكَانَ مِنْ شِيْعَةِ عَلِيٍّ فِيْ نَفَرٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ فَنَزَلَ مُسْرِعًا مِّنَ الْمِنْبَرِ وَدَخَلَ قَصْرَ الْاِمَارَةِ وَبَعَثَ اِلٰى حُجْرٍ بِخَمْسَةِ اٰلَافِ دِرْهَمٍ تَرْضَاهُ بِهَا فَقِيْلَ لِلْمُغِيْرَةِ لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا وَفِيْهِ عَلَيْكَ وَهْنٌ وَغَضَاضَةٌ؟ فَقَالَ لَا قَدْ قَتَلْتُهُ بِهَا۔ فَلَمَّا

مَاتَ الْمُغِيْرَةُ وَجَمَعَ مُعَاوِيَةُ لِزِيَادٍ الْكُوْفَةَ اِلَى الْبَصْرَةِ كَانَ يُقِيْمُ بِالْبَصْرَةِ سِتَّةَ اَشْهُرٍ وَبِالْكُوْفَةِ مِثْلَ ذَالِكَ فَخَرَجَ فِيْ بَعْضِ خَرَجَاتِهِ اِلَى الْبَصْرَةِ وَخَلَّفَ عَلَى الْكُوْفَةِ عَمْرُو بْنُ حُرَيْثٍ الْعَدَوِيَّ فَصَعِدَ عَمْرُو بْنُ حُرَيْثٍ ذَاتَ جُمُعَةٍ عَلَى الْمِنْبَرِ لِيَخْطُبَ وَقَعَدَ لَهُ حَجَرُ بْنُ عَدِيٍّ وَاَصْحَابُهُ فَحَصَبُوْهُ فَنَزَلَ مِنَ الْمِنْبَرِ فَدَخَلَ الْقَصْرَ وَاَغْلَقَ بَابَهُ۔

(اخبار الطوال ص ۲۲۳ ذکر بین المعاویہ وعمرو بن العاص)

ترجمہ:

بیان کرتے ہیں۔ کہ امیر معاویہ نے جب کوفہ سے روانگی کا ارادہ کیا۔ تو یہاں کا گورنر مغیرہ بن شعبہ کو مقرر کیا۔ جناب مغیرہ ایک مرتبہ جمعہ کا خطبہ دینے کے لیے منبر پر چڑھے۔ تو حجر بن عدی نے اپنے ساتھیوں کی موجودگی میں ان پر کنکریاں پھینکیں۔ یہ فوراً منبر سے اتر کر قصر امارت میں گئے۔ اور وہاں سے پانچ ہزار دراہم حجر کے لیے بھیجے۔ تاکہ ان کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے۔ مغیرہ سے لوگوں نے پوچھا۔ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ اس میں تو آپ کی کمزوری اور ڈرپوکی کا اظہار ہوتا ہے۔؟ کہنے لگے۔ ایسا نہیں بلکہ میں نے تو ان درہموں کے ذریعہ انہیں ٹھنڈا کر دیا ہے۔ پھر جب مغیرہ کا انتقال ہو گیا تو امیر معاویہ نے کوفہ کی گورنری زیاد کے سپرد کی۔ اور اس کے

ساتھ بصرہ کا بھی عامل اسی کو مقرر کر دیا۔ زیاد چھ مہینے بصرہ اور چھ مہینے کوفہ میں رہتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی کام کی خاطر یہ بصرہ جانے لگا۔ اور کوفہ پر عمرو بن حریث العدوی کو اپنا نائب مقرر کر دیا۔ تو یہی نائب عمرو بن حریث ایک جمعہ کا خطبہ دینے کے لیے منبر پر چڑھا تو حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں نے اس پر بھی کنکریاں پھینکیں یہ منبر سے اتر کر سیدھا قصر امارت میں گیا۔ اور دروازہ بند کر دیا۔

تبصرہ:

حجر بن عدی اور ان کے رفقاء کا طرز عمل ہم نے دونوں مکتبہ فکر کی کتب سے پیش کیا ہے۔ جناب مغیرہ بن شعبہ اور زیاد اپنے اپنے خطبوں کے دوران قاتلانِ عثمان کو بُرا بھلا کہتے تھے۔ لیکن اس غلط تاثر کی بنا پر کہ حضرت علی نے چونکہ فوراً ان سے قصاص نہ لیا۔ اس لیے لوگوں نے انہیں بھی قتل عثمان میں برابر کا شریک سمجھا۔ اس کی وجہ سے اگرچہ کوئی حضرت علی کا نام نہ بھی لیتا۔ تو بھی مخالف یہی سمجھتا۔ کہ قاتلانِ عثمان کو سب و شتم کرنے والا حضرت علی کو بھی ایسا ہی کہہ رہا ہے۔ لہذا قاتلانِ عثمان کو کوئی بھی بُرا بھلا کہتا۔ تو وہ اِن شیعیان علی اور حجر بن عدی وغیرہ کی نوک جھونک سے محفوظ نہ رہتا۔ اور یہ بھی بات قابل ذکر ہے۔ کہ حجر بن عدی وغیرہ کا یہ طرز عمل کوئی اصلاحی نہ تھا، بلکہ تخریبی اور باغیانہ تھا۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے مغیرہ سے اجازت طلب کی۔ کہ ہمیں ان کی گردن مارنے کا حکم دیا جائے بلکہ جب زیاد کو دوران خطبہ حجر بن عدی نے جھوٹا کہا۔ اور اس پر لعنت بھیجی۔

ساتھ بصرہ کا بھی عامل اسی کو مقرر کر دیا۔ زیاد چھ مہینے بصرہ اور چھ مہینے کوفہ میں رہتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی کام کی خاطر یہ بصرہ جانے لگا۔ اور کوفہ پر عمرو بن حریث العدوی کو اپنا نائب مقرر کر دیا۔ تو یہی نائب عمرو بن حریث ایک جمعہ کا خطبہ دینے کے لیے منبر پر چڑھا تو حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں نے اس پر بھی کنکریاں پھینکیں یہ منبر سے اتر کر سیدھا قصر امارت میں گیا۔ اور دروازہ بند کر دیا۔

تبصرہ:

حجر بن عدی اور ان کے رفقاء کا طرز عمل ہم نے دونوں مکتبہ فکر کی کتب سے پیش کیا ہے۔ جناب مغیرہ بن شعبہ اور زیاد اپنے اپنے خطبوں کے دوران قاتلانِ عثمان کو بُرا بھلا کہتے تھے۔ لیکن اس غلط تاثر کی بنا پر کہ حضرت علی نے چونکہ فوراً ان سے قصاص نہ لیا۔ اس لیے لوگوں نے انہیں بھی قتل عثمان میں برابر کا شریک سمجھا۔ اس کی وجہ سے اگرچہ کوئی حضرت علی کا نام نہ بھی لیتا۔ تو بھی مخالف یہی سمجھتا۔ کہ قاتلانِ عثمان کو سب و شتم کرنے والا حضرت علی کو بھی ایسا ہی کہہ رہا ہے۔ لہذا قاتلانِ عثمان کو کوئی بھی بُرا بھلا کہتا۔ تو وہ ان شیعیان علی اور حجر بن عدی وغیرہ کی نوک جھونک سے محفوظ نہ رہتا۔ اور یہ بھی بات قابل ذکر ہے۔ کہ حجر بن عدی وغیرہ کا یہ طرز عمل کوئی اصلاحی نہ تھا، بلکہ تخریبی اور باغیانہ تھا۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے مغیرہ سے اجازت طلب کی۔ کہ ہمیں ان کی گردن مارنے کا حکم دیا جائے بلکہ جب زیاد کو دوران خطبہ حجر بن عدی نے جھوٹا کہا۔ اور اس پر لعنت بھیجی۔

تو اس نے بھی یہی کہا تھا۔ کہ تمہارا باغیانہ انداز درست نہیں۔ اس کا انجام کسی وقت بھی بُرا نکل سکتا ہے۔ بغاوت از خود ایک فتنہ ہے۔ امیر معاویہ نے غالباً اسی فتنہ کو بند کرنے کے لیے حجر بن عدی کو قتل کرایا۔ جیسا کہ وہ خود بھی یہی کہتے ہیں۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہ نے مغیرہ اور زیاد کو اس کا پابند نہیں کیا تھا۔ کہ وہ دوران خطبہ حضرت علی کو گالیاں دیں۔ اب ناظرین آپ ہی بتائیں۔ کہ قاتلان عثمان کو بُرا بھلا کہہ کر مغیرہ اور زیاد نے کونسا جرم کیا ہے۔ اگر یہ جرم ہے۔ تو یہی جُرم حضرت علی سے بھی سرزد ہوا۔ اب جھوٹے واقعات کی آڑ میں امیر معاویہ کو بُرا بھلا کہنا کونسی دانشمندی ہے۔ پھر عجیب بات یہ ہے۔ کہ حجر بن عدی نے مغیرہ وغیرہ کو بعض دفعہ اس وقت تنگ کرنا اور کنکریاں مارنا شروع کیں۔ جب ابھی انہوں نے خطبہ شروع بھی نہ کیا تھا۔ نہ کسی پر لعن طعن کیا اور نہ کسی کی تعریف و توصیف کے لیے لب کشائی کی۔ یہ انداز کس امر کی نشاندہی کرتا ہے۔ پچھلے حوالہ میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ کہ کنکریاں مارنے کے عوض میں مغیرہ نے حجر بن عدی کو پانچ ہزار درہم دیئے۔ اور کہا۔ کہ میں نے اس طریقہ سے حجر کو قتل کر دیا ہے۔ اخبار الطوال میں اس قتل کی وضاحت موجود نہیں۔ لیکن تاریخ طبری نے اس کی تاویل بیان کرتے ہوئے لکھا۔ کہ

تاریخ طبری:

فَقَالَ لَهُمُ الْمُغِيْرَةُ اِنِّيْ قَدْ قَتَلْتُهُ اَيْ اَنَّهُ سَيَاْتِيْ اَمِيْرٌ بَعْدِيْ فَيَحْسِبُهُ مِثْلِيْ فَيَصْنَعُ بِهِ شَبِيْهًا بِمَا تَرَوْنَهُ يَصْنَعُ بِيْ فَيَاْخُذُ

عِنْدَ اَوَّلِ وَهْلِهِ فَيَقْتُلَهُ شَرَّ قتلہ۔

(طبری جلد ۶ ص ۱۴۲)

ترجمہ:

مغیرہ نے لوگوں سے کہا۔ کہ میں نے پانچ ہزار درہم دے کر حجر کو قتل کر دیا۔ یعنی عنقریب میرے بعد کوئی امیر آئے گا۔ تو حجر اس کے ساتھ بھی یہی رویہ برتے گا۔ جو اس نے میرے ساتھ برتا۔ تو وہ اِسے پہلی فرصت میں ہی گرفت میں لے لیگا۔ اور بہت بُری طرح قتل کر دے گا۔

اس سے صاف واضح ہوتا ہے۔ کہ جناب مغیرہ بن شعبہ نے باوجود گورنر ہونے کے ہمیشہ حجر بن عدی سے درگزر کیا۔ لیکن وہ جانتے تھے۔ کہ اس قسم کی روک ٹوک حجر کی عادتِ ثانیہ بن چکی ہے۔ لہذا اس کا نتیجہ قتل ہی دکھائی دیتا ہے۔ آپ نے اس کی کج فہمی کو پانچ ہزار درہم دے کر اور مضبوط کر دیا۔ وہ سمجھا کہ مجھ سے ڈر کر پانچ ہزار درہم دیئے جا رہے ہیں۔

لہذا وہ اپنے رویہ پر نادم ہونے کی بجائے اور پھولا نہ سمایا۔ حضرت مغیرہ چاہتے تھے۔ کہ حجر کا خون میرے دامن کو نہ گندا کرے۔ اس لیے وہ اعلیٰ حکمت عملی سے اپنا وقت گزار گئے۔ اور حجر بن عدی نے رویہ تبدیل نہ کیا۔ لہذا حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی طرح بھی حجر بن عدی کے معاملہ میں مجرم قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ اور نہ ہی کوئی۔ ایک مرفوع اور صحیح روایت اس بارے میں مل سکتی ہے۔ جس کے راوی اہل سنت میں سے ہوں۔ اور

اس میں یہ مذکور ہو۔ کہ حضرت امیر معاویہ نے اپنے گورنر مغیرہ بن شعبہ کو حضرت علی پر سب و شتم کا حکم دیا تھا۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

○
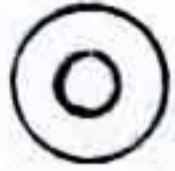
طعن سوم کا جواب اول

حجر بن عدی کی بغاوت پر صحیح اور ثقہ شہادتیں قائم ہوئی تھیں

امر سوم یہ تھا۔ کہ زیاد نے حجر بن عدی کے خلاف جھوٹی گواہیاں دینے والے اور جھوٹی تحریری گواہیاں بھی امیر معاویہ کے پاس بھیجیں اس کا ثبوت قاضی شریح کی تحریر ہے۔ جب انہیں پتہ چلا۔ کہ میرا نام بھی ان لوگوں میں سے ہے۔ جن کی تحریری گواہیاں امیر معاویہ کو بھیجی گئیں اور ان میں حجر بن عدی کو مجرم ثابت کیا گیا ہے۔ تو قاضی شریح نے اس پر امیر معاویہ کو لکھا۔ میرے نزدیک حجر بن عدی راتوں کو جاگنے والا، بہت روزے رکھنے والا اور نیک آدمی ہے۔

اس الزام کا ایک جواب یہ ہے۔ کہ قاضی شریح یا چند اور آدمیوں کی جھوٹی گواہی سے تمام گواہوں کا جھوٹا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ نیز صاحب البدایہ والنہایہ نے قاضی شریح کی بات بھی ‘‘یقال’’ کے ساتھ تحریر کی۔ جس کی حقیقت خود محل نظر ہے۔ گویا قاضی شریح کی بات

بھی اس قدر مضبوط نہیں کہ اُسے بے دھڑک ذکر کیا جائے۔ علاوہ ازیں جو اعتراضات حجر بن عدی پر تھے۔ اور جن کی بابت اس کے خلاف گواہ بھیجے گئے وہ یہ تھے۔ کہ حجر بن عدی خلیفہ کو گالی دیتا ہے۔ امیر سے لڑتا ہے اور خلافت کو آل علی بن ابی طالب کے لیے مخصوص مانتا ہے۔ ان امور میں سے کون سا امر ایسا ہے۔ جو خواہ مخواہ حجر بن عدی پر الزام کے طور پر لگایا جا رہا ہے۔ یہ تینوں باتیں گزشتہ حوالہ جات کی روشنی میں خود حجر بن عدی میں موجود تھیں یَسُبُّوْنَ مُعَاوِیَۃَ وَیَتَبَرَّؤُوْنَ مِنْہُ یعنی حجر بن عدی اور اس کے ساتھی امیر معاویہ کو گالی دیتے اور ان سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے۔ حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں نے مغیرہ بن شعبہ کو بُرا بھلا کہا اور پھر زیاد پر کنکریاں پھینکیں۔ جب زیاد نے ان کی گرفتاری کے لیے آدمی بھیجے۔ تو ان سے مسلح تصادم کیا گیا۔ اور خلافت آل علی بن ابی طالب کے لیے مختص ماننا۔ ان میں سے کوئی بھی بات غلط نہ تھی۔ تاکہ اس کے ثبوت کے لیے کسی گواہ کو غلط کہا جا سکے۔ یہ گواہی دینے والے تین آدمی تھے۔ اخبار الطوال میں ان کے نام اس طرح لکھے ہیں

اخبار الطوال:

وَبَعَثَ زِیَادٌ بِثَلَاثَۃِ نَفَرٍ مِّنَ الشُّھُوْدِ یَشْھَدُوْا عِنْدَہٗ بِمَا فَعَلَ حَجَرٌ وَّاَصْحَابُہٗ مِنْھُمْ اَبُوْ بُرْدَۃَ بْنُ اَبِیْ مُوْسٰی وَشُرَیْحُ بْنُ ھَانِئِ الْحَارِثِیُّ وَاَبُوْ عُبَیْدَۃَ التَّمِیْمِیُّ

(اخبار الطوال ص ۲۲۴)

ترجمہ:

زیاد نے تین گواہ بھی ساتھ بھیجے۔ تاکہ وہ حجر اور اس کے ساتھیوں کے کرتوتوں کی گواہی دیں۔ ان میں ابو بردہ بن ابی موسیٰ، شریح بن ہانی الحارثی اور ابو عبیدہ التیمی تھے۔ ان تینوں میں سے شریح بن ہانی الحارثی وہ شخص ہے۔ جس کی سچائی خود اہل تشیع کو مسلمہ ہے۔ اور یہ بھی کہ وہ شیعہ تھا۔ صاحب تنقیح المقال نے لکھا ہے۔

تنقیح المقال:

شُرَيْحُ بْنُ هَانِئِ بْنِ يَزِيْدَ الْحَارِثِيُّ مِنْ خُلَّصِ اَصْحَابِ اَمِيْرِالْمُؤْمِنِيْنَ شَهِدَ مَعَهٗ صِفِّيْنَ وَكَانَ اَمِيْرًا عَلٰى مُقَدَّمَةِ الْجَيْشِ الَّتِيْ كَانَتْ مَعَ زِيَادِ بْنِ الْمُنْذِرِ الْحَارِثِيِّ وَلَمَّا لَحِقَهُمَا اُشْتَرُ بِاَمْرِ عَلِيٍّ اَمَرَهٗ اَنْ يَّجْعَلَ زِيَادًا عَلَى الْمَيْمَنَةِ وَشُرَيْحًا عَلَى الْمَيْسَرَةِ اِذَا صَارَفَ مُقَدَّمَةَ مُعَاوِيَةَ وَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰى غَايَةِ اِعْتِمَادِهٖ عَلٰى ثُبَاتِهٖ وَقُوَّتِ اِيْمَانِهٖ۔

(تنقیح المقال جلد دوم ص ۸۳)

ترجمہ:

شریح بن ہانی بن یزید الحارثی الہمدانی جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مخلص ساتھیوں میں سے ایک تھا۔ آپ کے ساتھ جنگ صفین میں موجود تھا۔ اور اس فوجی قافلہ کا سپہ سالار تھا۔ جس کو زیاد بن منذر الحارثی کی سرکردگی میں دیا گیا تھا۔ جب ان دونوں کو اشتر بن مالک حضرت علی کے حکم سے جا ملا۔ تو اس نے کہا۔ کہ زیاد کو میمنہ اور شریح کو میسرہ پر مقرر کیا جائے۔ یہ اس وقت جب امیر معاویہ سے تمہارا آمنا سامنا ہو۔ یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ کو شریح کی طاقت اور ایمان پر انتہائی اعتماد تھا۔

نوٹ

امیر معاویہ کے پاس مذکورہ تین گواہوں کو جو شخص لے کر جا رہا تھا۔ اس کا نام وائل بن حجر ہے۔ اس شخص نے جب حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو امیر معاویہ کے سامنے پیش کیا۔ تو وائل بن حجر اور چند دیگر آدمیوں نے ان کی سفارش کی۔ جس کی وجہ سے امیر معاویہ نے ان میں سے تین آدمی چھوڑ دیئے تھے۔

حوالہ ملاحظہ ہو۔

کامل ابن اثیر

وَشَفَعَ وَائِلُ بْنُ حُجَرٍ فِی الْاَرْقَمِ فَتَرَکَہٗ لَہٗ وَشَفَعَ اَبُو الْاَعْوَرِ السُّلَمِیُّ فِیْ عُتْبَۃَ ابْنِ الْاَخْنَسِ فَتَرَکَہٗ وَشَفَعَ حَمْزَۃُ بْنِ مَالِکٍ الْھَمْدَانِیُّ فِیْ سَعْدِ بْنِ نِمْرَانَ

فَوَهَبَهُ لَهُ وَ شَفَعَ حُبَيْبُ بْنُ مَسْلَمَةَ فِي ابْنِ حُوَيَّةٍ فَتَرَكَهُ لَهُ وَ قَامَ مَالِكُ بْنُ هُبَيْرَةَ السَّكُونِي فَقَالَ دَعْ لِي ابْنَ عَمِّي حَجَرًا فَقَالَ لَهُ هُوَ رَأْسُ الْقَوْمِ وَاَخَافُ اِنْ خُلِّيَتْ سَبِيْلُهُ اَنْ يُفْسِدَ عَلَىَّ مِصْرِهِ

(تاریخ کامل ابن اثیر جلد سوم ص ۴۸۴
ذکر مقتل حجر بن عدی ۵۱ھ)

ترجمہ:

وائل بن حجر نے ارقم، ابوالاعور السلمی نے عتبہ ابن الاخنس، حمزہ بن مالک الہمدانی نے سور بن نمران، حبیب بن مسلمہ نے ابن حویہ کے لیے سفارش کی۔ امیر معاویہ نے ان تمام کی سفارش قبول کر کے ان کو چھوڑ دیا۔ پھر جب مالک بن ہبیرہ السکونی نے کھڑے ہو کر کہا۔ میری خاطر میرے چچازاد بھائی حجر بن عدی کو بھی چھوڑ دیجئے تو جناب امیر معاویہ نے فرمایا۔ یہ تو قوم کا سرغنہ ہے۔ اگر میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ تو شہر کا نظام درہم برہم کر دے گا۔

تبصرہ

مذکورہ حوالہ سے یہ بات معلوم ہوئی، کہ زیاد نے جن لوگوں کی زیر نگرانی حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو امیر معاویہ کے پاس بھیجا تھا۔ ان کی باہم دشمنی نہ تھی۔ ورنہ کوئی بھی کسی کی سفارش نہ کرتا۔ اب خیال آتا ہے۔ کہ جب وائل بن حجر نے سفارش کر کے ارقم کو چھوڑا لیا۔ حالانکہ ارقم بھی حجر بن عدی کے ساتھیوں میں سے تھے۔ تو انہوں نے یا دیگر لوگوں نے ماسوا مالک بن ہبیرہ کے کسی

نے حجر بن عدی کی سفارش نہ کی۔ وائل بن حجر کا حجر بن عدی کی سفارش نہ کرنا دو وجہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ اول یہ کہ ان دونوں کے درمیان عداوت ہو یعنی وائل بن حجر ان لوگوں میں سے ہو۔ جو امیر معاویہ کے حامی اور حضرت علی المرتضیٰ پر سب وشتم کرنے والے تھے۔ اور حجر بن عدی حضرت علی المرتضےٰ کا بہی خواہ اور امیر معاویہ کا دشمن ہو۔ اس دشمنی اور نظریہ کی مخالفت کی بنا پر وائل بن حجر نے حجر بن عدی کی سفارش نہ کی ہو۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے۔ کہ وہ جانتے تھے کہ حجر بن عدی رہائی کے بعد بھی اپنا رویہ تبدیل نہیں کرے گا۔ اور بعد میں کسی وقت بھی اپنے کرتوتوں کی بنا پر گرفتار ہو سکتا ہے۔ جب اس کی دوبارہ گرفتاری عمل میں آئی۔ تو میں امیر معاویہ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ نظر انصاف سے یہی معلوم ہو گا۔ کہ وائل بن حجر کی اس کے حق میں سفارش نہ کرنا دوسری وجہ کی بنا پر تھا۔ ورنہ لازم آئے گا۔ کہ وہ ارقم کی سفارش بھی غلط کر چکے تھے اور دوسری یہ بات بھی ماننی پڑے گی۔ کہ وائل بن حجر دشمنانِ شیر خدا میں سے ہوں۔ حالانکہ جنگ صفین میں وہ ان کے جانثاروں میں سے تھے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

تنقیح المقال:

وائل بن حجر الحضرمی عدہ الثلاثہ و غیرھم من الصحابۃ کان قیلا من اقیال حضر موت و کان ابوہ من ملوکھم بشر النبی بمجیئہ قبل وصولہ الیہ بایام واکرمہ عند وصولہ الیہ وشھد مع امیرالمومنین

صُفِّيْنَ وَكَانَ عَلَىٰ رَأْيِهٖ حَضْرَمَوْتُ يَوْمَئِذٍ
وَيُسْتَفَادُ مِنْ ذَالِكَ حُسْنُ حَالِهٖ۔

(تنقیح المقال جلد سوم ص ۲۷۷
من ابواب الواوٗ)

ترجمہ:

وائل بن حجر الحضرمی کو تینوں نے صحابہ میں شمار کیا ہے۔ حضرموت کے سرداروں میں سے تھے۔ ان کا باپ حضرموت کے بادشاہوں میں سے ایک تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں خوش خبری دی تھی۔ کو چند دن بعد حضرموت کا بادشاہ آئے گا۔ لہذا اس کے آنے پر تم اس کی عزت کرنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پھر انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ کے ساتھ جنگ صفین میں شرکت کی۔ حضرموت کا معاملہ ان کی رائے کے مطابق طے پایا۔ ان تمام باتوں سے ان کی بہتری اور حالات کی صحت کا پتہ چلتا ہے۔

لہذا معلوم ہوا۔ کہ جن لوگوں کی معیت میں حجر بن عدی وغیرہ کو امیر معاویہ کے پاس بھیجا گیا۔ ایک تو وہ ایسی باتوں کے گواہ کے طور پر جا رہے تھے۔ جو حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں میں درحقیقت موجود تھیں۔ حقیقت کی گواہی جھوٹی گواہی نہیں کہلاتی۔ اور دوسری بات یہ کہ جن لوگوں کو ان کا نگران بنایا گیا۔ وہ بھی ان کے ہم نوا اور ہم خیال تھے۔ شریح بن ہانی جو نگران تھا۔ پکا شیعہ تھا۔ اور حضرت علی المرتضیٰ کے جانثاروں میں سے تھا۔ اسی طرح وائل بن حجر بھی حضرت علی المرتضیٰ کا خاص آدمی تھا۔ اس لیے ایک ہی نظریہ کے اور ایک ہی خیال کے لوگ اگر اپنے ہم خیال و ہم مسلک کی سفارش

نہیں کرتے۔ تو صرف اس لیے کہ اس کے فتنہ و فساد سے وہ بخوبی آگاہ تھے۔

مغالطہ:

صاحب تنقیح المقال نے شریح ابن ہانی کے حالات تحریر کرنے کے بعد لکھا۔ کہ یہ شخص وہ تھا۔ جس نے امیر معاویہ کے دربار میں زیاد کی طرف سے حجر بن عدی کے خلاف گواہی دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اور یہ بھی کہ زیاد نے میری گواہی غلط طور پر درج کر دی ہے۔ اس سے یہ ثابت کیا گیا۔ کہ زیاد نے کچھ لوگوں کی جھوٹی گواہی بھی تحریر کی تھی۔ لیکن زیدی شیعی اس کے خلاف لکھتا ہے۔ وجہ یہ ہے۔ کہ زیدی شیعی نے اس کی بجائے قاضی شریح کا نام لکھا۔ لیکن البدایہ والنہایہ میں بھی اس گواہ کا نام قاضی شریح ہی لکھا ہے۔ اسی طرح اخبار الطوال میں شریح بن ہانی کے بارے میں مرقوم ہے۔ کہ اس نے امیر معاویہ کے ہاں حجر بن عدی کے خلاف گواہی دی۔ اور احمد بن داؤد دینوری صاحب اخبار الطوال نے شریح بن ہانی کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ لکھی۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اس گواہ نے حجر بن عدی کے خلاف گواہی نہیں دی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ جس طرح شریح بن ہانی کے دو ساتھیوں نے حجر بن عدی کے خلاف امیر معاویہ کے ہاں گواہی دی تو یقیناً شریح بن ہانی نے بھی ایسا کیا ہو گا۔ ورنہ یہ مذکور

ہوتا۔ کہ ان تین گواہوں میں سے دو نے تو مخالفانہ گواہی دی لیکن تیسرے نے انکار کر دیا۔ جبکہ ایسا نہیں۔ بہر حال ان لوگوں نے وہی کچھ بیان کیا۔ جو حجر بن عدی میں پایا جاتا تھا۔ اور یہ گواہ ویسے بھی حضرت علی المرتضیٰ کے طرفدار ہونے کی وجہ سے حجر بن عدی کے ہم نوا تھے۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ حجر بن عدی کا قتل غلط شہادتوں کی بنا پر نہ ہوا۔ بلکہ وہ واقعاتی گواہیاں تھیں۔ اس لیے اس قتل کا الزام زیاد پر نہیں آ سکتا۔ کہ اس نے جھوٹی

گواہیوں کے ذریعہ حجر بن عدی کو قتل کروایا۔

جواب دوم

حجر بن عدی کو بغاوت پر اکسانے والے بھی کوفی شیعہ تھے اور ان کے خلاف گواہی دینے والے بھی یہی تھے

غلط شہادتوں کی بنا پر قتلِ حجر واقع ہونا ہم اُسے رد کر چکے ہیں۔ یعنی وہ شہادتیں غلط نہ تھیں۔ اور ہم یہ بھی ثابت کر چکے۔ کہ گواہی دینے والوں میں دو آدمی یعنی شریح ابن ہانی اور وائل بن حجر شیعیان علی میں سے تھے! اس لیے یہ کہنا کہ شہادتیں غلط اور پھر شہادتیں دینے والے سُنی تھے۔ دونوں باتیں بعید از قیاس ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ جن لوگوں کی گواہی سے حجر بن عدی کو قتل کیا گیا۔ وہ شیعیانِ علی تھے۔ بلکہ خود حجر بن عدی بھی اس کو صراحت کرتا ہے۔ کہ مجھے مروانے والے اور میرے خلاف گواہی دینے والے میری جماعت کے افراد تھے۔

تاریخ ابن اثیر:

ثُمَّ قَالَ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ عَلٰی اُمَّتِنَا فَاِنَّ اَھْلَ الْکُوْفَۃِ شَھِدُوْا عَلَیْنَا وَاِنَّ اَھْلَ الشَّامِ یَقْتُلُوْنَنَا۔

(۱۔ تاریخ کامل ابن اثیر جلد سوم ص۴۸۵ مطبوعہ بیروت طبع جدید)
(۲۔ تاریخ طبری جلد ۶ ص ۱۵۴، بیروت قدیم)
(۳۔ ابن خلدون جلد سوم ص ۱۶ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:

جب حجر بن عدی کو قتل کیا جانے لگا۔ تو یہ دعا مانگی۔ اے اللہ! ہم اپنے لوگوں کے خلاف تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں۔ یقیناً کوفیوں نے ہمارے خلاف گواہیاں دیں۔ اور شامیوں نے ہمیں قتل کر دیا۔

تبصرہ:

مقام غور ہے۔ کہ زیدی شیعی یہ کہہ رہا ہے۔ کہ سنیوں کی غلط گواہیوں کی وجہ سے حجر بن عدی کو قتل کیا گیا۔ حالانکہ تاریخی حوالہ جات اور خود حجر بن عدی نے آخری لمحات میں جو کچھ کہا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ جن کی گواہیوں

پر اُسے موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ وہ اس کے اپنے ساتھی تھے۔ اور ان ہی میں سے تھے۔ جنہوں نے اسے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا تھا۔ اور یہ وہی تھے جنہوں نے اس کے احکامات کی تعمیل کا اقرار کیا تھا۔ یہی وُہ لوگ تھے جنہوں نے ابتداء میں اس کے حق میں زیاد کی مخالفت بھی مول لی۔ یہی وُہ لوگ تھے جنہوں نے اس کے احکامات کی تعمیل کا اقرار کیا تھا۔ پھر جب موقعہ آیا۔ تو اسے اکیلا چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور پھر اسی کے خلاف گواہیاں بھی دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ بالآخر انہوں سے حجر بن عدی کو قتل تک پہنچنا پڑا۔ جب اسے گرفتار کیا گیا۔ تو یہ لوگ اس کے کسی کام نہ آئے یہی واقعات بوقتِ قتل حجر بن عدی کے سامنے آئے۔ تو اس نے ان نام نہاد شیعیانِ علی کے لیے اللہ کے حضور بد دعا کی۔ اور ان کی بربادی کے لیے اس کے حضور ہاتھ بلند کیے۔

کوفیوں کی غداری ایک دیرینہ عادت تھی

آپ حضرات امام حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ یاد کریں۔ جب کوفہ روانہ ہونے لگے۔ تو ابن عباس اور ابن عمر نے عرض کیا۔ کوفی آپ کے والد کے قتل کے ذمہ دار ہیں۔ آپ کے بھائی امام حسن سے انہوں نے کیا سلوک کیا۔ یہ سب کچھ آپ کو یاد ہے۔ لیکن آپ پھر بھی کوفہ روانہ ہو گئے۔ راستہ میں مسلم بن عقیل اور عبداللہ کی شہادت کی جب آپ کو خبر ملی۔ تو فرمایا۔ قَدْ خَذَ لَتْنَا شِیْعَتُنَا۔ ہمیں ہمارے ہی شیعوں نے ذلیل ورسوا کر دیا ہے۔ (بحوالہ مقتل ابی مخنف) امام جب شہید کر دیئے گئے۔ تو سیدہ زینب نے ان کوفیوں کی غداری کی جو تصویر کھینچی۔ اُسے شیعہ تصنیف جلاء العیون نے یُوں قلمبند کیا ہے۔

جلاء العیون:

بشیر بن جزہا اسدی کہتا ہے۔ کہ اس وقت حضرت زینب دختر امیر المومنین نے اشارہ کیا۔ اور کہا خاموش رہو۔ اس حالت شدت و اضطراب میں اس طرح کلام کرتی ہیں۔ گویا امیر المومنین کلام فرماتے ہیں۔ پس بعد ادائے حمد الہی و درود سیدنا مختار و اہل بیت اخیار و عترت اطہار و غیرہ فرمایا اما بعد۔ اے اہل کوفہ! اے اہل مکر و غدر و حیلہ تم ہم پر گریہ کرتے ہو اور تم نے ہمیں قتل کیا ہے۔ ابھی تمہارے ظلم سے ہمارا رونا موقوف نہیں ہوا ہے۔ اور تمہاری مثل اس عورت کی ہے جو اپنی رسی کو مضبوط بنتی اور کھول ڈالتی تھی۔ تم نے بھی اپنی رسیِ ایمان کو توڑا اور اپنے کفر کی طرف گئے تمہارا دعویٰ مکر سراسر بے اصل اور ایک فن باطل ہے اور مانند خوشامد کنیزاں و عیب جوئی دشمناں اور مثل تمہاری ایسی ہے۔ جیسے گھاس گھوڑے پر اُگی قبر سیاہ و تیرہ تار پر آرائش نقرہ کاری کی گئی ہو۔ تم نے اپنے لیے آخرت میں توشہ و ذخیرہ بہت خراب بھیجا۔ اور اپنے کو ابدالآباد و سزاوار جہنم کیا۔ تم ہم پر گریہ و نالہ کرتے ہو۔ خود تم نے ہی قتل کیا اور خود ہی روتے ہو ہاں اللہ کی قسم تم ہی زیادہ روؤ گے اور کم ہنسو گے۔

(ترجمہ جلاء العیون جلد دوم ص ۲۷۰ مطبوعہ انصاف پریس لاہور)

المختصر یہ کہ حجر بن عدی کے قتل کے ذمہ دار سنی نہیں بلکہ شیعہ ہیں۔ اور جن لوگوں کی گواہیوں سے اسے قتل کیا گیا۔ وہ کوفی اور شیعیان علی تھے۔ اس اقرار کا خود حجر بن عدی نے بھی آخری وقت اپنے الفاظ میں اظہار کیا۔ جب ان لوگوں سے حضرت علی المرتضےٰ، امام حسن و حسین، مسلم بن عقیل اور دیگر جلیل القدر

حضرات نہ بچ سکے۔ اور ان کی غداری کا نشانہ بن گئے۔ تو حجر بن عدی ان کے ساتھی کیا تھے۔ لہٰذا شیعوں کا یہ واویلا کرنا کہ امیر معاویہ نے حجر بن عدی کو قتل کیا۔ اور ان کا کوئی قصور نہ تھا۔ اس لیے امیر معاویہ معاذ اللہ ظالم و قاتل ٹھہرے۔ بالکل فضول ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے شیعیان علی نے حجر بن عدی کو قتل کروایا۔ اس لیے اصل قاتل یہی لوگ ہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

طعن چہارم کا جواب اول

حضرت امیر معاویہ فضائل علی سُنا کرتے اور رویا کرتے تھے

حجر بن عدی وغیرہ کو ان کی موت سے قبل یہ کہا گیا۔ کہ اگر اب بھی تم حضرت علی المرتضٰے پر لعن طعن کردو۔ تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔ انہوں نے موت تو قبول کرلی۔ لیکن یہ تسلیم نہ کیا۔ اس طعن کے بارے میں اول تو ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ اگرچہ البدایۃ والنہایہ اور ابن اثیر میں یہ روایت موجود ہے۔ لیکن دونوں کتابوں میں اس کی کوئی سند بیان نہیں کی گئی۔ ہاں طبری میں اس کی سند موجود ہے۔ اور یہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ کہ صاحب طبری میں تشیع کی وجہ سے اس کی ایسی روایات نامقبول ہیں۔ دوسری بات یہ کہ اس کے راویوں میں ابو مخنف اور نذر بن صالح عبسی ایسے شخص بھی ہیں۔ جن میں سے اول الذکر کٹر شیعہ امامی اور دوسرا مجہول ہے۔ لوط بن یحیٰے ابو مخنف کے امامی شیعی ہونے کی بحث گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے۔ اور نذر بن صالح کے بارے

میں میزان الاعتدال کے یہ الفاظ ہیں۔ النذر بن صالح مجہول۔ اور یہ بھی امر واقعی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب حضرت علی المرتضیٰ کی تعریف سُنا کرتے۔ تو رویا کرتے تھے۔ اور آپ کے فضائل کی تصدیق کیا کرتے تھے۔ ایسے شخص سے یہ توقع کیونکر کی جاسکتی ہے۔ کہ وہ کسی کی معافی کو حضرت علی المرتضیٰ پر سب و شتم کرنے سے مشروط کردے۔ آیئے شیخ صدوق سے اس کی تصدیق لیجئے۔

امالی شیخ صدوق:

قال دخل ضرار بن حمزة النهشلی علی معاویة بن ابی سفیان فقال له صف علیّا قال او تعفینی فقال لا بل صفه لی فقال ضرار رحم الله علیّا کان والله فینا کاحدنا یدنینا اذا تیناه و یجیبنا اذا سالناه ویقربنا اذا زرناه لا یغلق دوننا باب ولا یحجبنا عنه حاجب ونحن والله مع تقریبه لنا وقربه منّا لا نکلّمه لهیبته ولا نبتدیه لعظمته فاذا تبسّم فعن مثل اللؤلؤ المنظوم فقال معاویة زدنی من صفته فقال ضرار رحم الله علیّا کان والله طویل السهاد قلیل الرّقاد یتلو کتاب الله آناء اللیل سدوله وغارت نجومه وهو قابض علی لحیته یتململ تململ السّلیم و یبکی بکآء الحزین وهو یقول یا دنیا الیّ تعرّضت

ام الی تشوقت هیهات

هیهات لا حاجة لی فیک ابنتک ثلاثا لارجعة لی علیک ثم یقول واه واه لبعد السفر و قلة الزاد و خشونة الطریق قال فبکی معاویة و قال حسبک یا ضرار کذالک کان واللہ علیؑ رحم الله ابا الحسن۔

(امالی الصدوق ص ۳۷۱ مجلس ۹۱ مطبوعہ قم طبع قدیم)

ترجمہ:

ضرار بن حمزہ جب امیر معاویہ کے پاس گیا۔ تو انہوں نے کہا حضرت علی المرتضٰی کی شان میں کچھ کہو۔ کہنے لگا۔ کیا آپ مجھے معاف نہیں کر سکتے۔ فرمایا۔ نہیں کچھ نہ کچھ ضرور کہو۔ اس پر ضرار بولا۔ اللہ تعالٰی حضرت علی پر رحم فرمائے۔ وہ ہم میں ایسے تھے کہ جب بھی ہم میں سے کوئی ان کے پاس جاتا۔ وہ اسے قریب بٹھاتے اور اگر کوئی سوال کرتا تو اس کا جواب عطا فرماتے۔ بوقتِ زیارت قرب عطا فرماتے۔ اور ان کے دروازے ہمارے لیے ہر وقت کھلے رہتے۔ کوئی پہرے دار ہمارے اور ان کے درمیان آڑے نہ آتا۔ اور خدا کی قسم ہم باوجود اس کے کہ ان سے بہت قریب ہوتے۔ ہمیں پھر بھی ان کی ہیبت سے گفتگو کرنے کی ہمت نہ پڑتی۔ اور ان کی عظمت کے پیش نظر ہمیں گفتگو میں

ابتداء کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ جب وہ تبسم فرماتے۔ تو یوں لگتا۔
کہ موتیوں کا ہار نظر آتا ہے۔ یہ سن کر جناب معاویہ نے فرمایا۔ ذرا اور
فضائل بیان کرو۔ پھر ضرار بولا۔ اللہ ان پر رحم کرے۔ وہ بہت زیادہ
جاگنے والے اور بہت کم سونے والے تھے۔ دن رات میں بکثرت
قرآن کریم پڑھتے۔ اللہ کی محبت میں وارفتہ تھے۔ اور اگر بوقت،
شب کوئی انہیں دیکھ پاتا۔ تو اُسے اس حالت میں نظر آتے۔ کہ
اپنی ریش مبارک ہاتھ میں پکڑی ہوئی زار و قطار رو رہے ہیں۔ اور
وہ کہا کرتے تھے۔ کہ اے دنیا! تو اگر میری طرف آئے یا مجھ سے
منہ پھیرے۔ صد افسوس مجھے تیری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں
نے تجھے تین طلاقیں دے کر ہمیشہ کے لیے اپنے سے جدا کر دیا۔
پھر فرماتے۔ ہائے افسوس! سفر طویل ہے۔ زاد راہ قلیل ہے
راستہ پر خطر ہے۔ یہ سن کر حضرت امیر معاویہ رو پڑے۔
اور فرمانے لگے۔ اے ضرار! رک جاؤ۔ خدا کی قسم! علی المرتضےٰ
ایسے ہی تھے۔ اللہ تعالیٰ ابوالحسن پر رحم فرمائے۔

جواب دوم: لفظ سب کی تحقیق

شیخ صدوق کی عبارت نے واضح کر دیا۔ کہ حضرت
امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ توقع کرنا کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ پر سب و شتم
کرتے تھے۔ یا اس کا حکم دیتے تھے۔ از روئے عقل و نقل ناممکن ہے۔ ذرا
تبلائیے تو سہی کہ جو شخص علی المرتضےٰ کے فضائل و محامد سن کر اُن کی تصدیق
بھی کرے۔ اور پھر زار و قطار رو پڑے۔ کیا اُس سے کوئی عقلمند یہ باور کر

سکتا ہے۔ کہ وہ اُسی تعریف والے کی شخصیت پر لعن طعن کرتے ہوں گے۔؟
لہذا معلوم ہوا۔ کہ عقل سلیم اس بات کو ہرگز تسلیم نہیں کر سکتی۔ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
کی زبان سے حضرت علی المرتضٰے کے بارے میں سب و شتم کے الفاظ نکلتے
تھے۔ اور نقلاً اس لیے ناممکن ہے۔ کہ جن روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے
اُن کا راوی لوط بن یحیٰے ابو مخنف ہے۔ اور یہ افسانہ تراش اور امامی شیعہ
تھا۔ اس سے حضرت امیر معاویہ کے بارے میں اسی قسم کی روایات متوقع
ہو سکتی ہیں۔ اس لیے ایسے شخص کی روایات سے امیر معاویہ کی ذات پر طعن ہرگز
ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور بفرض تسلیم کہ لوط بن یحیٰے کی روایت درجہ صحت
تک پہنچتی ہے۔ پھر بھی سب و شتم کا اطلاق صرف لعن طعن اور گالی گلوچ کے
لیے مخصوص نہیں۔ یہ دیگر مفہوم کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ
بروایت۔ بخاری اسے ود سخت کلامی کے معنی میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔
ملاحظہ ہو۔

بخاری شریف:

فَلَمَّا دَخَلَا قَالَ عَبَّاسُ يَا اَمِيْرَالْمُؤْمِنِيْنَ
اَقْضِ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ هٰذَا وَهُمَا يَخْتَصِمَانِ
فِي الَّتِيْ اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ بَنِي النَّضِيْر
فَاسْتَبَّ عَلِيٌّ وَعَبَّاسٌ

(بخاری شریف جلد دوم ص ۵۷۵)

ترجمہ:

جب حضرت علی اور عباس دونوں سیدنا فاروق اعظم کے

ہاں تشریف لائے۔ تو حضرت عباس بولے۔ اے امیرالمؤمنین! میرے اور اس کے مابین فیصلہ کیجئے۔ دونوں کا جھگڑا اپنی نصیر کے مال غنیمت میں تھا۔ یہ دونوں ایک دوسرے پر "سب" کر رہے تھے۔

حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور یہ اُن کو کیا کہہ رہے تھے؟ اگر معنی گالی گلوچ ہے۔ تو پھر سیدنا عباس نے بھی معاذاللہ حضرت علی المرتضٰے پر سب وشتم کیا۔ اور حضرت علی نے جناب عباس کو بھی گالی سے جواب دیا۔ معاذاللہ۔ معلوم ہوا۔ کہ یہاں اس سے مراد باہم سخت کلامی تھی۔ اور فریقین میں بعض دفعہ ایسا ہو جاتا ہے۔

بلکہ بروایت موطا امام مالک یہ الفاظ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی منسوب ہیں۔ واقعہ یوں ہے۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی طرف تشریف لے گئے۔ تو آپ نے حضرات صحابہ کرام سے فرمایا۔ انشاءاللہ تم کل تبوک چشمہ پر پہنچ جاؤ گے۔ لیکن میرے آنے تک اس کے پانی کو استعمال نہ کرنا۔

موطا امام مالک:

فَجِئْنَاهَا وَقَدْ سَبَقَنَا اِلَيْهَا رَجُلَانِ وَالْعَيْنُ تَبِضُّ بِشَيْءٍ مِنْ مَاءٍ فَسَأَلَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَسَسْتُمَا مِنْ مَائِهَا شَيْئًا فَقَالَا نَعَمْ فَسَبَّهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لَهُمَا مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَقُوْلَ۔

ترجمہ:

ہم وہاں پہنچے۔ لیکن ہم میں سے دو شخص دوسروں کی بہ نسبت وہاں جلدی پہنچ گئے۔ چشمہ میں پانی چمک رہا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ تو ان دونوں سے پوچھا۔ تم نے اس چشمہ کا پانی استعمال تو نہیں کیا؟ عرض کی۔ استعمال کیا ہے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو "سب" دی۔ اور جو اللہ نے چاہا۔ کہہ دیا۔

اس روایت سے بھی معلوم ہوا۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں مردوں کو ڈانٹ پلائی۔ اور سخت سست کہا۔ یہ نہیں کہ آپ نے اُن پر لعن طعن کیا۔ اور گالی گلوچ شروع کر دیا۔ جب "سب" کا معنی صرف لعن طعن اور گالی گلوچ نہیں تو پھر اہل تشیع کو یہ اصرار کیوں کہ "سب" کا معنی گالی گلوچ اور لعن طعن ہی ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ روایت مذکورہ (حجر بن عدی کے قتل والی) ابن جریر نے باسند ذکر کی۔ لیکن خود ابن جریر غیر ثقہ اور ناقابل اعتبار ہے۔ کیونکہ اس میں تشیع تھا اس لیے خاص کر اس کی وہ روایات جس میں "تشیع" کی طرفداری ہو۔ وہ قطعاً قابل قبول نہیں ہو سکتیں۔ اور روایت مذکورہ بھی اسی ضمن میں آتی ہے اور اس شخصیت سے حضرت علی المرتضٰے پر لعن طعن کرنا یا لعن طعن کرنے کا حکم دینا کیونکر متوقع جو اُن کے فضائل سُن کر آبدیدہ ہو جاتا ہو۔ اور ان کی تصدیق کرتا ہو۔ اور پھر یہ احتمال بھی موجود کہ "سب" کا معنی صرف لعن طعن یا گالی دینا ہی نہیں۔ لہٰذا اسے صرف اسی مفہوم پر منحصر کر دینا کونسی علمیت ہے۔ یہ ہیں وہ شواہد کہ جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حجر بن عدی کا طرف

جوامیر معاویہ کی طرف سے یہ پیغام پہنچانے کی روایت آئی ہے۔کہ علی المرتضیٰ کو بُرا بھلا کہو۔تو چھوٹ جاؤ گے۔ بالکل غلط ہے۔نہ عقل اسے تسلیم کرے۔اور نہ نقل ایسی کہ اس پر یقین کیا جاسکے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

طعن پنجم کا جواب

جن اموی گورنروں پر شیعوں کو اعتراض ہے وہ حضرت علی کے دور سے مقرر شدہ تھے

امر خامس یہ ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ظالم لوگوں کو عامل اور گورنر بنا کر امت مسلمہ پر ظلم کیا۔ حجر بن عدی ایسے عظیم صحابی ان کے گورنر کی وجہ سے شہید ہوئے۔ اور یہی زیاد کہ جس نے حجر بن عدی کو قید کر کے شام بھجوایا اسی کے بیٹے عبید اللہ بن زیاد کے ہاتھوں امام عالی مقام جناب حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے بہتر ساتھیوں نے جام شہادت نوش فرمایا ان تمام شہداء کا خون امیر معاویہ کے طرز حکومت کی وجہ سے خود ان پر آن گرتا ہے۔ سو اس سلسلہ میں گزارش ہے۔ کہ اگر ایسا ہوا تو بھی اہل تشیع کے نزدیک قابل اعتراض کیوں؟ اعتراض تب ہوتا۔ کہ ہم اہل سنت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معصوم سمجھتے۔ بلکہ تم اہل تشیع تو انہیں عام مسلمانوں سے بھی گیا گزرا کہتے ہو اب ایسے عام مسلمانوں سے بھی کم تر آدمی نے اگر اپنے گورنر د بقول تمہارے)

ظالم مقرر کر دیئے۔ تو اس میں کیا اعتراض؟

ادھر سیدنا علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کے بارے میں اہل تشیع کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ وہ معصوم عن الخطاء ہیں۔ بادل وغیرہ بھی ان کے حکم سے برستے ہیں۔ اور خدا کی خدائی ان کی مرضی کے مطابق چلتی ہے۔ تو انہی کی خلافت کے دوران ہی زیاد فارس کا گورنر رہا ہے۔ جب حضرت علی المرتضٰے آئندہ کے تمام حالات و واقعات سے باخبر تھے۔ تو ایسے شخص کو انہوں نے گورنری کیوں عطا فرمائی شان علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ ایک شیعہ مصنف نے یوں بیان کی۔

جلاء العیون:

جناب علی علیہ السلام نے اپنے بعض خطبات میں ارشاد فرمایا ہے۔ میں وہ ہوں جس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ جنہیں بعد رسول میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔ میں وہ ذوالقرنین ہوں۔ جس کا ذکر صحف اولیٰ میں ہے۔ میں خاتم سلیمان کا مالک ہوں۔ میں یوم حساب کا مالک ہوں۔ میں صراط اور میدان حشر کا مالک ہوں میں قاسم جنت والنار ہوں۔ میں اول آدم ہوں۔ اول نوح ہوں میں جبار کی آیت ہوں میں اسرار کی حقیقت ہوں۔ میں درختوں کو پتوں کا لباس دینے والا ہوں۔ میں پھلوں کا پکانے والا ہوں۔ میں چشموں کا جاری کرنے والا ہوں۔ میں نہروں کو بہانے والا ہوں۔ میں علم کا خزانہ ہوں۔ میں علم کا پہاڑ ہوں۔ میں امیر المومنین ہوں۔ میں سرچشمہ یقین ہوں۔ میں زمینوں اور آسمانوں میں حجت خدا ہوں۔ میں متنزلزل کرنے والا ہوں۔ میں صاعقہ ہوں میں

حقانی آواز ہوں۔ میں قیامت ہوں ان کے لیے جو قیامت کی تکذیب کرتے ہیں۔ میں وہ کتاب ہوں جس میں کوئی ریب نہیں۔ میں وہ اسمائے حسنیٰ ہوں جن کے ذریعہ خدا نے دعا قبول کرنے کا حکم دیا۔ میں وہ نور ہوں جس سے موسیٰ نے ہدایت کا اقتباس کیا میں صور کا مالک ہوں۔ میں قبروں سے مُردوں کو نکالنے (زندہ کرنے) والا ہوں۔ میں یوم النشور کا مالک ہوں۔ میں نوح کا ساتھی اور اس کا نجات دینے والا ہوں۔ میں ایوب بلا رسیدہ کا صاحب اور اس کو شفا دینے والا ہوں۔ میں نے اپنے رب کے امر سے آسمانوں کو قائم کیا۔ میں صاحب ابراہیم ہوں۔ میں حکیم کا بھید ہوں۔ میں ملکوت کو دیکھنے والا ہوں۔ میں وہی ہوں جسے موت نہیں۔ میں تمام مخلوقات پر ولی حق ہوں۔ میں وہ ہوں جس کے سامنے بات نہیں بدل سکتی۔ مخلوق کا حساب میری طرف سے ہے۔ میں وہ ہوں جسے امر مخلوق تفویض کیا گیا۔ اور میں خلیفۃ اللہ ہوں۔

(مقدمہ جلاء العیون جلد دوم ص ۔ ۶
مطبوعہ شعبہ جنرل بک ایجنسی انصاف
پریس لاہور)

اس قدر ہمہ گیر اور عالم و بصیر شخصیت نے یہ جانتے ہوئے کہ زیاد ظالم ہو گا۔ اسے فارس کا گورنر بنایا۔ اگر اس کو امیر معاویہ گورنر بنائیں۔ تو وہ مورد الزام اور اگر حضرت علی المرتضٰے مقرر کریں۔ تو معصوم کے معصوم ہی رہیں۔ یہ فرق کیوں؟

ہو سکتا ہے۔ کہ کسی کے ذہن میں یہ بات آئے۔ کہ زیاد مذکور کو گورنر

بنائے جانے کا واقعہ کہاں مذکور ہے۔ تو اس بارے میں اس زیدی شیعی کی کتاب کا ہم اقتباس پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

حضرت امیر معاویہ تاریخ کے آئینہ میں

علامہ ابوالفداء لکھتے ہیں۔ کہ سمیہ حارث بن کندہ ثقفی کی ایک لونڈی تھی۔ اس نے ان کا نکاح ایک رومی غلام مسمٰی عبید سے کر دیا تھا۔ اس غلام سے سمیہ نے ایک بچہ جنا۔ وہ زیاد تھا۔ یہ شخص از روئے شرع اس حارث کا غلام ہوا۔ پھر ایسا اتفاق ہوا کہ ابوسفیان بھی ایام جاہلیت میں طائف کی طرف گیا۔ یہ جا کر ایک کلال کے گھر جو شراب بیچتا تھا۔ اُترا۔ اس شراب فروش کو ابواسیم سلونی کہتے تھے۔ اس کے بعد جب ابوسفیان کو نشہ غالب ہوا۔ اس نے عورت کی خواہش کی۔ ابو دیم نے کہا اگر تُو چاہے تو سمیہ موجود ہے۔ ابوسفیان نے کہا اچھا اُسے لاؤ۔ اگرچہ اُس کے پستان بڑے ہیں۔ اور پیٹ بھی بڑا ہے بہر تقدیر ابوسفیان نے اس سے صحبت کی اس کو حمل ہو گیا۔ کہتے ہیں اس حمل سے زیاد پیدا ہوا۔ زیاد جب جوان ہوا تو فصیح و بلیغ ہوا۔ پھر حضرت علی کے زمانہ میں فارس کا عامل مقرر ہوا۔ حضرت امام حسن نے خلافت معاویہ کی بیعت اختیار کر لی۔ معاویہ کو یہ خوف لاحق ہوا۔ کہ ایسا نہ ہو کہ زیاد کسی شخص کو بنی ہاشم سے ملا کر اپنے ہمراہ کر لے۔ اور پھر لڑائی کرنا پڑے۔

(معاویہ تاریخ کے آئینہ میں ص۹۱)

حضرت معاویہ کی نوکر شاہی کا ظالم ترین کارندہ زیاد بن عبید تھا۔ جس نے بصرہ اور عراق کی زمین کو بے گناہ خلقت کے خون سے رنگ دیا۔

امیر معاویہ کی حکومت میں سیاسی استحکام اسی کی خون ریزیوں کا نتیجہ تھا شروع میں یہ طرفداران علی میں سے تھا۔ اور حضرت امام حسن کی صلح کے بعد اس نے معاویہ کی بیعت سے گریز کیا۔ لیکن حضرت امیر معاویہ نے اس کو اپنا ہم نوا اور اپنا بھائی بنانے کے لیے شریعت کو بھی پس پشت ڈالنے میں کوئی تامل نہ کیا۔ اس شرمناک واقعہ کی تفصیل مؤرخین نے یہ بیان کی ہے۔ کہ امیر معاویہ نے زیاد کو بیعت کر لینے اور فارس کے بیت المال کا وہ گورنر تھا۔ سپرد کرنے کے لیے دھمکی آمیز خط لکھا۔ جس پر زیاد نے لوگوں سے خطاب کر کے کہا۔ مجھے اس عورت کے بیٹے نے خط لکھ کر دھمکایا ہے۔ جو کلیجے کھایا کرتی تھی۔ یہ نفاق اور شقاق کی کان پر رئیس الاحزاب مجھے ڈراتا اور دھمکاتا ہے۔ حالانکہ میرے اور اس کے درمیان رسول خدا کے چچیرے بھائی اور امام حسن بن علی کرم اللہ وجہہ کے ستر ہزار مسلح شمشیر زن سپاہیوں کا واسطہ ہے۔ خدا کی قسم! وہ مجھے اکیلا مل جائے۔ تو مجھے آگ بھبوکا اور تلوار دھنی پائے گا۔ (تصنیف ذوالقرنین زیدی حصہ دوم ص ۱۸)

مذکورہ دونوں عبارتیں اس کی تصریح کرتی ہیں۔ کہ زیاد کو حضرت علی المرتضیٰ نے اپنے دور خلافت میں فارس کا گورنر بنایا۔ اب ذرا سینے پر ہاتھ رکھ کر ایمان سے بتائیے۔ کہ ایسے ظالم اور حرامی شخص کو ایک شخص غیب جانتے ہوئے اور آئندہ کے واقعات سمجھتے ہوئے پھر گورنر بناتا ہے۔ تو وہ زیاد خطرناک اور قابل اعتراض ہو گا۔ یا وہ کہ جسے عام مسلمانوں کی طرح کل کا کوئی علم نہیں۔ اسی طرح امام حسن تو یہ جب سب کچھ جانتے تھے۔ کہ ایک دن امیر معاویہ کا بیٹا یزید میرے بھائی اور دیگر اہل بیت کو بھوکا پیاسا میدان کربلا میں شہید کرائے گا۔ تو پھر مسند خلافت ایسے شخص کو کیوں تفویض

کی؟ یہی زیاد ہے جس نے شروع شروع میں امیر معاویہ کو دھمکی کا جواب اس سختی سے دیا۔ کہ ستر ہزار کا لشکر اس کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ بہر حال زیاد کو گورنر بنا کر امیر معاویہ نے اگر ظلم کیا۔ تو یہ فتویٰ بطریقہ اولیٰ حضرت علی المرتضیٰ پر بھی لگ سکتا ہے۔ اس مقام پر جو جواب اہل تشیع کا وہی ہمارا ہو گا۔

طعن ششم کا جواب

حجر بن عدی رضی اللہ عنہ نے شروع سے ہی امیر معاویہ کی حکومت نہ مانی تھی اور حسنین کو بھی بغاوت پر اکسایا تھا۔ شیعہ کتب

حجر بن عدی نے موت سے کچھ لمحات پہلے امیر معاویہ کو یہ پیغام پہنچایا کہ میں تو آپ کی بیعت پر قائم ہوں۔ لوگوں نے خواہ مخواہ میرے خلاف گواہیاں دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ میں آپ کا مخالف ہوں۔ امیر معاویہ نے اس کے جواب میں کہا تھا۔ کہ تمہاری بہ نسبت زیاد میرے نزدیک زیادہ سچا ہے۔ پھر اُسے قتل کر دیا گیا۔ حجر بن عدی کا امیر معاویہ کی بیعت کا انکار کرنا پچھلے افسانوں کی طرح ایک افسانہ ہے۔ آپ عنقریب ملاحظہ فرمائیں گے لیکن اس بات کے بے اصل اور باطل ہونے کی اور بھی وجوہات ہیں۔ اور وہ وہی ہیں۔ جو گزشتہ اوراق میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ یعنی اس الزام کی صاحب طبری نے جتنی روایات ذکر کی ہیں۔ وہ ہشام بن محمد سے روایت کیں۔ اور یہ شخص لوط بن یحییٰ کا شاگرد اور اپنے استاد کی طرح شیعہ ہے۔ صاحب

البدایۃ والنہایۃ نے بھی واقعات کربلا طبری کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد صاف صاف لکھ دیا۔ کہ طبری نے یہ روایات و واقعات لوط بن یحییٰ سے روایت کیے ہیں۔ اور لوط بن یحییٰ ایک قصہ گو اور افسانہ نویس آدمی گزرا ہے۔ اس لیے ایسے اخباری آدمی کی روایت اور وہ بھی طبری کے ذریعہ انہیں کون تسلیم کرے گا۔ کہ ان کے ذریعہ امیر معاویہ پر الزام آ سکے۔ کہ انہوں نے حجر بن عدی کو آخری وقت اپنی بیعت کا اقرار کرنے پر نہ چھوڑا۔ اور زیاد کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے امیر معاویہ نے اسے قتل کروا دیا۔

اور یہ حقیقت ہے۔ کہ حجر بن عدی نے امیر معاویہ کی بیعت ابتداءً ہی قبول نہ کی تھی۔ جبکہ امام حسن رضی اللہ عنہ امیر معاویہ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ تو حجر بن عدی نے بیعت سے انکار کر دیا۔ اس کی تفصیل شیعہ کتاب اخبار الطوال سے سنیئے۔

اخبار الطوال:

قَالُوْا وَاَوَّلُ مَنْ لَقِيَ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَنَدَّمَهُ عَلٰى مَا صَنَعَ وَدَعَا اِلٰى رَدِّ الْحَرْبِ حَجَرُ بْنُ عَدِيٍّ فَقَالَ لَهٗ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَوَدَدْتُ اَنِّيْ مِتُّ قَبْلَ مَا رَاَيْتُ اَخْرَجْتَنَا، مِنَ الْعَدْلِ اِلَى الْجَوْرِ فَتَرَكْنَا الْحَقَّ الَّذِيْ كُنَّا عَلَيْهِ وَدَخَلْنَا فِي الْبَاطِلِ الَّذِيْ كُنَّا نَهْرَبُ مِنْهُ وَاَعْطَيْنَا الدَّنِيَّةَ مِنْ اَنْفُسِنَا وَقَبِلْنَا الْخَسِيْسَةَ الَّتِيْ لَمْ تَلِقْ بِنَا۔

فاشتدّ علی الحسن رضی اللہ عنہ کلام
حجر فقال لہ انی رأیت ھوی عظم الناس
فی الصلح وکرھوا الحرب فلم احب ان احملھم
علی ما یکرھون فصالحت بقیا علی شیعتنا
خاصۃ من القتل فرأیت رفع ھذہ الحروب
الی یوم ما فان اللہ کل یوم ھو فی شان -
قال فخرج من عندہ ودخل علی الحسین
رضی اللہ عنہ مع عبیدۃ بن عمرو فقالا
ابا عبد اللہ شریتم الذل بالعز وقبلتم
القلیل وترکتم الکثیر اطعنا الیوم واعصنا
الدھر دع الحسن وماراٰی من ھذا الصلح
واجمع الیک شیعتک من اھل الکوفۃ وغیرھا
وولّنی وصاحبی ھٰذہ المقدمۃ فلا یشعر
ابن ھند الّا ونحن نقادعہ بالسیوف۔ فقال
الحسین انا قد بایعنا وعاھدنا ولا سبیل
الی نقض بیعتنا وروی عن علی بن محمد بن
بشیر الھمدانی قال خرجت انا وسفیان ابن
لیلی حتیّ قدمنا علی الحسن المدینۃ فدخلنا
علیہ وعندہ المسیب بن بشیر الھمدانی
والوداد التمیمی وسراج بن مالک
الخثعمی فقلت السلام علیک یا مذل المؤمنین

قال وعلیک السلام اجلس لست مذل المؤمنین ولکنی معزّ ھم ما اردت بمصالحۃ معاویۃ الا ان ادفع عنکم القتل عنہ ما رأیت من تباطوء اصحابی عن الحرب و نکولھم من القتال واللہ لئن سرنا الیہ بالجبال والشجر ماکان بدٌّ من افضاء ھٰذا الامر الیہ۔ قال ثم خرجنا من عندہ ودخلنا علی الحسین فاخبرنا بما ردّ علینا فقال صدق ابو محمد فلیکن کلّ رجلٍ منکم حلسا من احلاس بیتہ مادام ھذا الانسان حیًّا۔

(اخبار الطوال ص ۲۲۰-۲۲۱ تذکرہ زیاد مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:

سب سے پہلا وہ شخص کہ جس نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ کے حق میں دستبردار ہونے پر مذمت کی اور لڑائی پر ابھارا وہ حجر بن عدی تھا۔ یہ کہنے لگا۔ اے رسول اللہ کے فرزند! میں نے جو دیکھا اس سے پہلے میں مر گیا ہوتا تو اچھا ہوتا۔ تم نے ہمیں عدل سے ظلم کی طرف دھکیل دیا ہے۔ پس ہم نے حق کو ترک کر دیا جس پر ہم پہلے قائم تھے۔ اور جس باطل سے بھاگا کرتے تھے۔ اُسی میں جا گرے۔ ہم نے خود اپنے لیے کمینگی اور ذلت خریدی جو ہمارا رُخ بھی نہ کر سکتی تھی۔ یہ باتیں امام حسن کو ناگوار گزریں۔ اور کہنے لگے۔ اے حجر بن عدی! میں نے اکثریت کی خواہش یہ دیکھی تھی

کہ ہمیں صلح کر لینی چاہیئے۔ اور ہم میں سے اکثر نے لڑائی کو ناپسند کیا۔ کہ اپنے ساتھیوں کو ایسی حالت میں لے جاؤں۔ جو انہیں ناپسند تھی۔ میں نے اس شرط پر صلح کر لی کہ ہمارے شیعہ قتل نہیں کیے جائیں گے۔ اس لیے میں نے اس لڑائی کو کسی دن کے لیے اٹھا رکھا۔ سو اللہ تعالیٰ کی ہر روز نئی حکمتیں سامنے آتی ہیں۔ دیکھو اُسے کیا منظور ہے۔

یہ باتیں سن کر حجر وہاں سے سیدھا امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اس کے ساتھ عبیدہ بن عمرو بھی تھا۔ دونوں بولے۔ اے ابو عبداللہ! تم نے عزت کا سودا ذلت سے کر لیا۔ قلیل کو قبول کر کے کثیر کو چھوڑ دیا۔ آج ہماری مانیئے اور لوگوں کی نہ سنیئے۔ وہ یہ کہ امام حسن نے جو صلح کی ہے۔ اسے توڑ دیجئے۔ اپنے شیعوں کو جمع کیجئے۔ مجھے اور میرے اس ساتھی کو مقدمۃ الجیش بنا دیجئے۔ کیونکہ ابن ہند (امیر معاویہ) تلواروں کی جھنکار کے بغیر نہیں سمجھے گا۔

یہ سن کر امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ہم نے اُن سے بیعت بھی کی اور باہم معاہدہ بھی کر لیا۔ اس بیعت کو توڑنے کا کوئی راستہ نہیں۔ علی بن محمد بن بشیر ہمدانی سے مروی ہے۔ کہ میں اور سفیان ابن لیلیٰ مدینہ منورہ میں امام حسن سے ملے۔ اس وقت ان کے پاس مسیب بن نجبہ، عبداللہ بن الوداد تمیمی اور سراج بن مالک الخثعمی بھی تھے۔ میں نے کہا۔ اے مسلمانوں کو ذلیل کرنے والے سلام علیک۔ امام حسن نے

جواب دیا۔ وعلیک السلام بیٹھو۔ میں نے مسلمانوں کو ذلیل نہیں کیا۔ بلکہ عزّت دلانے والا ہوں۔ امیر معاویہ سے مصالحت میں نے اس لیے کی۔ تاکہ تم لڑائی سے بچ جاؤ۔ کیونکہ میں دیکھ رہا تھا۔ کہ میرے ساتھی لڑنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ وہ اس سے انکاری ہیں خدا کی قسم! اگر ہم پہاڑ اور درخت سے کر اُن کا مقابلہ کرتے تو بھی انجام یہی ہونا تھا۔ جواب ہو گیا۔ امام حسن کا یہ جواب سن کر ہم وہاں سے امام حسین کے پاس آئے۔ اور امام حسن کی باتیں انہیں بتائیں فرمانے لگے۔ ابو محمد نے سچ کہا ہے۔ لہذا تم میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے گھر میں سکون سے بیٹھنا چاہیئے۔ جب تک یہ شخص زندہ ہے۔

عبارت بالا سے درج ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ امام حسن نے جب امیر معاویہ کے حق میں دستبرداری کی اور ان کی بیعت کی۔ تو حجر بن عدی نے غصہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کاش اس دن سے پہلے میں مرگیا ہوتا۔

۲۔ حجر بن عدی نے جب امام حسن کو واہی تباہی سنائیں۔ تو امام نے سچی بات فرمادی۔ وہ یہ کہ تمہاری بربادی کے پیشِ نظر میں نے ایسا کیا۔ تاکہ تم اس سے بچ جاؤ۔

۳۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کو حجر بن عدی نے امیر معاویہ کے ساتھ مکمل جنگ کرنے پر بھڑکایا۔ لیکن امام نے فرمایا۔ ہم بیعت نہیں توڑ سکتے

۴۔ امام حسن نے علی بن محمد اور سفیان ابن لیلیٰ سے کہا۔ اگرچہ ہماری فوج پہاڑوں اور درختوں کی طرح بکثرت ہو۔ تو بھی ہم امیر معاویہ سے خلافت چھین نہیں سکتے۔

۵۔ امام حسین نے ان دونوں کو فرمایا۔ بھائی حسن سچ کہتا ہے۔ اس لیے جب تک امیر معاویہ زندہ ہے۔ اُسے شکست نہیں دی جاسکتی۔

لمحۂ فکریہ:

اخبار الطوال کی عبارت سے حاصل شدہ امور آپ نے ملاحظہ کیے۔ حجر بن عدی وغیرہ نے امام حسن وحسین کو ہر طرح سے بیعتِ معاویہ توڑنے پر مجبور کیا۔ لیکن دونوں نے ان کی ایک نہ سنی۔ اور دو ٹوک انداز میں فرما دیا۔ کہ امیر معاویہ کو شکست دینا اور ان سے خلافت چھیننا ناممکن ہے۔ گویا حسنین کو کسی طرح یہ پیش گوئی مل چکی تھی۔ اس لیے وہ کسی بھی بھڑکانے میں نہ آئے۔ امام حسن کی یہ پیش گوئی شیعہ کتب میں مختلف طریقوں سے مذکور ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں۔ کہ چند حوالہ جات ذکر کریں۔ تاکہ ان میں اس پیشگوئی کے علاوہ کئی اور انکشاف بھی سامنے آئیں۔ اور امیر معاویہ کے متعلق اہلبیت کے خیالات کا بھی کچھ پتہ چل جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت نے امیر معاویہ کی حکومت کی پیشگوئی فرمائی

البدایۃ والنہایۃ

حَدَّثَنِی سُفْیَانُ اللَّیْلُ قَالَ قُلْتُ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ لَمَّا قَدِمَ مِنَ الْکُوْفَۃِ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ یَا مُذِلَّ الْمُؤْمِنِیْنَ قَالَ لَا تَقُلْ ذَالِکَ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تَذْھِبُ الْاَیَّامُ وَاللَّیَالِیْ حَتّٰی یَمْلِکُ مُعَاوِیَۃُ فَعَلِمْتُ اَنَّ اَمْرَ اللّٰہِ وَاقِعٌ فَکَرِھْتُ اَنْ تُھْرَقَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ دِمَاءُ الْمُسْلِمِیْنَ وَقَالَ مُجَالِدٌ عَنِ الشَّعْبِیْ عَنِ الْحَارِثِ الْاَعْوَرِ قَالَ قَالَ بَعْدَ رَجَعَ مِنْ صِفِّیْنَ اَیُّھَا النَّاسُ لَا تَکْرَھُوْا اِمَارَۃَ مُعَاوِیَۃَ فَاِنَّکُمْ لَوْ فَقَدْ تُمُوْہُ رَاَیْتُمُ الرُّؤُسَ تُنْدَرُ عَنْ کَوَاھِلِھَا کَاَنَّھَا الْحَنْظَلُ۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۳۱)

ترجمہ:

سفیان کہتے ہیں۔ کہ میں نے حسن بن علی کو کوفہ سے مدینہ پہنچنے پر کہا۔ اے مسلمانوں کو ذلیل کرنے والے فرمایا۔ یہ نہ کہو۔ کیونکہ میں نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ فرمایا کہ ایک نہ ایک دن معاویہ ضرور حکومت کرے گا۔ تو اس کو میں جان گیا۔ کہ امیر معاویہ کی حکومت اللہ کا ایک حکم ہے جو ہو کر رہے گا۔ لہذا میں نے ان سے لڑ کر مسلمانوں کے خون کو گرانا اچھا نہ سمجھا۔ شعبی سے مجالد نے بیان کیا کہ حارث اعور بیان کرتا ہے۔ کہ جب امام حسن صفین سے واپس آئے۔ تو لوگوں سے فرمایا۔ معاویہ کی حکومت کو برا مت جانو۔ اور اگر تم نے انہیں گم پایا۔ تو حنظل کی طرح لوگوں کے سر ان کے جسموں سے اڑتے نظر آئیں گے۔

خلافت امیر معاویہ اللہ تعالیٰ کی اٹل تقدیر ہے۔ امام حسن اور حضرت علی کا فیصلہ

الامامۃ والسیاست:

اَنَّ اَبِیْ كَانَ یُحَدِّثُنِیْ اَنَّ مُعَاوِیَةَ سَیَلِی الْاَمْرَ فَوَاللّٰهِ لَوْ سِرْنَا اِلَیْهِ بِالْجِبَالِ وَالشَّجَرِ مَا شَكَكْتُ اَنَّهٗ سَیَظْهَرُ اِنَّ اللّٰهَ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ وَلَا رَادَّ لِقَضَائِهٖ

(امامت و سیاست ص ۱۶۴
جلد اول مطبوعہ مصر طبع قدیم)

ترجمہ:

(امیر معاویہ کے حق میں دستبرداری پر جب لوگوں نے امام حسن

کو مختلف طریقوں سے تنگ کیا) تو فرمایا۔ کہ میرے والد گرامی بیان کرتے تھے۔ یقیناً معاویہ امارت سنبھالے گا۔ خدا کی قسم! اگر ہم پہاڑوں اور درختوں کی مقدار برابر بڑا لشکر لے کر اُن کا مقابلہ کریں۔ تو بھی مجھے یقین کامل ہے۔ کہ وہ عنقریب اس منصب کو سنبھالیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم کبھی ٹل نہیں سکتا۔ اور اس کا فیصلہ کبھی رد نہیں ہو سکتا۔

نوٹ:

جہاں تک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا مسئلہ ہے۔ جو ان حوالہ جات میں بیان ہوا۔ اس کا اگرچہ مذکورہ طعن سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں۔ لیکن پھر بھی بالواسطہ یہ حوالہ جات معاون بن سکتے ہیں۔ بہر حال اہل بیت نے اور ان کے ساتھیوں نے جب امیر معاویہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک سُنی۔ تو انہوں نے اسے تسلیم کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہ کی۔ اور نہ ہی مقابلہ کے لیے تیار ہوئے۔ امیر معاویہ کی حکومت قضائے الٰہی تھی۔ جسے کوئی روک نہ سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ حضرت علی نے بھی امام حسن کو وصیت فرمائی کہ بیٹا! معاویہ کی خلافت کو نہ بُرا جانو اور نہ ان کی مخالفت کرو۔ امام حسن نے بھی اس لیے ان کی بیعت کر لی تھی۔ ان حالات میں حجر بن عدی وغیرہ کا کردار آپ نے پڑھا۔ خود بھی امیر معاویہ کی خلافت کو تسلیم نہ کیا۔ اور لوگوں کو بھی ان کے خلاف بھڑکاتے رہتے۔ جب حجر بن عدی وغیرہ نے ان کی بیعت کا انکار کر کے ان کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دی۔ اور ہزاروں لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر باغیانہ طرز اپنائی۔ تو اس کا انجام وہی ہونا تھا۔ جو ہوا۔ اس پر واویلا کیوں؟

حجر بن عدی کا قتل خوف فتنہ کی وجہ سے ہوا۔

حوالہ ۱: البدایۃ والنہایۃ

اَخْبَرَنِی ابْنُ لَهِیْعَةَ عَنْ اَبِی الْاَسْوَدِ قَالَ دَخَلَ مُعَاوِیَةُ عَلٰی عَائِشَةَ فَقَالَتْ مَا حَمَلَكَ عَلٰی قَتْلِ اَهْلِ عَذْرَاءَ حَجَرًا وَاَصْحَابَهٗ؟ فَقَالَ اَمِیْرُالْمُؤْمِنِیْنَ اِنِّیْ رَاَیْتُ فِیْ قَتْلِهِمْ صَلَاحًا لِلْاُمَّةِ وَفِیْ مَقَامِهِمْ فَسَادًا لِلْاُمَّةِ۔

(جلد ۸ ص ۵۵)

ترجمہ:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ سیدہ عائشہ صدیقہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ مائی صاحبہ نے دریافت فرمایا۔ تم نے اہل عذرا یعنی حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو کیوں قتل کیا؟ امیر معاویہ نے کہا۔ ان کا قتل کر دینا امت کی بہتری کے لیے تھا۔ اور ان کا چھوڑ دینا میری رائے کے مطابق فسادِ امت تھا۔

حوالہ ۲ البدایۃ والنہایۃ

لَمَّا قَدِمَ مُعَاوِيَةُ الْمَدِيْنَةَ دَخَلَ عَلٰى عَائِشَةَ فَقَالَتْ اَقَتَلْتَ حَجَراً؟ فَقَالَ يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنِّيْ وَجَدْتُ قَتْلَ رَجُلٍ فِيْ صَلَاحِ النَّاسِ خَيْراً مِنَ اسْتِحْيَائِهٖ فِيْ فَسَادِهِمْ۔

(جلد ۸ ص ۵۵ مطبوعہ بیروت طبع قدیم)

ترجمہ:

جب امیر معاویہ مدینہ تشریف لائے۔ تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حاضر ہوئے۔ مائی صاحبہ نے پوچھا۔ کیا تم نے حجر بن عدی کو قتل کیا ہے؟ عرض کی اے ام المومنین! لوگوں کی بہتری اور خیر خواہی کے لیے ایک شخص کو قتل کر دینا اس سے بہتر ہے۔ کہ اسے عوام کے فساد کے لیے زندہ چھوڑ دیا جائے۔

حوالہ ۳ کامل ابن اثیر

وَقَامَ مَالِكُ بْنُ هُبَيْرَةَ الْكُوفِي فَقَالَ دَعْ لِي ابْنَ عَمِّيْ حَجَراً فَقَالَ لَهٗ هُوَ رَاْسُ الْقَوْمِ وَاَخَافُ اِنْ خَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ اَنْ يُفْسِدَ عَلٰى مِصْرِهٖ۔

(ابن اثیر جلد ۳ ص ۴۸۴)

ترجمہ:

(امیر معاویہ سے مختلف لوگوں نے مختلف قیدیوں کی رہائی کی درخواست کی تو آپ نے وہ تسلیم کر لی۔ اسی سلسلہ میں جب مالک بن ہبیرہ نے اپنے چچا زاد بھائی حجر بن عدی کے لیے سفارش کی۔ تو امیر نے جواب دیا۔ یہ قوم کا سرغنہ ہے۔ اگر میں نے اُس کو چھوڑ دیا۔ تو شہر میں فساد بپا کرے گا۔

حوالہ ۴ اخبار الطوال

فدخل مالك بن هبيرة على معاوية فقال يا امير المومنين اسأت فى قتلك هٰولاء النفر ولم يكونوا احدثوا ما استوجبوا به القتل فقال معاوية قد كنت هممت بالعفو عنهم الا ان كتاب زياد ورد على يعلمنى انهم رؤساء الفتنة وانى متىٰ قتلتهم اجتثثت الفتنة من اصلها۔

(اخبار الطوال ص ۲۲۴
مطبوعہ بغداد)

ترجمہ:

مالک بن ہبیرہ سفارش کی خاطر امیر معاویہ کے پاس آیا۔ اور کہا۔ اے امیر المومنین! جن لوگوں کو تم نے قتل کر دیا۔ وہ ایسے مجرم نہ تھے۔ کہ ان کی سزا قتل ہوتی۔ یہ سن کر معاویہ نے کہا۔ میں نے

تو ان کی معافی کا پکا ارادہ کر لیا تھا۔ لیکن جب زیاد کا رقعہ ملا۔ تو اس سے معلوم ہوا۔ کہ یہ لوگ فتنہ کے بانی ہیں۔ جب ان کو قتل کر دوں تو فتنہ جڑ سے اکھڑ جائے گا۔

حوالہ ۵ البدایۃ والنہایۃ

یُرْوٰی عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ لِلْمُعَاوِیَۃِ اَقَتَلْتَ حَجَرًا بْنَ الْاَدْبَرِ؟ فَقَالَ مُعَاوِیَۃُ قَتْلُہٗ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَقْتُلَ مَعَہٗ مِائَۃَ اَلْفٍ وَقَدْ ذَکَرَ ابْنُ جَرِیْرٍ وَغَیْرُہٗ عَنْ حَجَرِ بْنِ عَدِیٍّ وَاَصْحَابِہٖ اَنَّھُمْ کَانُوْا یَنَالُوْنَ مِنْ عُثْمَانَ وَیُطْلِقُوْنَ فِیْہِ عَقَالَۃَ الْجَوْرِ وَیَنْتَقِدُوْنَ عَلَی الْاُمَرَاءِ وَیُسَارِعُوْنَ فِی الْاِنْکَارِ عَلَیْھِمْ وَیُبَالِغُوْنَ فِیْ ذَالِكَ وَیَتَوَلَّوْنَ شِیْعَۃَ عَلِیٍّ وَیَتَشَدَّدُوْنَ فِی الدِّیْنِ۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸

ص ۵۴ مطبوعہ بیروت طبع قدیم)

ترجمہ:

حضرت امیر معاویہ سے پوچھا گیا۔ آپ نے حجر بن ادبر کو قتل کیا ہے۔؟ فرمایا۔ اس کا قتل کرنا میرے نزدیک ایک لاکھ کے قتل کرنے سے زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ ابن جریر وغیرہ ذکر کرتے ہیں۔ کہ حجر بن عدی اور اس کے ساتھی حضرت عثمان کی

عیب جوئی کرتے، انہیں ظالم کہتے، ان کے امراء پر ناجائز تنقید کرتے اور ان کے انکار میں جلد باز تھے۔ اور ان کے مقابلہ میں شیعیانِ علی سے دوستی رکھتے۔ دین میں بڑے سختی پسند تھے۔

لمحۂ فکریہ:

دونوں طرف کی کتب سے یہ بات ظاہر ہو گئی۔ کہ حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو بغاوت اور فتنہ کی پاداش میں قتل کیا گیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب ان کے چند ایک ساتھیوں کو سفارش پر چھوڑ دیا۔ تو آپ نے حجر بن عدی کو بھی معاف کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ لیکن زیاد کے خط سے واقعات کا صحیح علم ہونے پر معلوم ہوا۔ کہ یہ تو تمام ساتھیوں کا سرغنہ ہے۔ اس کی رہائی بہت بڑے فساد کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔ اس لیے اس کے خاتمہ میں ہی امت کی بھلائی ہے۔ سو آپ نے بغاوت اور فساد کے پیش نظر اسے اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے۔ کہ ایک لیڈر کے طور پر شیعیان علی ہر وقت اس کو امیر معاویہ اور آپ کے گورنروں کے خلاف محاذ آرائی پر ابھارتے۔ اور مسلح ہو کر ہر وقت ساتھ رہتے۔ حتی کہ مسجد میں بھی اسلحہ سمیت حاضر ہوئے۔ اس کے ساتھیوں کا برانگیختہ کرنا درج ذیل حوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے۔

حجر بن عدی کی بغاوت پر سُنّی شیعہ کتب کے حوالہ جات

تاریخ یعقوبی:

انّهم يجتمعون فيتكلّمون ويذبّرون عليه وعلى معاوية ويذكرون مساويهما ويحرّضون النّاس۔

(تاریخ یعقوبی ص ۲۳۰ مطبوعہ بیروت تذکرہ وفات حسن بن علی)

ترجمہ:

"شیعیان علی"، حجر بن عدی کے پاس جمع ہوتے۔ ادھر ادھر کی ہانکتے۔ امام حسن اور امیر معاویہ کے خلاف تدابیر پر غور کرتے۔ ان کی برائیاں کرتے۔ اور لوگوں کو ان کے خلاف ہر ممکن بھڑکانے کی کوشش کرتے۔

البداية والنهاية

فلمّا توفّى المغيرة بن شعبة رضى الله عنه

وجمعت الکوفۃ مع البصرۃ لزیاد دخلھا و قد التفّ علی حجرٍ جماعاتٌ من شیعۃ علیّ یقودون امرہٗ ویشدّون علی یدہٖ ویسبّون معاویۃ و یتبرّؤن منہ۔

(البدایۃ والنھایۃ جلد ۸ ص ۵۵)

ترجمہ:

جب کوفہ کے گورنر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ تو زیاد کو کوفہ اور بصرہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اس وقت حجر بن عدی کے پاس شیعیان علی کی بہت سی جماعتیں جمع ہوتیں۔ اور یہ اعلان کرتیں۔ کہ ہم تمہارا حکم مانیں گے۔ اور تمہارے ہاتھ مضبوط کریں گے۔ یہ لوگ حضرت معاویہ کے بارے میں غلط سلط باتیں کرتے اور گالی گلوچ تک سے بھی باز نہ آتے۔ اور ان سے بیزاری کا بھی اظہار کرتے۔

طبقات ابن سعد:

وَکَانَ مِنْ اَصْحَابِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ وَ شَهِدَ مَعَهُ الْجَمَلَ وَصِفِّیْنَ فَلَمَّا قَدِمَ زِیَادُ بْنُ اَبِیْ سُفْیَانَ وَالِیًا عَلَی الْکُوْفَةِ دَعَا بِحُجْرِ بْنِ عَدِیٍّ فَقَالَ تَعْلَمُ اَنِّیْ اَعْرِفُکَ وَقَدْ کُنْتُ اَنَا وَاِیَّاکَ عَلٰی مَا قَدْ عَلِمْتُ یَعْنِیْ مِنْ حُبِّ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ وَاِنَّهٗ قَدْ جَآءَ غَیْرُ ذَالِکَ وَاِنِّیْ

أُنْشِدُكَ اللّٰهَ اِنْ تُقْطَرَ لِي مِنْ دَمِكَ قَطْرَةٌ فَاسْتَفْرِغُهُ
كُلَّهُ، اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ مَنْزِلُكَ وَ
هٰذَا سَرِيْرِى فَهُوَ مَجْلِسُكَ وَحَوَائِجُكَ مَقْضِيَّةٌ
لَدَىَّ فَاكْفِنِيْ نَفْسَكَ فَاِنِّي اَعْرِفُ عَجَلَتَكَ،
فَاُنْشِدُكَ اللّٰهَ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فِي نَفْسِكَ وَ
اِيَّاكَ وَهٰذِهِ السَّفَلَةَ وَهٰؤُلَاءِ السُّفَهَاءَ اَنْ
يَسْتَزِلُّوكَ عَنْ رَأْيِكَ فَاِنَّكَ لَوْ هُنْتَ عَلَيَّ
اَوِ اسْتَخْفَفْتُ بِحَقِّي لَمْ اَخُصَّكَ بِهٰذَا مِنْ نَفْسِي
فَقَالَ حَجَرٌ قَدْ فَهِمْتُ ثُمَّ انْصَرَفَ اِلٰى مَنْزِلِهِ
فَاَتَاهُ اِخْوَانُهُ مِنَ الشِّيْعَةِ فَقَالُوْا مَا قَالَ لَكَ
الْاَمِيْرُ؟ قَالَ قَالَ لِي كَذَا وَكَذَا قَالُوْا مَا
نَصَحَ لَكَ فَاَقَامَ فِيْهِ بَعْضَ الْاِعْتِرَاضِ وَكَانَتِ
الشِّيْعَةُ يَخْتَلِفُوْنَ اِلَيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّكَ شَيْخُنَا
وَاَحَقُّ بِالنَّاسِ بِاِنْكَارِ هٰذَا الْاَمْرِ. وَكَانَ
اِذَا جَاءَ اِلَى الْمَسْجِدِ مَشَوْا مَعَهُ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ
عَمْرُو بْنُ حُرَيْثٍ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ خَلِيْفَةُ زِيَادٍ
عَلَى الْكُوْفَةِ وَزِيَادٌ بِالْبَصْرَةِ اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ
مَا هٰذِهِ الْجَمَاعَةُ وَقَدْ اَعْطَيْتَ الْاَمِيْرَ مِنْ نَفْسِكَ
مَا قَدْ عَلِمْتَ؟ فَقَالَ لِلرَّسُوْلِ تُنْكِرُوْنَ مَا
اَنْتُمْ فِيْهِ اِلَيْكَ وَرَاءَكَ اَوْسَعُ لَكَ فَكَتَبَ عَمْرُو
بْنُ حُرَيْثٍ بِذٰلِكَ اِلٰى زِيَادٍ وَكَتَبَ اِلَيْهِ اِنْ كَانَتْ

لك حاجة بالكوفة فالعجل فاغذ زياد السير حتى قدم الكوفة فارسل الى عدى بن حاتم و جرير بن عبد الله البجلى و خالد بن عرفطة العذرى حليف بنى زهرة والى عدة من اشراف اهل الكوفة فارسلهم الى حجر بن عدى ليعذر اليه و ينهاه عن هذه الجماعة وان يكف لسانه عما يتكلم به فأتوه فلم يجبهم الى شيئ و لم يتكلموا احد امنهم وجعل يقول يا غلام اعلف البكر قال و بكر فى ناحية الدار فقال له عدى بن حاتم أمجنون انت؟ اكلمك بما اكلمك به و انت تقول يا غلام اعلف البكر

؟ بلغ

الضعف كل ما ارى فنهض القوم عنه و اتوا زيادًا فاخبروه ببعض و خزنوا بعضًا وحسنوا امره وسألوا زيادًا الرفق به۔

(طبقات ابن سعد جلد ۶

ص ۲۱۸ مطبوعہ بیروت

طبع جدید)

ترجمہ:

حجر بن عدی جناب علی المرتضیٰ کے ساتھیوں میں سے تھا جنگ جمل

اور صفین میں ان کے ساتھ شریک ہوا۔ پھر جب زیاد بن ابی سفیان کوفہ کا گورنر بن کر آیا۔ تو اس نے حجر کو بلوا بھیجا۔ آپ نے اسے کہا۔ تمہیں معلوم ہے۔ کہ میں تجھے جانتا ہوں۔ میں اور تم جس عقیدہ پر تھے۔ وہ بھی تجھے معلوم ہے۔ یعنی حضرت علی بن ابی طالب کے ہم دونوں شیدائی تھے۔ اب بات اور بن گئی ہے۔ تمہیں قسمیہ کہتا ہوں۔ کہ تم اگر میرے لیے خون کا ایک قطرہ بہاؤ گے میں تمہاری خاطر سارا خون گرا دوں گا۔ اپنی زبان گرفت میں رکھو۔ اور اپنا مقام و مرتبہ پہچانو۔ یہ میرا تخت ہے۔ اس پر آرام کرو۔ تمہاری ضروریات میں پوری کروں گا۔ تم اپنی جان مجھ سے محفوظ کر لو۔ میں تمہارا پروگرام اچھی طرح جانتا ہوں۔ اے ابو عبدالرحمٰن! تمہیں خدا کی قسم دلاتا ہوں۔ تم اپنی خود حفاظت کرو یہ بے وقوف لوگ جو بے وقوفی سے تجھے تیرے مقام سے گرانے کے درپے ہیں۔ اگر تو نے میری اہانت کی یا میرے حق کو اہمیت نہ دی۔ تو اپنی جان سے تو میرے نزدیک زیادہ عزیز نہ ہوگا۔ یہ سن کر حجر کہنے لگا۔ میں آپ کا مقصد سمجھ چکا ہوں۔ یہ کہہ کر گھر آگیا۔ یہاں اس کے شیعہ ساتھی آئے اور پوچھنے لگے۔ امیر نے تمہیں کیا کہا ہے۔؟ کہا یہ بات کہی ہے۔

کہنے لگے کیا خوب نصیحت کی ہے۔ اس میں کچھ قابل اعتراض باتیں ہیں۔ شیعہ لوگ اس کی طرف آتے جاتے رہے۔ اور کہا کرتے تھے۔ کہ آپ ہمارے بزرگ ہیں۔ اور اس معاملہ

میں انکار کرنا آپ کا حق بنتا ہے۔ حجر جب بھی مسجد میں آتا۔ تو یہ بھی اس کے ساتھ ہوتے عمرو بن حریث جو زیاد کی طرف سے کوفہ میں اس کے قائم مقام تھا اس نے حجر کی طرف پیغام بھیجا۔ کیونکہ خود زیاد ان دنوں بصرہ گیا ہوا تھا۔ پیغام میں کہا ابو عبدالرحمٰن! یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟ تمہیں امیر زیاد نے اپنی طرف سے جو کچھ کہا کہہ دیا۔ وہ تم کو یاد نہیں رہا۔ اس نے پیغام لانے والے کو کہا۔ لوگ تمہارا انکار کرتے ہیں تم جانو تمہارا کام جانے۔ عمرو بن حریث نے یہ باتیں بصرہ میں زیاد کی طرف لکھ بھیجیں۔ اور لکھا۔ کہ جلدی سے کوفہ آ جائیے۔ آپ کی بہت ضرورت ہے۔ زیاد جلدی سے کوفہ آ گیا۔ اور عدی بن حاتم، جریر بن عبداللہ خالد بن عرفطہ اور دیگر اہل کوفہ کے جانے پہچانے آدمیوں کی طرف پیغام بھجوایا۔ اور انہیں اپنے ہاں بلوایا۔ پھر انہیں حجر بن عدی کی طرف بھیجا۔ کہ اسے سمجھائیں۔ اور ہماری طرف سے اتمام حجت کریں۔ اور کہیں کہ اس جماعت شیعہ کا ساتھ چھوڑ دو۔ اپنی زبان کو لگام دو۔ جب یہ رئیس لوگ حجر بن عدی کے پاس آئے۔ تو اس نے ان کی کسی بات کا جواب دینا گوارہ نہ کیا۔ اور بولا۔ اے غلام! اونٹ کو چارہ ڈال دے۔ اونٹ حویلی کے ایک کونہ میں تھا۔ یہ سن کر عدی بن حاتم نے کہا۔ کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟ میں تم سے گفتگو کرتا ہوں۔ اور تم جواب دینے کی بجائے غلام کو حکم دیتے ہو۔ کہ اونٹ کو چارہ ڈالو۔ پھر عدی بن حاتم نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ اٹھو چلتے ہیں۔ اس شخص کو ضعف نے آ گھیرا ہے۔ اس کے حواس درست نہیں رہے۔ لوگ اٹھ کر آ گئے۔ اور زیاد کے پاس واپس آئے۔ اور حجر کی کچھ

باتیں بنائیں۔ اور پھر سفارش کی کہ اس کے ساتھ نرمی برتی جائے۔

عبارت بالا سے درج ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ "حجر بن عدی" حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے ان مخصوص شیعوں میں سے تھا۔ کہ آپ کے بغیر کسی سے روایت بھی نہ کرتا تھا۔

(طبقات جلد ۶ ص۔ ۲۲۰)

۲۔ گورنر کوفہ زیاد نے حجر بن عدی کی ہر خواہش پوری کرنے کی ذمہ داری اٹھائی۔ اس شرط پر کہ وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت ترک کر کے ان کی پیروی کرے۔

۳۔ زیاد نے حجر بن عدی کو سمجھایا۔ کہ تمہارے یہ ساتھی (شیعیان علی) بے وقوف ہیں۔ ان کی بے وقوفی کا شکار بن کر کہیں نقصان نہ اٹھانا ان سے بچو۔

۴۔ زیاد نے جب کوفہ کے معززین کو حجر کے پاس بھیجا۔ کہ اُسے سمجھایا جائے۔ تو اس نے اُن کی باتوں کا مجنونانہ جواب دیا۔ اس پر بھی ان معززین نے زیاد کے پاس جا کر اس کے ساتھ نرمی کرنے کی سفارش کی۔

۵۔ حجر بن عدی کے پاس اس کے شیعہ اکٹھے ہو کر امیر معاویہ اور امام حسن کے بارے میں منصوبہ جات تیار کیا کرتے تھے۔

۶۔ یہی شیعہ جب اس کے ہاں جمع ہوتے تو اسے اپنا بزرگ اور رہنما

کہتے۔ اور کہتے کہ امیر معاویہ کی خلافت کا انکار کرنا سب سے زیادہ حق آپ کا حق بنتا ہے۔

ملحۂ فکریہ:

ان تمام امور سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حجر بن عدی اگرچہ ابتداءً اچھی سیرت و کردار کے مالک تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ جماعتِ شیعہ نے ان کو بہلا پھسلا کر خلیفہ وقت کی مخالفت اور پھر بغاوت تک پہنچا دیا۔ اور پھر مسلح ہو کر ان کو اپنی ہمدردیاں جتلائیں۔ جس سے یہ پھسل گئے۔ اور بیعت سے کنارہ کش ہو گئے۔ اس بات کا تذکرہ خود کتب شیعہ میں بھی موجود ہے ملاحظہ ہو۔

تاریخ ائمہ:

حجر بن عدی مشاہیر صحابہ سے ہیں۔ جب زیاد عراق کا حاکم ہوا تو اس نے سختی اور بدچلنی شروع کی۔ تو حجر نے اس کی بیعت نسخ کر دی۔ تو شیعیان علی کی ایک جماعت اس کی پیرو ہو گئی۔

(تاریخ ائمہ ص ۲۲۵ تذکرہ اصحاب امیرالمومنین مطبوعہ لاہور)

اس تمام بحث سے ثابت ہوا۔ کہ حجر بن عدی نے امیر وقت اور خلیفہ وقت کے خلاف باغیانہ محاذ قائم کر رکھا تھا۔ اور ہر وقت مسلح افراد ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ اور امیر کی بیعت بھی توڑ دی تھی۔ اب اس مقام پر

ہم مناسب سمجھتے ہیں۔ کہ ایک باغی کے بارے میں فقہ جعفریہ سے کچھ اقتباسات پیش کریں۔ اس کی تعریف اور اس کا حکم درج ذیل حوالہ سے ملاحظہ ہو۔

بغاوت اور اس کی تعریف و حکم از کتب شیعہ

المبسوط:

قال اللہ تعالیٰ وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احدیھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتیٰ تفیئ الی امر اللہ فان فاءت فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین ...... قالوا فی الآیۃ خمس فوائد احدھا ان البغاۃ علی الایمان لان اللہ سماھم مومنین الثانی وجوب قتالھم فقال "فقاتلوا التی تبغی" وھذا صحیح عندنا۔

(مبسوط ج ۷ ص ۲۶۲ مطبوعہ طہران کتاب قتال اہل البغی)

ترجمہ:

قرآن کریم میں اللہ نے فرمایا۔ وان طائفتان الخ اگر مسلمانوں کے دو گروہ باہم لڑ پڑیں۔ تو ان کے مابین صلح کرا دیا کرو۔ پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے کے خلاف بغاوت کرتا ہے تو باغی جماعت کو قتل کر دو۔ یا وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے

اگر لوٹ آئے تو ان دونوں کے مابین عدل کرو۔ اللہ تعالیٰ یقیناً عدل کرنے والوں کو دوست رکھتا رہے۔

شیعہ علماء کہتے ہیں۔ کہ آیت بالا میں پانچ فائدے ہیں۔ پہلا یہ کہ باغی بہر حال مومن رہتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مومن کہا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ باغیوں کا قتل و قتال واجب ہے۔ اور ہم اہل تشیع کے ہاں یہ صحیح ہے۔

نوٹ:

یاد رہے کہ آیت بالا کے فوائد میں سے فائدہ اولیٰ کے تحت طوسی نے اپنا اجتہاد بھی دکھایا ہے۔ وہ یہ کہ آیت میں مومن سے مراد منافق ہے۔ لیکن یہ سیاق وسباق کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ آیت مطلق ہے۔ اور سیاق وسباق کے طور پر کامل مومن کا ہی معنی درست نظر آتا ہے۔

باغیوں سے قتال واجب ہے

المسبوط:

ولا خلاف ایضا ان قتال اهل البغی و اجب وقد قاتل ابو بکر طائفتین قاتل اهل الردة قوما ارتدوا بعد النبی صلی الله علیه وسلم وقاتل مانعی الزکوة وکانوا مومنین وانما منعوها بناوٴیل یدل علی ذالک ان ابا بکر لما ثبت علی قتالهم قال عمر کیف تقاتلهم وقد قال النبی صلی الله علیه وسلم

امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فاذا قالوہا عصموا منی دماءہم واموالہم الا بحقہا وحسابہم علی اللہ فقال ابو بکر واللہ لا فرقت بین ماجمع اللہ ہذا من حقہا لو منعونی عقالاً مما یعطون رسول اللہ اقاتلہم علیہا..... فاذا ثبت قتال مانعی الزکوۃ کان قتال اہل البغی بذالک اولی۔

(المبسوط فی فقہ الامامیہ للسیوطی۔ جلد ۷ ص ۲۶۳ تا ۲۶۴ مطبوعہ مکتبہ مرتضویہ)

ترجمہ:

باغیوں کے قتال کے جواب میں کوئی اختلاف نہیں۔ ابوبکر صدیق نے دو گروہوں کے ساتھ لڑائی کی تھی۔ ایک گروہ وہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتد ہو گیا تھا۔ اور دوسرا زکوٰۃ کا انکار کرنے والا تھا۔ حالانکہ دونوں مومن تھے۔ اس سے منع ایک تاویل کے طور پر کیا گیا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے۔ کہ جب ابوبکر صدیق ان کے قتال پر ڈٹ گئے۔ تو عمر بن خطاب نے کہا۔ تم ان سے کیونکر قتال کرتے ہو۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ مجھے لوگوں کے ساتھ قتال کا اس وقت تک حکم دیا گیا ہے جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہیں کہہ لیتے۔ اور جب وہ یہ کہہ لیں۔ تو مجھ سے انہوں نے اپنا خون اور مال محفوظ کر لیا۔ ہاں اگر اس کے حصول

کا کوئی حق ہوا۔ تو پھر محفوظ نہ ہوں گے۔ بہرحال اُن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ یہ سُن کر ابوبکر صدیقؓ نے کہا۔ خدا کی قسم! جسے اللہ تعالیٰ جمع کر دے میں اس میں تفریق نہیں ہونے دوں گا۔ یہ اس کے حق میں سے ہے۔ اگر ان لوگوں نے اپنے مال میں سے ایک رسی بھی دینے سے انکار کیا وہ جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے۔ تو میں اس پر بھی ان سے قتال کروں گا۔ جبکہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے ساتھ قتال کا ثبوت موجود ہے۔ تو پھر باغیوں کے ساتھ بطریقہ اولیٰ ہوگا۔

المبسوط:

روی ابن عمر وسلمۃ بن اکوع و ابوھریرۃ انّ النّبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من حمل علینا السّلاح فلیس منّا وروی عنہ انّہ قال من خرج عن الطّاعۃ وفارق الجماعۃ فمیتتہ جاھلیّۃ وروی ابن عباس النّبیّ صلی اللہ علیہ وسلم قال من فارق الجماعۃ شبراً فقد خلع ربقۃ الاسلام عن عنقہ

(المبسوط جلد ۱۰ ص ۱۲۳
کتاب قتال اھل البغی)

ترجمہ:

ابن عمر، سلمہ بن اکوع اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں۔ کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے ہمارے خلاف ہتھیار اٹھائے۔ وُہ ہم سے نہیں۔ یہ بھی فرمایا۔ جو اطاعت سے منہ پھیرے گا۔ اور جماعت سے جُدا ہو گا۔ وہ جاہلیت کی موت مرے گا ابن عباس فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے جماعت سے ایک بالشت بھر دُوری اختیار کی۔ اس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسی اتار پھینکی۔

جس آدمی کی خلافت وامامت پر اجماع ہو جائے اس کی مخالفت بغاوت کہلاتی ہے

المبسوط

فان الامامة کانت بعد عثمان لعلی علیه السلام بلا خلاف وکل من خالفه فقد بغی علیه وخرج عن قبضة الامام ووجب قتالهم تسمیتهم بغاة عند نا ذم لانه کفر عند نا۔

(مبسوط جلد هفتم ص ۲۶۴)

ترجمہ:

حضرت عثمان غنی کے بعد امامت بلا خلاف حضرت علی المرتضیٰ کی تھی۔ اور جس نے اس سے خلاف کیا۔ اس نے اُن پر بغاوت

کی۔ اور امام کے پیروؤں میں سے نکل گیا۔ اور ان سے قتال واجب ہوگیا۔ ہمارے (اہل تشیع) نزدیک ایسے شخص کو باغی کہنا قابل مذمت ہے۔ کیونکہ ایسا کرنا ہم کفر سمجھتے ہیں۔ (لہذا وہ کافر ہے۔)

لمحہ فکریہ:

اہل تشیع کی معتبر کتاب المبسوط کے حوالہ جات سے ''باغی'' کے ساتھ سلوک واضح ہوگیا۔ اور یہ بھی پتہ چلا کہ باغی کسے کہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ''باغی'' وہ شخص ہے۔ جو متفقہ امام یا خلیفہ کی مخالفت کرے۔ اور وہ واجب القتل ہے۔ یہی عقیدہ اور قانون ہے کہ اہل تشیع امیر معاویہ کے خلاف حضرت علی کی جنگ کو سچا ثابت کرتے ہیں۔ اب جبکہ حسن وحسین وغیرہ نے امیر معاویہ کی بیعت کو تسلیم کرلیا۔ تو پھر ان سے مخالفت کرنے والے پر بھی وہی قانون لاگو ہونا چاہیئے۔ حجر بن عدی نے امیر معاویہ کی بیعت توڑی۔ شیعیان علی کے کہنے پر محاذ آرائی پر تیار ہوئے۔ بلکہ مقابلہ میں بھی آئے۔ پھر پکڑے گئے۔ اور قتل کر دیئے گئے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ قانونِ بغاوت کے اعتبار سے جو کچھ اُن کے ساتھ کیا گیا۔ وہ درست تھا۔ اور حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے فعل کے مخالف نہیں تھا۔

حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ

کا مرتبہ، مقام اور فضائل

حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ ان جلیل القدر شخصیات میں سے تھے جنہیں صحابیت کے ساتھ ساتھ بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کی بہت تعظیم و توقیر کیا کرتے تھے حضرات محدثین کرام نے ان کے مخصوص اعمال کو بطور حجت پیش کیا ہے۔ اس موضوع پر چند حوالہ جات پیش خدمت ہیں۔

الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا سُئِلَ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ عِنْدَ الْقَتْلِ قَالَ صَلَّاهُمَا خُبَيْبٌ وَحَجَرٌ وَهُمَا فَاضِلَانِ۔

(الاستیعاب ص ۳۵۸ ج ۱
مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:

جناب محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ سے جب یہ سوال کیا جاتا کہ کیا قتل کا حکم ملنے کے بعد قتل ہونے والا دو رکعت نفل پڑھ سکتا ہے۔ تو آپ فرماتے۔ ہاں۔ حضرت خبیب اور حجر رضی اللہ عنہما

نے یہ نماز پڑھی۔ اور یہ دونوں بزرگ صحابی تھے۔

الاستیعاب:

قال احمد قلت یحییٰ بن سلیمان ابلغك ان حجرا
کان مستجاب الدعوة قال نعم وکان من
افاضل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
(الاستیعاب ج ۱ ص ۳۵۸)

ترجمہ:

امام احمد فرماتے ہیں۔ کہ میں نے یحییٰ بن سلیمان سے پوچھا۔ کیا تمہیں معلوم ہے۔ کہ حجر بن عدی مستجاب الدعوات تھے؟ فرمانے لگے۔ ہاں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگ صحابہ میں سے تھے۔

البدایة والنهایة

قال المرزبانی قد روی ان حجر بن عدیّ وقد
الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اخیه
هانی بن عدیّ وکان هٰذا الرّجل من عبّاد
الناس وزهادهم وکان بارًّا بامّه وکان
کثیر الصلوة والصّیام قال ابو معشر ما
احدث قط الا توضأ الا صلّی رکعتین ---
هٰکذا قال غیر واحدٍ من النّاس۔
(البدایة والنهایة جلد ۸ ص ۵۰، ۱۵۱م)

ترجمہ:

روایت ہے۔ کہ حجر بن عدی اپنے بھائی ہانی بن عدی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ (حجر بن عدی) بہت بڑے عبادت گزار اور زاہد تھے۔ اپنی والدہ کے نہایت فرمانبردار۔ بہت زیادہ صوم وصلوٰۃ ادا کرنے والے تھے۔ ابو معشر کا کہنا ہے۔ کہ ان کا جب بھی وضو ٹوٹتا فوراً تازہ وضو کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضو ادا کرتے تھے۔ یہی باتیں کئی ایک لوگوں نے بیان کی ہیں۔

پ

حجر بن عدی نے قتل ہونے سے پہلے دوگانہ ادا کیا

تاریخ طبری:

ثم ان حجرا قال لهم دعونی اتوضاء قالوا له توضاء فلما ان توضاء قال لهم دعونی اصل رکعتین فایمن الله ما توضأت قط الا صلیت رکعتین قالوا فصل فصلی ثم انصرف فقال والله ما صلیت صلوة قط اقصر منها ولولا ان تروا ان ما بی جزع من الموت لاجبت ان استکثر منها قال اللهم انا نستعیذ بک علی امتنا فان اهل الکوفة شهدوا علینا وان اهل الشام یقتلوننا۔

(طبری جلد ۶ ص ۱۵۴ ۵۱ھ)

ترجمہ:

قتل کرنے والوں کو حجر بن عدی نے کہا مجھے وضو کرنے کی اجازت دو۔ انہوں نے اجازت دے دی۔ وضو کے بعد انہوں نے کہا۔ اب مجھے دو رکعت پڑھنے کی بھی مہلت دو۔

خدا کی قسم! میں نے ہر وضوء کے بعد آج تک دو رکعت تحیۃ الوضوء نہیں چھوڑی۔ آپ نے اجازت ملنے پر دوگانہ ادا کیا۔ پھر فرمایا خدا کی قسم! اس نماز سے مختصر نماز میں نے آج تک ادا نہ کی۔ اگر تم یہ نہ سوچتے۔ کہ حجر نے موت کے ڈر سے نماز لمبی کر دی۔ تو میں خوب لمبی نماز ادا کرتا۔ نماز کے بعد اللہ کے حضور یوں دعا کی۔ اے اللہ! ہم اپنے شیعوں کے خلاف تجھ سے مدد کے طلب گار ہیں۔ کوفیوں نے ہمارے خلاف گواہیاں دیں۔ اور شامیوں نے ہمیں قتل کیا۔

بطور نمونہ چند حوالہ جات آپ نے ملاحظہ کیے۔ جناب حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کیسی بزرگ شخصیت تھے۔ بہت بڑے عابد، زاہد ہر وقت باوضو رہنے والے، والدہ کے تابع فرمان اور شب بیدار تھے۔ لیکن شیعیانِ علی نے انہیں اپنے جال میں پھنسا کر خلیفہ وقت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر دیا بالآخر یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ اور شہید ہوتے وقت اپنے شیعوں کے کردار کو واضح کر گئے۔ اس دھوکہ دہی اور جھوٹی حمایت کی وجہ سے جب ان کی شہادت ہوئی۔ تو دیگر صحابہ کرام نے اس پر افسوس بھی کیا۔ اور بعض نے ان کے بچانے کی کوشش بھی فرمائی۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا افسوس اور ان کے قتل پر رونا

الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ:

عن نافع قال لما انطلق بحجر بن عدیؓ کان ابن عمر یتخبر عنہ فاخبر بقتلہ وھو بالسوق فاطلق حبوتہ وولّی وھو یبکی۔

(الاصابۃ ص ۳۱۵ جلد ۱ حرف الحاء القسم الاول)

ترجمہ:

نافع کہتے ہیں۔ کہ جب زیاد نے حجر بن عدی کو گرفتار کر کے امیر معاویہ کے پاس بھیجا۔ تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں پوچھتے رہتے۔ پھر جب انہیں ان کی شہادت کی خبر دی گئی۔ آپ اس وقت بازار میں تھے۔ تو چادر کو کھول کر روتے ہوئے واپس آ گئے۔

ؒ

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کے بچانے میں کوشش فرمائی۔

البدایۃ والنہایۃ

ثم اوفدهم الى معاوية و بلغ الخبر عائشة فارسلت عبد الرحمن بن الحارث بن هشام الى معاوية تسئاله ان يخلى سبيلهم فلما دخلوا على معاوية قرأ كتاب زياد فقال معاوية اخرجوا بهم الى عذراء فاقتلوهم هناك فذهبوا بهم ثم قتلوا منهم سبعة واطلقوا السبعة الباقين ولكن كان حجر فيمن قتل فى السبعة الاول۔

(البدایۃ والنہایہ ص ۵۴ جلد اول)

ترجمہ:

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عبدالرحمن بن حارث کو امیر معاویہ کی طرف بھیجا۔ اور سفارش کی۔ کہ حجر بن عدی کو معاف کر دیا جائے۔ جب یہ لوگ امیر معاویہ کے پاس پہنچے۔ آپ نے زیاد کا رقعہ پڑھا۔ تو معاویہ نے کہا۔ انہیں مقام عذرا لے

طرف لے جا کر قتل کر دو۔ چنانچہ انہیں وہاں پہنچا یا گیا۔ پھر ان میں سے سات کو قتل کیا گیا۔ اور سات کو چھوڑ دیا گیا۔ لیکن حجر بن عدی ان سات میں تھے۔ جنہیں قتل کیا گیا تھا۔

حضرت ربیع نے حجر کے قتل ہونے کی خبر سن کر اپنے وصال کی دعا کی

تاریخ طبری:

ثمّ خرج فی ثیاب بیاض فی یوم جمعة فقال ایها الناس انی قد مللت الحیاة وانیّ داع بدعوة فامنوا ثمّ رفع یدهٗ بعد الصّلوة وقال اللهم ان کان لی عندك خیر فاقبضنی الیك عاجلا وامّن الناس فخرج فلا توارت ثیابه حتّٰی سقط فحمل الی بیته واستخلف ابنه عبد الله ومات من یومه۔

(الطبری جلد ۶ ص ۱۶۳ ۵۳ھ)

ترجمہ:

پھر حضرت ربیع سفید کپڑے زیب تن کر کے جمعہ کے لیے تشریف لائے۔ اور کہا۔ لوگو! میں زندگی سے پریشان آگیا ہوں۔ اور دیکھو میں ایک دعا کرتا ہوں۔ تم سب آمین کہنا۔ یہ کہہ کر آپ نے

دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے۔ اور نماز کے بعد یوں کیا۔ اے اللہ! اگر میرے لیے تیری بارگاہ میں بہتری ہے۔ تو میری روح قبض فرمالے۔ اور بہت جلد مجھے اپنے پاس بلالے۔ لوگوں نے آمین کہی۔ آپ مسجد سے نکلے۔ ابھی کپڑے سنبھالنے نہیں پائے تھے کہ زمین پر گر گئے۔ لوگوں نے آپ کو (مردہ حالت میں) اٹھایا۔ اور گھر پہنچا دیا۔ آپ نے اپنے پیچھے اپنا بیٹا عبداللہ چھوڑا۔ اور اسی دن فوت ہو گئے۔

الاستیعاب

ولما بلغ الربیع بن زیاد الحارثی من بنی الحرث بن کعب وکان فاضلا جلیلاً وکان عاملا لمعاویة علی خراسان وکان الحسن بن ابی الحسن کاتبه فلما بلغه قتل معاویة حجر بن عدی دعا الله عز وجل فقال اللهم ان کان للربیع عندك خیر فاقبضه الیك وعجل فلم یبرح من مجلسه حتی مات وکان قتل معاویة لحجر بن عدی بن الادبر سنة احدی وخمسین

(الاستیعاب ص ۳۵۹ / الجزء الاول)

ترجمہ:

جب حضرت ربیع بن زیاد حارثی کو حضرت حجر بن عدی کے

قتل کی خبر پہنچی۔ آپ (ربیع بن زیاد) بڑے فاضل اور جلیل القدر صحابی تھے۔ حضرت معاویہ کی طرف سے خراسان کے گورنر تھے حسن بن ابی الحسن ان کا کاتب تھا۔ خبر قتل سن کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اے اللہ! اگر ربیع کے لیے تیرے ہاں خیر ہے۔ تو اُسے فوراً اپنی طرف بلالے۔ یہ کہہ کر آپ مجلس سے ابھی نہیں اٹھے تھے۔ کہ انتقال کر گئے۔ حضرت امیر معاویہ نے جناب حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کو ۵۱ھ میں قتل کیا تھا۔

خود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی حجر بن عدی کے قتل پر صدمہ ہوا

تاریخ طبری

قالت یا معاویۃ اماخشیت اللہ فی قتل حجر واصحابہ قال لست انا قتلتھم انما قتلھم من شھد علیھم...... وزعموا ان معاویۃ قال عند موتہ یوم لی من ابن الادبر طویل ثلاث مرات یعنی حجراً۔

(الطبری ص ۱۵۶ جلد ۶ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:

جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ صدیقہ کے ہاں آئے

تو مائی صاحبہ نے انہیں پوچھا۔ حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کے قتل کرتے وقت تمہیں خوفِ خدا نہ آیا؟ کہنے لگے۔ میں نے انہیں قتل نہیں کیا۔ انہیں تو ان کے گواہوں نے مروایا ہے لوگوں کا خیال ہے۔ کہ حضرت معاویہ نے اپنی موت کے وقت تین مرتبہ کہا تھا۔ اے حجر! تیری وجہ سے میری موت کا دن لمبا ہو گیا۔

کامل ابن اثیر:

قَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ بَلَغَنَا اَنَّ مَعَاوِيَةَ لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاتُ جَعَلَ يَقُوْلُ يَوْمِيْ مِنْكَ يَا حَجَرُ طَوِيْلٌ۔

(ابن اثیر جلد سوم ص ۴۸۸)

ترجمہ:

ابن سیرین کہتے ہیں۔ ہمیں یہ خبر ملی۔ کہ جب امیر معاویہ کی موت قریب ہوئی۔ تو انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا۔ اے حجر! تیری وجہ سے میرا دن لمبا ہو گیا۔

لمحۂ فکریہ:

سیدنا حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کی جلالت و بزرگی اپنی جگہ مسلم تھی اس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اسی وجہ سے بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام کو آپ کی شہادت پر دلی صدمہ ہوا۔ مائی صاحبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

نے ان کی رہائی کی سفارش بھی کی۔ جو امیر معاویہ نے منظور بھی کر لی تھی۔ لیکن یہ اس وقت جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ خود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس قتل پر خوش نہ تھے۔ اسی لیے ان کے قتل کا سارا بوجھ ان کے خلاف گواہی دینے والے ان کے شیعوں پر آپ نے ڈالا۔ اور آخری وقت بھی آپ اس قتل کو نہ بھول سکے۔ اور فرماتے رہے کہ حجر بن عدی کی وجہ سے میرا دن لمبا ہوتا جا رہا ہے۔ بہر حال آپ نے بامر مجبوری ان کو قتل کروایا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بردباری اور تحمل کا مختصر نمونہ

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے حوصلہ اور بردباری کے لحاظ سے صحابہ کرام میں معروف و مشہور تھے۔ سختیوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں مصائب کی آندھیاں چل پڑیں۔ لیکن آپ کمال تحمل سے کام لیتے۔ اسی تحمل اور بردباری کے بارے میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان سے دریافت کیا۔ کہ اے معاویہ! حجر بن عدی کے بارے میں آپ نے بردباری کا مظاہرہ کیوں نہ کیا؟

ناسخ التواریخ:

قَالَ لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَکَذَّبْتُمُوْہُ وَسَفَّھْتُمُوْہُ

وجعلتموہ مجنونا فآویناہ ونصرناہ فانزل
اللہ والذین آووا ونصروا اولئک ھم المؤمنون
حقا وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
محسنا لنا متجاوزا عن سیئاتنا فلم لم تفعل
انت کذالک کاتک خالفت رسول اللہ
معاویہ لختے سر بگریبان برد پس آغاز سخن کرد و گفت فصیح ترور
زبان عرب کیست طرماخ گفت مائیم ای معاویہ گفت از
کجا گوئی گفت امراء القیس بن حجر الکندی از ماست.......
دیگر بار معاویہ لختے خاموش بنشت پس سر برداشت و گفت قوی
تر مرد در عرب کیست طرماخ گفت مائیم ای معاویہ گفت از کجا گوئی
گفت عمرو بن معدیکرب زبیدی فارس شجعان است در جاہلیت
و در اسلام چنانکہ رسول خدا فرمود معاویہ گفت اے طرماخ تو کجا
بودی کہ او را دست بگردن بستہ آوردند گفت کدام کس او را مغلول
و مقہور کرد گفت علی بن ابی طالب قال الطرماخ واللہ لو عرفت
مقامہ لسلمت الیہ الخلافۃ ولا طمعت فیہا ابداً۔
معاویہ در خشم شد و گفت اے عجوزہ من با من احتجاج میکنی ؟
قال نعم احجک یا عجوز مضر لان عجوز الیمن
بلقیس امنت باللہ و تزوجت نبیہ سلیمان ابن
داؤد علیہ السلام و عجوز مضر جدتک التی
قال اللہ فی حقھا امراتہ حمالۃ الحطب فی جیدھا
حبل من مسد۔ این وقت معاویہ زمانے بیندیشید

آنگاروئے بطرماخ کرد و گفت خداوند ترا جزائے خیر دھادکہ مردے خردمند ہستی ورفت گان خود را شاد کردی۔ واو را بعطائے لائق شاد خاطر ساخت و رخصت انصراف داد۔

(ناسخ التواریخ جز اول از جلد پنجم
درحالات امام حسن ص ۲۷۴-۲۷۵)

ترجمہ:

طرماخ بن عدی بن حاتم ایک شیعہ تھا۔ امیر معاویہ سے اس کا مکالمہ صاحب ناسخ التواریخ نے ذکر کیا۔ امیر معاویہ نے اس سے پوچھا۔ کہ عرب میں سب سے پہلے اسلام کون لایا۔ طرماخ نے کہا ہم نے اسلام سب سے پہلے قبول کیا۔ امیر معاویہ نے دلیل پوچھی۔ تو طرماخ بولا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ تم نے ان کی تکذیب کی۔ انہیں بے وقوف کہا۔ انہیں دیوانہ کا خطاب دیا۔ ہم ہیں کہ انہیں ہم نے ٹھکانہ دیا۔ ان کی مدد کی۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ "اور وہ لوگ جنہوں نے اُن کی مدد کی اور ان کو جگہ دی وہی سچے پکے مومن ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے محسن تھے۔ ہماری غلطیوں سے درگزر فرماتے تھے۔ تم نے ایسا کیوں نہ کیا۔ گویا تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی ہے یہ سُن کر حضرت معاویہ کچھ دیر کے لیے سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر سر اٹھایا اور پوچھا۔ عرب میں فصیح تر کون ہوا ہے۔ طرماخ نے کہا۔ ہم۔ پوچھا کیا دلیل ہے۔ کہنے لگا۔ امرؤ القیس بن کندی ہم میں سے تھا۔ معاویہ پھر کچھ دیر خاموش ہو گئے۔ پھر سر اٹھایا اور

پوچھا۔ عرب میں سے طاقتور ترین کون ہوا۔ طرماخ بولا۔ ہم۔ پوچھا دلیل کیا ہے۔ کہنے لگا۔ عمرو معدیکرب عرب کا بہادر ترین آدمی تھا جاہلیت اور اسلام میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ امیر معاویہ نے پوچھا۔ تو اس وقت کہاں تھا۔ جب اس پہلوان کے ہاتھ گردن پر باندھ کر لایا گیا تھا۔ پوچھنے لگا۔ کس نے اس پہلوان کو پچھاڑا تھا۔ اور کون اس پر غالب آیا تھا معاویہ کہنے لگے۔ ان کا نام علی بن ابی طالب ہے۔ یہ سن کر طرماخ بولا۔ خدا کی قسم! اگر تو اس کے مرتبہ ومقام کو سمجھتا تو خلافت اس کے سپرد کر دیتا۔ اور اس کا کبھی لالچ نہ کرتا۔ حضرت معاویہ کو غصہ آگیا۔ اور کہنے لگے۔ اے یمنی بوڑھے مجھ پر حجت بازی کرتا ہے؟ طرماخ بولا۔ ہاں۔ اے مضر کے بوڑھے۔ کیوں نہ کروں۔ کیونکہ یمنی بوڑھی بلقیس نامی نے اللہ پر ایمان لا کر اس کے نبی حضرت سلیمان سے شادی کر لی تھی۔ اور مضر کی بڑھیا جو تمہاری دادی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرمایا۔ ابولہب کی بیوی ایندھن اٹھائے ہوئے ہو گی۔ اس کی گردن میں بان کی رسی پڑے گی۔ اسی وقت حضرت معاویہ کچھ دیر سوچ میں پڑ گئے۔ پھر طرماخ کی طرف منہ کر کے بولے۔ اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر دے۔ تو عقلمند آدمی ہے۔ اور اپنے گزرے ہوئے آباؤ اجداد کو تو نے خوش کر دیا ہے۔ پھر اسے دل خوش کر کے اس کے لائق انعام دیکر رخصت فرمایا۔

٭

ناسخ التواریخ:

وہم دراں سال بعضی از خراج مملکت یمن را بسوئی معاویہ حمل میدادند چوں حاملان خراج بمدینہ رسیدند حسین بن علی علیہ السّلام فرمان داد۔ تا آں اموال و اثقال را ماخوذ داشتند و آں جملہ را براہل بیت خود بخش دوستان خود بخش فرمود و بسوئے معاویہ بدیں گونہ مکتوب کرد و بدو فرستاد۔

مِنَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلٰى مُعَاوِيَةَ بْنِ اَبِيْ سُفْيَانَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ عِيْرًا مَرَّتْ بِنَا مِنَ الْيَمَنِ تَحْمِلُ مَالًا وَحُلَلًا وَعَنْبَرًا وَطِيْبًا اِلَيْكَ لِتُوْدِعَهَا خَزَائِنَ دِمَشْقَ وَتَعُلَّ بِهَا بَعْدَ النَّهْلِ بَنِيْ اَبِيْكَ وَاِنِّيْ احْتَجْتُ اِلَيْهَا فَاَخَذْتُهَا وَالسَّلَامُ

چوں ایں مکتوب بمعاویہ رسید در پاسخ نوشت۔ مِنْ عِنْدِ عَبْدِ اللّٰهِ مُعَاوِيَةَ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِلَى الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ سَلَامٌ عَلَيْكَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ كِتَابَكَ وَرَدَ عَلَيَّ تَذْكُرُ اَنَّ عِيْرًا مَرَّتْ بِكَ مِنَ الْيَمَنِ تَحْمِلُ مَالًا وَحُلَلًا وَعَنْبَرًا وَطِيْبًا اِلَيَّ لِاُوْدِعَهَا خَزَائِنَ دِمَشْقَ وَاَعُلَّ بِهَا بَعْدَ النَّهْلِ بَنِيْ اَبِيْ وَاِنَّكَ احْتَجْتَ اِلَيْهَا فَاَخَذْتَهَا۔ وَلَمْ تَكُنْ جَدِيْرًا بِاَخْذِهَا اِذْ نَسَبْتَهَا اِلَيَّ لِاَنَّ الْوَالِيَ اَحَقُّ بِالْمَالِ ثُمَّ عَلَيْهِ الْمَخْرَجُ مِنْهُ وَاَيْمُ اللّٰهِ لَوْ تَرَكْتَ ذَالِكَ حَتّٰى صَارَ

اِلَیَّ لَمْ اَنْجِسْكَ حِظَّكَ عَنْهُ وَلٰكِنِّیْ قَدْ ظَنَنْتُ یَا ابْنَ اَخِیْ اَنَّ فِیْ رَأْسِكَ نَزْوَةً و بودی اَنْ یَكُوْنُ ذَالِكَ فِیْ زَمَانِیْ فَاعرف لك قَدْرَكَ وَاَتجَاوَزَ عَنْ ذَالِكَ وَلٰكِنِّیْ وَاللّٰهِ اَتَخَوَّفُ اَنْ تُبْتَلٰی بِمَنْ لَا یُنْظِرُكَ فُوَاقَ نَاقَةٍ۔

(ناسخ التواریخ احوال امام حسین جزء اول از جلد ششم ص ۱۹۵)

ترجمہ:

اسی سال یمن کے خراج سے لدے ہوئے کچھ اونٹ حکومت کے آدمی امیر معاویہ کے پاس لا رہے تھے۔ جب یہ مدینہ منورہ پہنچے تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے انہیں روک لیا۔ اور یہ تمام سامان اپنے دوستوں، عزیزوں وغیرہ میں تقسیم کر دیا۔ اور امیر معاویہ کی طرف ایک رقعہ لکھا۔ "یہ خط حسین بن علی کی طرف سے معاویہ بن سفیان کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد گزارش ہے کہ ایک قافلہ یمن سے خراج لے کر تمہارے پاس آ رہا تھا۔ اس میں جواہر و قیمتی لباس وغیرہ تھا۔ تم اُسے دمشق میں اپنے خزانے میں رکھ لیتے۔ اور اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیتے۔ لیکن مجھے ضرورت تھی۔ اسی لیے میں نے اُن سے لے کر باہم تقسیم کر دیا ہے۔ والسلام۔

جب یہ خط امیر معاویہ کے پاس پہنچا۔ تو انہوں نے اس کے جواب میں لکھا۔ یہ خط اللہ کے بندے امیر المؤمنین معاویہ کی

طرف سے حسین بن علی کی طرف آتا ہے۔ سلام کے بعد گزارش ہے کہ آپ کا رقعہ ملا۔ جس میں یمنی خراج کا ذکر تھا۔ بہرحال جو کچھ آپ نے لکھا۔ وہ درست تھا۔ اور جو آپ نے کیا۔ وہ آپ کی شان کے لائق نہ تھا۔ کیونکہ وہ میری طرف آرہا تھا۔ لہٰذا اُسے مجھ تک ہی پہنچنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ والی کا حق زیادہ ہوتا ہے۔ اور پھر اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ مستحقین میں تقسیم کرے۔ اگر آپ اس قافلہ کو چھوڑ دیتے۔ اور وہ میرے پاس پہنچ جاتا۔ تو میں یقیناً آپ کے حصہ میں بخل نہ کرتا۔ لیکن مجھے گمان ہے۔ کہ اے بھتیجے! آپ کے ذہن شریف میں میری دوستی کا کوئی خیال نہیں ہے۔ اور مجھے تمہاری دوستی کا شدید خیال ہے۔ اس لیے میں آپ کی قدر و منزلت کے پیش نظر آپ کے اس فعل سے درگزر کرتا ہوں۔ کبھی اس پر شکوہ نہ کروں گا۔ لیکن مجھے خدشہ ہے۔ کہ آپ کا واسطہ کہیں ایسے آدمی سے نہ پڑ جائے جو آپ کو اونٹنی کے تھنوں سے دودھ نکالنے تک کی مہلت بھی نہ دے گا۔ اس مضمون کے بعد جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ پر چند اشعار بھی تحریر فرمائے۔ جو درج ذیل ہیں۔

يَا حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ لَيْسَ مَا جِئْتَ بِالسَّائِغِ يَوْمًا فِي الْعَلَلْ

أَخْذُكَ الْمَالَ وَلَمْ تُؤْمَرْ بِهِ إِنَّ هٰذَا مِنْ حُسَيْنٍ لَعَجَلْ

قَدْ أَجَزْنَاهُمْ وَلَمْ تَغْضَبْ لَهَا وَاحْتَمَلْنَا مِنْ حُسَيْنٍ مَا فَعَلْ

يَا حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ ذَا الْأَمَلْ لَكَ بَعْدِي وَثْبَةٌ لَا تُحْتَمَلْ

وَبِوُدِّي أَنَّنِي شَاهِدُهَا وَإِلَيْهَا مِنْكَ بِالْخُلْقِ الْأَجَلْ

إِنَّنِي أَرْهَبُ أَنْ تَصْلَى بِمَنْ عِنْدَهُ قَدْ سَبَقَ السَّيْفُ الْعَذَلْ

ترجمہ:

اے حسین بن علی! آپ ایسی شراب نہیں جس کو بار بار خوشی کے ساتھ گلے سے نیچے اتارا جا سکے۔

آپ کا مال کو قبضہ میں لے لینا۔ جبکہ آپ کو اس کا حکم نہ تھا۔ یہ عجلت بازی ہے۔

میں اسے درگزر کرتا ہوں۔ ناراضگی ختم کرتا ہوں۔ اور جو کچھ آپ نے کیا۔ ہم نے اسے برداشت کیا۔

اے حسین بن علی! آپ پر امید ہیں۔ لیکن میرے بعد آپ کے طویل حملے کو کوئی برداشت نہ کرے گا۔

مجھے اپنی محبت کی قسم! میں اس حکومت کا والی ہوں۔ اور اس منصب کے لیے بڑے اخلاق کی ضرورت ہوتی ہے۔

آپ کے بارے میں فکرمند ہوں کہ آپ کا میرے بعد ایک ایسے آدمی سے واسطہ پڑے گا۔ جس کے لیے ذلت کی تلوار سبقت کر چکی ہے۔

ان واقعات سے درج ذیل باتیں ثابت ہوئی ہیں

۱۔ جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس بات کے قائل تھے۔ کہ علی المرتضیٰ کے بہت سے فضائل ہیں۔

۲۔ طرماح کی بے تکی باتوں کے مقابلہ میں امیر معاویہ کی انتہا درجہ کی بردباری

نظر آتی ہے۔

۳۔ آپ نے طرماخ کو اس پر بھی انعام دیا۔ کیونکہ اس نے حق بیان کیا تھا حالانکہ وہ ان کی توہین کر چکا تھا۔

۴۔ امام حسین نے یمنی قافلہ کو روک کر لاکھوں کا سامان قبضہ میں لے کر اپنوں میں تقسیم کر دیا۔ حالانکہ وہ امیر معاویہ کی طرف جا رہا تھا۔ اس پر بھی امیر معاویہ نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ اور انہیں اس کی اجازت دے دی۔

۵۔ امیر معاویہ یہ بھی جانتے تھے۔ کہ جیسا بردباری کا یں نے امام حسین سے مظاہرہ کیا۔ شائد ہی کوئی دوسرا کرے۔

۶۔ امیر معاویہ نے امام حسین کی قدر و منزلت کا اقرار کیا۔ آخر وہ نواسۂ رسول تھے۔ اور اس سے امیر معاویہ کا احترام آل بیت ثابت ہوتا ہے۔

الحاصل:

حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کے متعلق امیر معاویہ پر طعن کا خلاصہ یہ تھا۔ کہ امیر معاویہ نے اس جلیل القدر صحابی، صوم و صلوٰۃ کے پابند اور نہایت متقی اور پرہیزگاری شخص کو صرف اس لیے قتل کر دیا۔ کہ ان کے دل میں حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے محبت تھی۔ نہیں یہ ہرگز نہیں۔ بلکہ جہاں یہ حضرت علی المرتضٰی سے اس قدر محبت رکھتے تھے۔ کہ ان کے سوا کسی کی روایت ذکر نہ کرتے۔ وہاں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص کے زبردست حامی تھے۔ قاتلانِ عثمان پر خود حضرت علی المرتضٰی بھی لعن طعن کرتے تھے۔ لیکن حالات ایسے بن چکے تھے۔ کہ ایک خاص طریقہ سے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو فوری قصاص نہ لینے کی وجہ ـــ

لوگ قاتلانِ عثمان میں ان کو شمار کرتے تھے۔ پھر جب کوئی شخص قاتلانِ عثمان پر لعن طعن کرتا۔ تو سمجھا یہ جاتا۔ کہ ایسا کرنے والا اس طعن لعن میں حضرت علی المرتضیٰ کو بھی شامل کر رہا ہے۔ اس لیے پھر اس کو جوابی لعن طعن کا سامنا کرنا پڑتا۔ شیعیانِ علی نے جب حجر بن عدی کو دیکھا۔ کہ یہ شخص مغیرہ بن شعبہ، زیاد اور وقت کے خلیفہ معاویہ کے خلاف ہے۔ اور علی المرتضیٰ کا شیدائی ہے۔ تو انہوں نے اس کے ارد گرد جمع ہونا شروع کر دیا۔ اور انہیں اپنی ہر ممکن امداد کا یقین دلا کر انہیں محاذ آرائی کی طرف لے جانے کی کوشش کی۔ اور خود مسلح ہو کر ان کے ساتھ رہنا شروع کر دیا۔ مغیرہ اور زیاد گورنرانِ کوفہ کے ساتھ حجر بن عدی کا جھگڑا بھی ہوا۔ انہیں دوران خطبہ کنکریاں تک ماریں ان کے لوگوں سے ٹکر بھی لی۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچا دی۔ کہ ان شیعیانِ علی نے حجر بن عدی کو اس بات پر تیار کر لیا۔ کہ آپ امیر معاویہ کی بیعت توڑ دیں۔ اور ان کی حکومت و امارت کا انکار کرنا سب سے زیادہ آپ کا حق بنتا ہے اب انہوں نے زیاد کی بیعت توڑ دی۔ پھر جب گرفتاری کے لیے زیاد نے آدمی بھیجے۔ تو دونوں فریقوں میں پتھروں اور لاٹھیوں کا تبادلہ بھی ہوا۔ پھر ایسا وقت بھی آیا۔ کہ شیعیانِ علی دُم دبا کر بھاگ نکلے۔ اور حجر بن عدی بمعہ چند اور ساتھیوں کے گرفتار کر لیے گئے۔ اور انہیں امیر معاویہ کے پاس بھیجا گیا۔ یہ شیعیانِ علی اور کوفی لوگوں کی پرانی ریت رہی ہے۔ کہ وقت آنے پر آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ امام مسلم ان کے خطوط پر کوفہ گئے۔ ہزاروں نے ان کی بیعت کی۔ پھر ابن زیاد کی دھمکی سے سب پھر گئے۔ اور بالآخر انہیں شہید کر دیا۔ انہوں نے امام حسین کو بیعت کے لیے بلوایا۔ اور پھر انہوں نے انہیں شہید کر دیا۔ قَدْ خَذَ لَتْنَا شِيْعَتِنَا ،، امام حسین کے الفاظ

صاف صاف ان کے کردار کی عکاسی کر رہے ہیں۔ اس کی پوری تفصیل عقائد جعفریہ جلد اول میں ملاحظہ فرمائیں۔

اسی طرح ان لوگوں نے حجر بن عدی کو امیر معاویہ کی بغاوت پر اکسایا۔ حالانکہ امام حسن خود ان کے حق میں دستبردار ہو چکے تھے۔ اور ان کی بیعت بھی کر چکے تھے۔ امام حسین نے ان کی امارت و خلافت کو قبول کر لیا تھا۔ گویا شرق و غرب میں ان کی خلافت متفق علیہ تھی۔ اب بغاوت کو کچلنا خلیفہ وقت پر از روئے عقائد شیعہ) بھی واجب ہو جاتا ہے۔ باغیوں کا قتال انتہائی ضروری ہو جاتا ہے۔ حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کے خلاف خود ان کے ہم نواؤں نے نافرمانی اور بغاوت کی گواہیاں دیں۔ بردباری اور عفو کا مظاہرہ کرتے ہوئے۔ ان میں سے بعض کو امیر معاویہ نے معاف بھی کر دیا تھا۔ اور اس سے سیدہ عائشہ صدیقہ کی سفارش پر حجر بن عدی کو بھی معاف کر دیا۔ لیکن اس پر عمل در آمد سے پہلے انہیں قتل کر دیا گیا تھا۔ اور اس سے قبل بھی ان کے چچازاد بھائی نے سفارش کی تھی۔ لیکن باغیوں کا سرغنہ ہونے کی وجہ سے اس وقت امیر معاویہ نے فرمایا کہ اس شخص کو چھوڑنا دراصل فتنہ و فساد کو پھیلاتا ہے۔ یہ بہت نقصان دہ ہے۔ اس لیے اس کی معافی مشکل ہے۔ جب انہیں قتل کرنے کے لیے لایا گیا۔ تو دوگانہ ادا کرنے کے بعد اللہ کے حضور دعا کی۔ اے اللہ! مجھے خود میرے شیعوں نے یہاں تک پہنچایا۔ اسی کی طرف امیر معاویہ نے بھی اشارہ فرمایا۔ کہ میں نے حجر بن عدی کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ اس کے گواہوں نے اسے مروایا ہے۔ اس واقعہ پر بہت سے صحابہ کرام کو دکھ ہوا۔ صدمہ ہوا۔ اور جان تک دے دی۔ خود امیر معاویہ بھی زندگی کے آخری لمحات میں اس کو محسوس کرتے رہے۔ لیکن تقدیر میں ایسا ہونا تھا۔ اس لیے اس واقعہ

کہ امیر معاویہ پر طعن کی بجائے شیعیانِ علی کے گھناؤنے کردار کا شاخسانہ قرار دینا چاہیئے اور حجر بن عدی کے لیے دعائے خیر کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرات صحابہ کرام کی تعظیم و تکریم کی توفیق عطا فرمائے۔ اور خصوصًا حجر بن عدی جو شیعہ لوگوں کی بددیانتی کی وجہ سے شہید ہوئے اللہ تعالیٰ ان کے مراتب کو بلند و بالا فرمائے اور ہمیں ان کی تعظیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

تتمۂ باب

سیرت امیر معاویہؓ کی ایک جھلک کتب شیعہ سے

گزشتہ روایات میں حضرت امیر معاویہ کے بارے میں جو فضائل و محامد آپ نے ملاحظہ کیے۔ وہ کتب اہل سنت سے تھے۔ اب چند حوالہ جات کتب اہل تشیع سے پیش کیے جا رہے ہیں تاکہ عند الشیعہ آپ کا جنتی ہونا ثابت کیا جا سکے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ سلم کی سچی پیش گوئی کی وجہ سے جنتی ہیں

ناسخ التواریخ

سی وہکم۔ انس بن مالک گوید۔ ام خران بنت ملحان زوجۂ عبادہ بن ثابت خالہ رضاعی پیغمبر بود وآں حضرت در خانۂ او قیلولہ می کرد۔ یک روز از بہر مہمانی طعامی بساخت و رسول خدائے بخورد و بخفت۔ چوں بیدار شد

بخندید۔ ام حرام سبب خندہ پرسید۔ فرمود۔ مرا نمودند کہ جماعتی از امت من از بہر جنگ کفار در بحر و کشتی چناں باشند کہ پادشاہان بر تخت خویش۔ ام حرام گفت دعا کن تا من از ایشاں باشم۔ فرمود تو از ایشانی و دیگر بارہ بخفت و از خواب انگیختہ گشت و ہم بخندید۔ و باام حرام پاسخ نخستیں بداد۔ عرض کرد۔ دعا کن من از ایشاں باشم۔ فرمود تو از گروہ نخستیں خواہی بود۔ در حکومت معاویہ چوں لشکر بجنگ روم می شد ام حرام باآں لشکر بکشتی در رفت و چوں از بحر بکنار آمد بر شتر خویش سوار شد و در راہ از شتر بیفتاد و بمرد۔ و ہم در آں جا نجاکش سپردند۔

(ناسخ التواریخ جلد پنجم ص ۴۹ در سیرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

اکتیسواں[۳۱] معجزہ۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ ام حرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ تھیں۔ اور عبادہ بن ثابت کے عقد میں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ام حرام کے گھر میں قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن ام حرام نے آپ کی مہمانی کے لیے کچھ پکایا۔ حضور نے وہ تناول فرمایا۔ اور سو گئے۔ جب نیند سے اُٹھے تو ہنس دیئے۔ ام حرام نے پوچھا۔ حضور! ہنسی کس وجہ سے آئی ہے؟ فرمایا۔ مجھے دکھایا گیا کہ میری امت کی ایک جماعت کفار کے ساتھ جنگ کے لیے دریا و سمندر میں کشتیوں کے اندر ایسے بیٹھی ہوئی ہے۔ جیسا کہ بادشاہ تخت پر بیٹھے ہوں۔ ام حرام نے عرض کیا۔ حضور! دعا فرمائیے کہ

میں بھی اس جماعت میں ہو جاؤں۔ فرمایا۔ ہاں تو بھی اُن میں ہو گی۔ دوبارہ آپ پھر سو گئے۔ جب بیدار ہوئے۔ تو اب بھی ہنس رہے تھے۔ اور ام حرام کو پہلے والا جواب دیا۔ انہوں نے عرض کی میرے لیے بھی دعا فرمائیں۔ کہ میں بھی ان میں سے ہو جاؤں۔ فرمایا۔ تو پہلے گروہ کے اندر ہو گی۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ گورنری میں جب مسلمان لشکر جنگ رُوم کے لیے جانے لگا۔ تو ام حرام بھی ان کے ساتھ ہولیں۔ پھر کشتی میں سوار ہوئیں۔ جب پانی سے باہر نکلیں۔ تو اپنے اونٹ پر سوار ہو گئیں۔ راستہ میں اونٹ سے گر کر انتقال کر گئیں۔ اور وہیں لوگوں نے انہیں دفن کر دیا۔

واقعہ کی مزید تفصیل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حرام کے گھر قیلولہ کے دوران جو واقعہ ملاحظہ فرمایا۔ اس میں بخاری شریف کی روایت کے مطابق یہ الفاظ ہیں۔ اَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ اُمَّتِيْ يَغْزُوْنَ الْبَحْرَ قَدْ اَوْجَبُوْا۔ میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو دریائی لڑائی لڑے گا۔ ان کے لیے جنت واجب ہو گئی ہے۔ پھر قَدْ اَوْجَبُوْا کی تشریح کرتے ہوئے صاحب فتح الباری، رقمطراز ہیں۔

ای فعلوا فعلا وجبت لهم به الجنة۔

ترجمہ:
یعنی ان لوگوں نے ایسا کام کر دکھایا جس کی وجہ سے وہ یقیناً

جنت میں چلے گئے۔ یہ واقعہ اٹھائیس ہجری کا ہے۔ اس لیے صاحب ناسخ التواریخ کا اس کے متعلق یوں کہنا "درحکومت معاویہ" اس سے اگر یہ مراد ہے۔ کہ یہ واقعہ حضرت امیر معاویہ کے دور خلافت میں ہوا۔ تو درست نہیں۔ ہاں امیر معاویہ کی سرگزدگی میں ہوا۔ کیونکہ یہ لشکر دمشق سے روانہ ہوا تھا۔ اور اس صوبہ کے حضرت امیر معاویہ گورنر تھے۔ لیکن صاحب ناسخ التواریخ نے امیر معاویہ کے دور کا یہ واقعہ تو لکھا۔ لیکن یہ نہیں لکھا۔ کہ خود امیر معاویہ اس میں شریک تھے یا نہ اگر امیر معاویہ اس میں شریک نہ تھے۔ تو قَدْ اَوْجَبُوْا کا مصداق وہ ہرگز نہیں گے۔ یا دوسرے الفاظ میں اس واقعہ سے امیر معاویہ کا جنتی ہونا اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتا جب تک آپ کی اس شمولیت ثابت نہ کی جائے۔ آئیے اس کا ثبوت ملاحظہ کریں

ناسخ التواریخ

معاویہ بن ابی سفیان بسوئے عثمان نامہ کرد۔ کہ ولایاتِ روم باشام چناں نزدیک است کہ بامداداں از دو سو بانگ خروساں و آواز مرغاں شنودہ شود۔ و اینک آب دریا از موج سہناک باز نشستہ و از جنبش ہائل ساکن گشتہ اگر رخصت او ر بجانب جزیرہ قبرس رکفتی کنم۔ و آں محال راکہ از مال و مواشی آگندہ است فرو گیرم۔ عثمانؓ در پاسخ نوشت کہ عمر بن الخطاب ہرگز اجازت نمیکرد کہ مسلماناں آب دریا عبرہ کنند مرانیز کراہت می آید۔ اگر تو راایں کار موافق افتادہ و بسلامت ایں سفر واثق میباشی زن و فرزند خود را نیز باخویش در کشتی حمل میدہ تا صدق عقیدت تو مرا مکشوف افتد۔

چوں معاویہ ایں پاسخ بشنید۔ فتح قبرس را تصمیم عزم داد

و عبداللہ بن قیس را با گروہے از لشکر فرمان کرد تا از پیش کشتی در
آب رانند۔ و بفرمود کشتیہا و زورقہا فراہم آوردند۔ و لشکر را و حبیبہ
بدادو با زن و فرزند بعکہ آمد۔ در روز در آنجا بود۔ و روز سیم بعد از نماز
جمعہ بکشتی درافتند۔ اما عبداللہ بن قیس کہ از پیش در آب رانده بود۔
از کشتی بساحل دریا بیروں شد۔ تا مگر از اراضی روم خبرے باز داند۔
زنے را نگریست با دریوزگی روز گزارد۔ او را درمے چند عطا کرد آں
زن برفت بمیانِ دیہ و مردم را آگہی برد۔ کہ ایں مرد کہ با لشکر دریا می
نوردد اینک بکنار بحر ایستادہ گروہے بشتاب تاختن کردند۔
عبداللہ را مجال بدست نشد کہ بکشتی گریزد او را بگرفتند و بکشتند۔

ایں خبر را بمسلمانان بردند۔ معاویہ بداں نگریست۔ ہم چناں با زن
و فرزند و تمامت سپاہ با دو لیست و بیست کشتی را لختے نگاہ دار
کہ مرا تاب و طاقت و زورق سطے طریق می کرد۔ ناگاہ بادِ مخالف
جنبش کرد۔ دریا مضطرب شد۔ زورقہا و کشتیہا از یکدیگر بدور افتاد۔
زنِ معاویہ سخت ترسید۔ و کلیا بلاج را بخواند و گفت اے
کلیا کشتی را لختے نگاہ دار کہ مرا تاب و طاقت رفتہ است۔ کلیا
بلاح را گفت اے زن دریا فرماں کس نبرد و خبر خدائے را
بدیں کار دست بناشد صبر می کن۔ کہ خبر دل بصبوری نہادن چارہ
نیست۔ بالجملہ باد بایست و موج بنشست۔ و مسلماناں بسلامت شدند
و ایں ہنگام زورقے چند پدیدار شد کہ فرماں گزار جزیرہ قبرس
بقسطنطین ہدیہ میفرستاد۔ معاویہ فرمود تا جملہ را بگرفتند۔ و در
آں زورقہا کنیزکان پری چہرہ و جامہائے دیبا و نفائس اشیاء

فراواں یافتند وازآنجا بجزیرہ قبرس درآمدند۔ وبے توانی دست بہ نہب وغارت کشودند۔ وبسیار از قریہ ہائے وآبادی ایں ہارا بزیرپے سپردند۔ وغلاماں وکنیزاں فراواں اسیر گرفتند۔ واموال و اثقال از نفائس اشیاء برہم نہادند۔ وایں جملہ رابکنارہ بحر آوردہ کشتیہارا بیاکندند۔ فرمانگزار جزیرہ راچناں ہول وہراسی فرو گرفتہ کہ خیال مدافعہ درخاطرش عبور نداشت۔ تیغی بکشیہ وخدنگی نکشاد۔ وکس بنزدیک معاویہ فرستاد وخواستگار مصالحت گشت بشرط کہ ہر سال ہفت ہزار ودولیست دینار ازمی فرستد۔ معاویہ مسئول اور اباجابت مقرون داشت۔ وبرایں جملہ وثیقی نوشت ومراجعت نمود چوں از دریا بیروں شد۔ لیفرمود تاغنائم رافراہم آوردند وطریق تلید برزبرہم نہادند۔ کنیزاں وغلاماں را بحساب گرفتند ازدہ ہزار افزوں لبشمار آمداز جملہ ہفتصد تن دختراں دوشیزہ بود۔ معاویہ خمس غنائم رابیروں کرودبانامہ فتح بسوئے عثمان فرستاد ودیگر را برلشکر بخش نمود۔

(ناسخ التواریخ۔ تاریخ الخلفاء جلد سوم
ص ۱۳۹ تا ۱۴۱ تذکرہ فتح جزیرہ قبرس الخ
مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی کی طرف رقعہ لکھا۔ کہ ولائیت روم، شام سے اس قدر نزدیک ہے۔ کہ صبح کے وقت ایک دوسرے پرندوں کی آوازیں اور مرغ کی اذانیں

سنائی دیتی ہیں۔ اور اس وقت دریا کا پانی خطرناک موجوں سے
خالی ہے۔ اور خطرناک سیلاب کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ اگر
آپ اجازت دیں تو میں جزیرہ قبرص کی طرف چڑھائی کر دوں۔ اور
ان مقامات کو جو کہ مال و مویشیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ ان
پر قبضہ کر لوں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں
لکھا۔ کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس بات کی ہرگز
اجازت نہیں دی۔ کہ مسلمانوں کی کوئی جماعت دریا کا پانی عبور
کرے۔ اور مجھے بھی ایسا کرنا اچھا نہیں لگتا۔ اگر تم اس کام کو آسانی
سے انجام دینا اور اپنے لیے موافق سمجھتے ہو۔ اور اس مہم کو بسلامت
طے کرنے کا یقین رکھتے ہو۔ تو پھر اپنے بال بچوں کو اپنے ساتھ
کشتی میں سوار کر لو۔ تاکہ تمہاری سچی عقیدت سامنے آسکے۔

جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ جواب ملاحظہ کیا۔ تو
آپ نے قبرص کے فتح کرنے کے لیے پختہ ارادہ کر لیا۔ اور
عبداللہ بن قیس کو ایک لشکر دے کر فرمایا۔ کہ وہ پہلے کشتی کو
پانی میں اتاریں۔ اور حکم دیا۔ کہ بقیہ کشتیوں کو ساحل پر اکٹھا کیا
جائے۔ اور فوج کو ضروری احکام دیئے۔ خود اپنے اہل و عیال
کے ہمراہ ساحل پر آئے۔ دو دن وہاں قیام کرنے کے بعد
تیسرے دن نماز جمعہ سے فارغ ہو کر کشتی میں سوار ہو گئے۔ ادھر
عبداللہ بن قیس جو پہلے ہی دریا میں اتر گیا تھا۔ وہ اپنی کشتی
دریا سے ساحل پر لے آیا۔ تاکہ روم کی سرزمین کے بارے میں
کچھ معلومات حاصل کرے۔ ایک عورت کو دیکھا۔ کہ وہ دن بھر

مانگ کر گزارہ کرتی ہے۔ اُسے چند درہم دیئے۔ وُہ عورت گاؤں میں گئی۔ اور لوگوں کو خبردار کیا۔ کہ جس آدمی نے دریا کے ساحل پر ڈیرا لگایا ہے۔ یہ ایک لشکر کے ہمراہ عنقریب تم پر حملہ کرنے والا ہے۔ عبداللہ بن قیس کو جلدی میں اُن لوگوں نے پکڑ کر قتل کر دیا۔ بھاگنے تک کا وقت نہ ملا۔

جب یہ خبر مسلمانوں تک پہنچی۔ امیر معاویہ نے اس کے متعلق غور و فکر کیا۔ پھر بال بچوں اور تمام سپاہیوں کو بائیس بڑی کشتیوں اور چھوٹی کشتیوں پر سوار کر کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ اتفاقاً دوران سفر مخالف ہوا چلنا شروع ہو گئی۔ دریا میں ہل چل مچی۔ چھوٹی اور بڑی کشتیاں ایک دوسرے سے دُور ہو گئیں۔ امیر معاویہ کی بیوی سخت گھبرائی۔ اور کلیا نامی ملاح کو بُلا کر کہا۔ اے کلیا! کچھ دیر کے لیے کشتی کو ٹھہراؤ۔ کیونکہ اب مجھ میں قوت برداشت نہیں رہی۔ کلیا ہنس دیا۔ اور کہنے لگا۔ بی بی! دریا کسی کا حکم نہیں مانا کرتا۔ اللہ تعالےٰ کے بغیر کسی کو اس کام کا اختیار و قوت نہیں۔ صبر کرو۔ کیونکہ اس کے بغیر اور کوئی چارہ نہیں۔ مختصر یہ کہ ہوا کچھ دیر بعد ٹھہر گئی۔ اور موجوں کو سکون آگیا۔ مسلمان سلامتی کے ساتھ کشتیوں میں بیٹھ گئے۔ اتنے میں دُور سے چند چھوٹی کشتیاں آتی دکھائی دیں ان میں قبرص کے حکمرانوں کی طرف سے قسطنطنیہ کے حاکم کے لیے تحفہ تحائف لدے ہوئے تھے۔ امیر معاویہ نے حکم دیا۔ کہ ان تمام کشتیوں کو پکڑ لیا جائے۔ ان کشتیوں میں چاند سی صورت والی کنیزیں، ریشمی کپڑے اور عمدہ اشیاء موجود تھیں۔ بھاری تعداد میں

یہ چیزیں ہاتھ آئیں۔ اس کے بعد مسلمانوں کا یہ لشکر جزیرہ قبرص آیا۔ اور مسلمان بے تحاشا تباہی اور بربادی کا منظر پیش کر رہے تھے۔ اس طرف کے علاقہ جات سے کثیر تعداد میں غلام اور لونڈیاں ان کے ہاتھ آئیں۔ بہت سی قیمتی اشیاء بھی ان کے ہاتھ لگیں۔ ان تمام چیزوں کو دریا کے کنارے پر لا کر کشتیوں میں ڈال دیا۔ جزیرہ قبرص کے حاکم کو اس سے ایسی دہشت ہوئی۔ کہ اُسے دفاع اور مقابلہ کرنے کا تصوّر تک نہ آیا۔ نہ تلوار اٹھائی۔ نہ تیر کمان پر چڑھایا۔ پھر ایک آدمی کو حضرت امیر معاویہ کے پاس امن کی بھیک کے لیے بھیجا۔ امیر معاویہ نے اسے قبول کر لیا۔ شرط یہ قرار پائی۔ کہ جزیرہ قبرص کا حاکم ہر سال ستر ہزار اور دو سو دینار دیا کرے گا۔ امیر معاویہ نے ان شرائط کو تحریر میں لایا۔ اور واپس لوٹ آئے۔

جب دریا سے باہر کنارے پر اُترے تو فرمایا۔ تمام مالِ غنیمت کو اکٹھا کیا جائے۔ سپاہیوں نے اکٹھا کیا۔ اس وقت غلاموں اور لونڈیوں کی سرسری گنتی کی گئی۔ تو دو ہزار سے بھی زائد نکلے۔ ان تمام قیدیوں میں تقریباً سات سو ایسی لڑکیاں تھیں۔ جو ابھی کنواری تھیں۔ حضرت امیر معاویہ نے مال غنیمت کا پانچواں حصّہ علیحدہ کر دیا۔ اور فتح کی خوشخبری کا خط لکھ کر حضرت عثمان غنی کی خدمت میں ایک آدمی بھیج دیا۔ پانچواں حصّہ بھی ان کے ہمراہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ اور بقیہ کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔

لمحہ فکریہ

اس طویل حوالہ سے ہم نہیں بلکہ ایک شیعہ مورخ کہہ رہا ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس بحری لڑائی میں اپنے اہل وعیال سمیت شریک ہوئے تھے۔ اور کشتیوں پر سوار ہو کر دریائی سفر طے کیا۔ اور دشمنوں پر فتح حاصل کی۔ چونکہ اسی سفر میں ام حزام کا انتقال ہوتا ہے۔ اب ان دونوں کڑیوں کو ملائیں۔ تو بات یوں بنے گی۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے ایک لشکر کو جنت کی بشارت دی۔ جو کشتیوں پر سوار ہو کر دشمن سے لڑنے جائے گا۔ اور اس جنتی لشکر میں حضرت ام حزام نے شریک ہونے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرائی۔ جو منظور و مقبول ہوئی۔ ام حزام بموجب دعائے حضور اور بہ تمنائے جنت کشتی میں سوار ہوئیں۔ اس لشکر میں حضرت امیر معاویہ ایک سپہ سالار کی صورت میں موجود تھے۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق جنتی ہوئے۔ اس حقیقت کو مدِنظر رکھ کر کوئی بدنصیب ہی ایسا ہو گا۔ جو امیر معاویہ کے جنتی ہونے کا اقرار نہ کرے اور پھر اگر اس ضمن میں یہ دیکھا جائے۔ کہ امیر معاویہ کو جنتی نہ ماننے والا دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو ٹھکرا رہا ہے۔ تو ایسے کم بخت کا سرے سے ایمان ہی جاتا رہے گا۔

قارئین کرام! حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہم اہل سنت کا یہ عقیدہ نہیں۔ کہ آپ ہر خطاء سے معصوم ہیں۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے جلیل القدر صحابی مانتے ہیں۔ ام حبیبہ کا بھائی ہونے کی وجہ سے آپ کا سالا مانتے ہیں۔ مذکورہ پیش گوئی اور دیگر شواہد کی بنا پر ہم انہیں جنتی سمجھتے ہیں۔ حسنین کریمین نے ان کی بیعت کر لی تھی۔ اس لیے ہم آپ کو باغی کہنے کے لیے ہرگز تیار

نہیں ہیں۔ ان دونوں نے امیر معاویہ سے وظائف قبول کیے۔ اس لیے ہم امیر معاویہ کو حسنین کا محسن بھی کہتے ہیں۔ اس لیے ان لوگوں سے ہماری گزارش ہے کہ جوان کے بارے میں باغی اور کافر تک کے الفاظ کی رٹ لگاتے ہیں۔ وہ اپنے رویہ پر نظر ثانی کریں۔ اور اللہ و رسول کے غضب سے بچنے کے لیے اس عقیدہ سے توبہ کریں۔

گستاخ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ولی نہیں ہو سکتا

تحفہ جعفریہ جلد اول میں ہمارے مرشد و شیخ کامل پیر سید باقر علی شاہ کا ایک خواب آپ ملاحظہ کر چکے ہوں گے۔ جو مختصراً یہ ہے کہ آپ کو خیال آیا کہ امیر معاویہ نے حضرت علی المرتضٰے کے مقابلہ میں جنگ لڑی۔ بس اس خیال کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت علی المرتضٰی نے دوران خواب مرشدی قبلہ شاہ صاحب کو فرمایا "امیر معاویہ سے لڑائی میری ہوئی ہے یا تمہاری"، بس اتنا ارشاد فرما کر وہ منظر آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ اس خواب کے بعد میرے اکابر کا روحانی فیض مجھ سے منقطع ہو گیا۔ اپنے مذکورہ خیال پر ندامت کے بہت زیادہ آنسو بہائے۔ پھر کہیں جا کر حضرت علی المرتضٰے نے دوبارہ خواب میں چہرہ انور دکھایا۔ اور معاملہ درست ہو گیا۔ قبلہ مرشدی فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت امیر معاویہ کو نہایت حسن و جمال میں دیکھا۔ اور فرمایا۔ جو ان کا گستاخ ہے۔ اُسے درجہ ولایت ہرگز نہیں مل سکتا۔ اس لیے آخر میں ہم پھر درخواست کرتے ہیں۔ کہ امیر معاویہ اور علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کے باہم

رُحماء ہونے کا عقیدہ رکھے بغیر نجات ناممکن ہے۔

لمحہ فکریہ: (فاعتبروا یا اولی الابصار)

ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ ناسخ التواریخ سے مذکورہ دو حوالہ جات کو اگر کوئی طالبِ حق سامنے رکھے گا۔ اور حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت کا دم بھرنے والا ان کو دیکھے گا۔ تو وہ یقیناً سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ذات پر تبرا بازی کجا اس کے تصور سے بھی کانپے گا۔ اور ان کے حق میں بدگمانی کے وہم و خیال کو قریب پھٹکنے نہ دے گا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار اَنَا اَینَ غَدًا (میں کل کسی بیوی کے گھر میں ہوں گا۔ زبان اقدس پر لانا اس سے تمام ازواج مطہرات جان چکی تھیں۔ کہ آپ کا ارشاد سیدہ عائشہ کی طرف ہے۔ اسی ارادے کو خاتون جنت بھانپ کر تمام امہات المومنین کے پاس باری باری تشریف لے گئیں۔ اور انہیں اس پر آمادہ کیا۔ کہ وہ سیدہ عائشہ صدیقہ کے ہاں حضور کے تشریف لے جانے کو بخوشی قبول فرمالیں۔ جس کا انہوں نے مثبت جواب دیا۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری آیام کے لیے سیدہ عائشہ صدیقہ کے گھر کا انتخاب فرما کر ان کا مقام و مرتبہ واضح فرما دیا۔ اور پھر جب صحیح بخاری کی اِس روایت پر نظر پڑتی ہے۔ تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان اور دوبالا نظر آتی ہے۔ وہ یہ کہ خود فرماتی ہیں کہ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم راہئ لقا ہوئے۔ تو آپ کا سر انور میری ٹھوڑی اور میرے سینے کے درمیان تھا۔ نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت تھی۔ اس عقیدت و محبت کا مظاہرہ۔ اور جس جگہ آپ کا سرِ انور لگا رہا۔ اس مقام کا مرتبہ کون جان سکتا ہے۔؟

اُدھر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قلبِ انور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

سے بے پناہ محبت تھی۔ اس عقیدت و محبت کا مظاہرہ مذکورہ روایات میں اس واقعہ سے ملتا ہے۔ کہ جب صحابہ کرام کو وضوء کے لیے پانی میسّر نہ آیا۔ اس وقت حضور داد ابی و امی سیدہ عائشہ کی گود میں سر رکھے آرام فرما رہے تھے۔ صحابہ کرام نے جب ابوبکر صدیق سے شکوہ کیا۔ کہ تمہاری بیٹی کی وجہ سے ہماری نماز قضاء ہونے کا خطرہ ہے۔ تو صدیق اکبر نے اپنی بیٹی کی پسلی پر ہاتھ سے شدید ضربیں لگائیں۔ اور کہا۔ تمہیں نہیں معلوم کہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟ لیکن اس شدید مار پر بھی سیدہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام میں قطعاً خلل نہ پڑنے دیا۔ اس حقیقت کو غالی شیعہ مرزا محمد تقی صاحب ناسخ التواریخ بھی تسلیم کرتا ہے۔ ہم جب سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس مثالی عقیدت و محبتِ مصطفےٰ کو دیکھتے ہیں۔ تو یقین آتا ہے۔ کہ سیدہ رضی اللہ عنہا ہر فکرِ آخرت سے بے فکر ہوں گی۔ آخر کیوں ایسا نہ ہو۔ جن کے درِ دولت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری ایام بسر فرمانا پسند کریں۔ جن کے سینہ پر سر رکھے ہوئے آپ اس دارِ فانی کو چھوڑیں۔ اور جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ پر طرح طرح کے کرم فرمائے انہیں اخروی کامیابی و کامرانی نصیب نہ ہو تو پھر اور کسے ہو گی۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب مذکورہ بالا واقعہ کے تحت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہاتھ سے مارا۔ تو اس واقعہ کے سبب، اللہ تعالیٰ نے امت پر یہ کرم فرمایا۔ کہ وضوء کی جگہ تیمّم کی اجازت عطا ہوئی۔ اسی لیے ایک صحابی حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اے آلِ ابی بکر! شریعت میں یہ نرمی اور سہولت تمہاری پہلی برکت نہیں۔ بلکہ اس سے پہلے کئی سہولتیں تمہاری بدولت اللہ تعالیٰ نے اس امت کو مرحمت فرمائیں۔ آپ حضرت اسید بن حضیر کے اس قول کو بار بار پڑھیں۔ صدیق اکبر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کی حضرات صحابہ کرام کس قدر عزت کیا کرتے تھے۔ اور وہ یہی جانتے تھے۔ کہ اللہ رب العزت کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دونوں محبوب ہیں۔ اس لیے ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بہت سے آسانیاں امت کو عطا فرمائیں

ان روایات و واقعات سے روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور سیدہ عائشہ کو حضور سے کس قدر محبت تھی۔ ان میں سے ہر ایک واقعہ دونوں حضرات کے مابین محبت کا لازوال رشتہ ثابت کرتا ہے۔ اور پھر سب سے اہم بات یہ کہ آپ وصال کے بعد بھی اسی حجرہ میں آرام فرما ہیں۔ جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ یہ حقیقت ہر دور میں اس امر کا زندہ ثبوت اور تابندہ دلیل ہے۔ کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی باہم محبت بے مثل تھی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

فاعتبروا یا اولی الابصار

باب سوم

اہل تشیع کے مذکورہ مشہور مطاعن و

اعتراضات کے چند مزید

تحقیقی جوابات

باب سوم

اہل تشیع کے مذکورہ مشہور مطاعن واعتراضات کے چند مزید تحقیقی جوابات

اس باب میں چند فصول ہیں

فصل اوّل

ام کلثوم بنت سیدہ فاطمہؓ کے زوجہ عمر فاروق ہونے پر غلام حسین نجفی کے اعتراض کا جواب

دوسری جلد تحفہ جعفریہ میں غلام حسین نجفی کی یہ تلق گزر چکی ہے کہ اگر ام کلثوم بنت علی زوجہ عمر فاروق ہوتی تو پھر ام کلثوم بنت علی کربلا میں کیسے موجود ہوتی جبکہ تاریخ گواہ ہے کہ جو ام کلثوم زوجہ عمر فاروق تھی وہ حضرت علی کی زندگی میں فوت ہو گئی تھی۔ مختصر یہ کہ غلام حسین نجفی کا تلق خود اس کے ہم مسلک شیعہ علماء کے خلاف ہے، درجنوں حوالہ جات کے ذریعہ ہم کتب شیعہ سے یہ ثابت کر چکے ہیں۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ کی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا عقد حضرت عمر بن الخطاب سے برضا و رغبت ہوا تھا۔ علاوہ ازیں اسی نام کی ایک اور عورت

ام کلثوم جو کربلا میں گئی تھی۔ اس کے بنتِ فاطمۃ زہرا رضی اللہ عنہا نہ ہونے پر بھی کتب شیعہ سے تصریحات پیش ہوئی ہیں۔ مزید تسلی کی خاطر ایک بہت بڑے شیعہ امام کی عبارت ملاحظہ ہو۔

کربلا جانے والی ام کلثوم جس کی شادی امام مسلم سے ہوئی تھی۔ وہ خاتونِ جنت کی بیٹی نہیں تھی

اعیان الشیعہ

فی عمدۃ المطالب محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب امہ حمیدہ بنت مسلم بن عقیل امہا ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب انتھی وَاُمّ کُلْثُوْمِ ھٰذِہِ الَّتِیْ ھِیَ زَوْجَۃُ مُسْلِمِ بْنِ عَقِیْلِ غَیْرُ اُمِّ کُلْثُوْمِ الصُّغْرٰی الْاٰتِیَۃِ الَّتِیْ کَانَتْ مُتَزَوِّجَۃً بِاَحَدِ اَعْقَابِہٖ فَلَا یُمْکِنُ اَنْ تَکُوْنَ زَوْجَتُہٗ وَغَیْرُ الْکُبْرٰی الْاٰتِیَۃِ اَیْضًا لِاَنَّہٗ لَمْ یَقُلْ اَحَدٌ اِنَّھَا کَانَتْ مُتَزَوِّجَۃً بِمُسْلِمٍ ثُمَّ اِنَّ بَنَاتِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیٍّ اَللَّوَاتِیْ اِسْمُھُنَّ اَوْکُنْیَتُھُنَّ اُمُّ کُلْثُوْمٍ ھُنَّ ثَلٰثٌ اَوْ اَرْبَعٌ ثُمَّ اِنَّ اُمَّ کُلْثُوْمٍ بِنْتِ

اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّتِیْ کَانَتْ مَعَ اَخِیْہِ الْحُسَیْنِ بِکَرٌ بِلَا لَا یُدْرٰی اَیُّھُنَّ ھِیَ فَیُمْکِنُ اَنْ تَکُوْنَ ھِیَ زَوْجَۃُ مُسْلِمِ بْنِ عَقِیْلٍ فَتَکُوْنُ قَدْ خَرَجَتْ مَعَ اَخِیْھَا الْحُسَیْنِ کَمَا خَرَجَتْ مَعَہٗ اُخْتُھَا زَیْنَبُ وَ زَوْجُھَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ جَعْفَرٍ حَتّٰی بِالْمَدِیْنَۃِ فَخَرَجَتْ مَعَہٗ ھِیَ وَ وَلَدَاھَا عَوْنٌ وَ جَعْفَرُ وَھٰذِہٖ کَانَ قَدْ خَرَجَ زَوْجُھَا مُسْلِمٌ اِلَی الْکُوْفَۃِ وَخَرَاجَ اَوْلَادُہٗ مَعَ الْحُسَیْنِ وَیُمْکِنُ اَنْ یَکُوْنَ فِیْھِمْ مَنْ ھُوَ مِنْ اَوْلَادِ ھَا فَھِیَ اَحَقُّ بِالْخُرُوْجِ مَعَ اَخِیْھَا الْحُسَیْنِ مِنْ کُلِّ امْرَأَۃٍ۔

(اعیان الشیعہ جلد سوم،
ص ۴۸۴ مطبوعہ بیروت طبع جدید
ذکر ام کلثوم بنت یعر المومنین الخ)

ترجمہ:

عمدۃ الطالب میں ہے۔ کہ محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب نامی شخص کی والدہ کا نام حمیدہ بنت مسلم بن عقیل ہے۔ محمد بن عبد اللہ مذکورہ کی والدہ حمیدہ کی والدہ کا نام ام کلثوم تھا۔ جو حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ (مسلم بن عقیل کی یہ بیوی ہیں۔ اور ان کا نام بھی ام کلثوم ہے) لیکن یہ ام کلثوم جو امام مسلم بن عقیل کی بیوی ہیں۔ یہ اور ہیں اور ام کلثوم صغریٰ جن کا ذکر آگے آرہا ہے وہ اور ہیں۔ اور یہ (ام کلثوم صغریٰ) مسلم بن عقیل کے دوسرے بیٹے

کی بیوی ہیں۔ لہذا یہ ناممکن ہے۔ کہ ام کلثوم صغرایٰ مسلم بن عقیل کی بیوی ہوں۔ (کیونکہ یہ تو ان کے بیٹے کی بیوی ہونے کے ناطہ سے اِن کی بہو ہوئیں) اسی طرح ام کلثوم زوجۂ مسلم بن عقیل اور ام کلثوم کبرایٰ دو الگ الگ عورتیں ہیں۔ کیونکہ ام کلثوم کبریٰ کو کسی مورخ نے یہ نہ لکھا۔ کہ یہ امام مسلم بن عقیل کی بیوی ہیں۔ پھر معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کی بیٹیاں جن کے نام یا کنیت ام کلثوم تھی۔ وہ تعداد میں تین یا چار ہیں۔ پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ حضرت امیر المومنین علی المرتضٰے کی صاحبزادی ام کلثوم جو اپنے بھائی امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ میدان کربلا تشریف لائی تھیں۔ ان کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہوسکا۔ کہ وہ کون سی ام کلثوم تھیں۔ ممکن ہے۔ کہ ام کلثوم حضرت مسلم بن عقیل کی بیوی ہو تو جس طرح امام حسین کی ہمشیرہ سیدہ زینب کربلا میں آپ کے ساتھ تھیں۔ اسی طرح یہ ام کلثوم بھی ان کی معیت میں گئی ہوں۔ امام حسین کی ہمشیرہ سیدہ زینب کے خاوند عبداللہ بن جعفر مدینہ منورہ میں بقید حیات تھے۔ سو حضرت زینب اپنے دونوں بیٹوں عون و جعفر کے ہمراہ اپنے بھائی کے ساتھ کربلا تشریف لائیں۔ اور یہ ام کلثوم تو ان کے خاوند مسلم بن عقیل کوفہ چلے گئے تھے۔ اور ان کی اولاد امام حسین کے ساتھ کربلا کی طرف روانہ ہوئی۔ اور ممکن ہے کہ ان میں امام مسلم بن عقیل کی اولاد ہو۔ جو ام کلثوم سے تھی۔ لہذا اس ام کلثوم کا اپنے بھائی کے ساتھ کربلا کی طرف نکلنا بہ نسبت دوسری عورتوں کے زیادہ حق تھا۔

لمحہ فکریہ

روایت مذکورہ نے یہ بات واضح طور پر ثابت کردی ہے۔ کہ ام کلثوم نامی عورت جو کربلا میں گئی تھی۔ وہ امام مسلم بن عقیل کی بیوی تھی۔ اور یہ بھی واضح ہوا کہ حضرت علی المرتضٰے کی تین چار صاحبزادیوں کا نام ام کلثوم تھا۔

۱۔ ام کلثوم بنت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ جو امام مسلم بن عقیل کی بیوی ہیں۔

۲۔ ام کلثوم بنت امیرالمومنین علی المرتضٰے جو حضرت عبداللہ اصغر بن عقیل کی زوجہ ہیں۔ انہیں ام کلثوم صغریٰ کہا جاتا ہے۔

۳۔ ام کلثوم بنت علی المرتضٰے جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔ یہ ام کلثوم کبریٰ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ کربلا نہیں گئیں۔ ان کا وصال ۵۴ھ سے قبل ہی ہو گیا تھا۔ اور واقعہ کربلا ۶۰ھ میں رونما ہوا تھا۔ اس لیے ان کا اس واقعہ میں شرکت کرنا ناممکن تھا۔

جو ام کلثوم بنت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ
حضرت عمر بن الخطاب کے عقد میں تھیں وہ
سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں

اعیان الشیعہ

أُمُّ كُلْثُوْمِ الْكُبْرٰى - بِنْتُ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ .

عَلِیّ ابْن اَبِیْ طَالِبٍ زَوْجَۃُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ تُوُفِّیَتْ بِالْمَدِیْنَۃِ فِیْ سَلْطَنَۃِ مُعَاوِیَۃَ وَاَمَارَۃِ سَعِیْدِ بْنِ الْعَاصِ عَلَی الْمَدِیْنَۃِ وَذَالِکَ قَبْلَ سـ۵۴ـہ وَھِیَ اُمُّ کُلْثُوْمِ الْکُبْرٰی کَمَا قُلْنَا فَقَدْ وَجَدْنَا فِیْ مُسَوَّدَۃِ الْکِتَابِ کَمَا سَتَعْرِفُ اَنَّ اُمَّ کُلْثُوْمِ الْکُبْرٰی زَوْجَۃُ عَوْنِ بْنِ جَعْفَرَ وَمَعْلُوْمٌ اَنَّ الَّتِیْ تَزَوَّجَھَا عَوْنٌ ھِیَ الَّتِیْ کَانَتْ زَوْجَۃَ عُمَرَ فَمَا فِیْ تَکْمِیْلَۃِ الرِّجَالِ مِنَ الْجَزْمِ فَاِنَّ زَیْنَبَ الصُّغْرٰی الْمُکَنّٰی اُمَّ کُلْثُوْمٍ ھِیَ زَوْجَۃُ عُمَرَ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ بَلْ ھِیَ غَیْرُھَا وَفِیْ طَبْقَاتِ اِبْنِ سَعْدِ اَکْبَرِ اُمَّ کُلْثُوْمٍ بِنْتِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ وَاُمُّھَا فَاطِمَۃُ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَھَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَھِیَ جَارِیَۃٌ لَمْ تَبْلُغْ فَلَمْ تَزَلْ عِنْدَہٗ اِلٰی اَنْ قُتِلَ وَوَلَدَتْ لَہٗ زَیْدَ بْنَ عُمَرَ وَرُقَیَّۃَ بِنْتَ عُمَرَ۔

اعیان الشیعۃ جلد سوم
ص ۴۸۵ تذکرہ ام کلثوم الکبریٰ)

ترجمہ:

حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام کلثوم کبریٰ جو عمر بن الخطاب کی زوجہ تھیں۔ حضرت امیر معاویہ کے دور خلافت میں سـ۵۴ـہ سے قبل مدینہ منورہ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان دونوں

مدینہ منورہ کے گورنر سعید بن العاص تھے۔ ام کلثوم کبری یہی ہیں۔ ہم نے کتاب کے اصلی مسودہ میں دیکھا۔ جسے تم بھی عنقریب پہچان لوگے۔ کہ ام کلثوم کبرای کا عقد عون بن جعفر سے ہوا۔ اور یہ بھی جانی پہچانی بات ہے۔ کہ جس ام کلثوم نے عون بن جعفر سے شادی کی تھی۔ یہ وہی ام کلثوم ہے جو عمر بن الخطاب کی بیوی تھیں۔ لہذا تکملۃ الرجال میں جو یہ بات یقین کے ساتھ لکھی گئی کہ زینب صغرای جن کی ام کلثوم کنیت تھی۔ یہ عمر بن الخطاب کی بیوی تھیں۔ یہ بات اپنی جگہ درست نہیں ہے۔ بلکہ یہ ام کلثوم کوئی اور ہے۔ طبقات ابن سعد میں مذکور ہے ام کلثوم بنت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ جن کی والدہ کا نام فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ان کے ساتھ حضرت عمر بن الخطاب نے شادی کی۔ بوقت شادی یہ نابالغہ تھیں۔ حضرت عمر کے عقد میں یہ عمر فاروق کی شہادت تک رہیں۔ اور ان کے ہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دو بچے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام زید بن عمر اور دوسرے کا نام رقیہ بنت عمر تھا۔

☆

فصل دوم

حضرت عمرؓ نے امّ کلثومؓ بنت علیؓ سے شادی کی تو چالیس ہزار درہم حق مہر مقرر کیا

المبسوط

رُوِیَ اَنَّ عُمَرَ تَزَوَّجَ اُمَّ کُلثُومٍ بِنْتِ عَلِیٍّ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَاَصْدَقَھَا اَرْبَعِیْنَ اَلْفِ دِرْھَمٍ وَاَنَسُ بْنُ مَالِكٍ تَزَوَّجَ اِمْرَأَۃً عَلٰی عَشَرَۃِ اَلْفٍ وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ زَوَّجَ بَنَاتَ اَخِیْہِ عُبَیْدِاللّٰہِ کُلِّ وَاحِدَۃٍ عَلٰی عَشَرَۃِ اَلْفٍ وَ تَزَوَّجَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِمْرَأَۃً فَاَصْدَقَھَا مَائَۃَ جَارِیَۃٍ مَعَ کُلِّ جَارِیَۃٍ اَلْفُ دِرْھَمٍ وَتَزَوَّجَ مُصْعَبُ بْنُ زُبَیْرِ عَائِشَۃَ بِنْتَ طَلْحَۃَ فَاَصْدَقَھَا مَائَۃَ اَلْفِ دِیْنَارٍ فَقُتِلَ عَنْھَا فَتَزَوَّجَھَا رَجُلٌ مِنْ بَنِیْ تَمِیْمٍ فَاَصْدَقَھَا مَائَۃَ اَلْفِ دِیْنَارٍ۔

(المبسوط جلد ۴ ص ۲۷۲ کتاب الصداق مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

مروی ہے۔ کہ حضرت عمر بن الخطاب نے حضرت علی المرتضیٰ

کی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم سے شادی کی تو چالیس ہزار درہم حق مہر مقرر کیا تھا۔ اور انس بن مالک نے ایک عورت کے ساتھ دس ہزار درہم حق مہر پر شادی کی۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنی بھتیجیوں (یعنی عبیداللہ کی بیٹیوں) کی شادی کرتے وقت ہر ایک کا دس ہزار درہم حق مہر مقرر کیا تھا۔ امام حسن بن علی نے ایک عورت سے شادی کرتے وقت حق مہر میں ایک سو لونڈیاں دینا منظور کیا۔ اور یہ بھی کہ ہر لونڈی کے ساتھ ایک ایک ہزار درہم بھی ہوگا۔ مصعب بن زبیر نے جناب طلحہ کی صاحبزادی عائشہ سے ایک لاکھ دینار حق مہر کے عوض شادی کی۔ پھر جب انہیں شہید کر دیا گیا تو ان کی بیوہ نے (عدت پوری کرنے کے بعد) بنو تمیم کے ایک مرد سے ایک لاکھ دینار حق مہر کے عوض میں شادی کی۔

توضیح

صاحب مبسوط علامہ طوسی اگرچہ حوالہ مذکورہ میں حق مہر کے کم و بیش ہونے کی بحث کر رہا ہے۔ اور چند ایک شادیاں بطور مثال پیش کر کے یہ ثابت کیا گیا۔ کہ حق مہر کی زیادہ سے زیادہ حد مقرر نہیں کی جا سکتی لیکن ان ہی شادیوں میں حضرت علی المرتضٰے کی صاحبزادی ام کلثوم کی شادی اور ان کے حق مہر کا تذکرہ کر کے یہ واضح ہو گیا۔ کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی شادی کسی جبر و اکراہ کے تحت نہیں ہوئی۔ بلکہ برضا و رغبت قرار پائی تھی۔

وسائل الشیعہ

عَنْ عِیسَی بْنِ عَبْدِ اللهِ الْهَاشِمِی قَالَ خَطَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَ ذَالِكَ قَبْلَ اَنْ یَتَزَوَّجَ اُمَّ كُلْثُومٍ بِیَوْمَیْنِ فَقَالَ اَیُّهَا النَّاسُ لَا تَغَالُوا بِصَدُقَاتِ النِّسَاءِ فَاِنَّهُ لَوْ كَانَ الْفَضْلُ فِیهَا لَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَفْعَلُهُ كَانَ بَیْنَكُمْ عَلَیْهِ السَّلَامُ یَصْدُقُ الْمَوَادَّةَ مِنْ نِسَائِهِ الْمَحْشُوَّةِ وَ فِرَاشِ اللَّطِیفِ وَالْخَاتَمِ وَالْقَدَحِ الْكَثِیفِ وَمَا اَشْبَهَهُ ثُمَّ نَزَلَ عَنِ الْمِنْبَرِ فَمَا اَقَامَ اِلَّا یَوْمَیْنِ اَوْ ثَلَاثَةً حَتّٰی اَرْسَلَ فِی صَدَاقِ بِنْتِ عَلِیٍّ بِاَرْبَعِینَ اَلْفًا۔

(وسائل الشیعہ جلد ۱۵ ص نمبر ۲۰،
كتاب النكاح باب زیاد المهر الخ
مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

عیسیٰ بن عبداللہ الہاشمی روایت کرتا ہے۔ کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم سے شادی کرنے سے دو یا تین دن قبل خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔ لوگو! عورتوں کے حق مہر میں بہت آگے مت جاؤ۔ کیونکہ اگر زیادہ حق مہر باندھنا کوئی فضیلت والا کام ہوتا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اِسے ضرور کرتے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ تم سب جانتے ہو۔ اپنی بیویوں
کے حق مہر میں بستره۔ طاق ، انگوٹھی اور بڑا پیالہ دیا ہے۔ یہ
خطبہ دے کر حضرت عمر بن الخطاب منبر سے اتر آئے۔ اس
کے دو یا تین دن بعد جب انہوں نے حضرت ام کلثوم بنتِ
علی المرتضٰے سے شادی کی۔ تو حق مہر میں چالیس ہزار درہم مقرر
کر کے ان کو ادا کر دیا۔

وضاحت

صاحب وسائل الشیعہ علامہ طوسی اگرچہ اپنی دیرینہ حاسد عادت کے
مطابق یہ واقعہ اس لیے ذکر کر رہا ہے۔ کہ اس سے حضرت عمر بن الخطاب
کے قول و فعل میں تضاد ثابت کر کے ان کی تنقیص شان کرے۔ لیکن
جیسا کہ وہ نہ اس میں کامیاب ہو سکتا ہے نہ ہو سکا۔ اسی لیے عقل کا اندھا
اپنے مسلک پر بھی پانی پھیر گیا۔ یہ دونوں باتیں اس طرح کہ حضرت عمر
رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں جو حق مہر کی کمی کا مشورہ دیا تھا۔ تو وہ بہتری پر مبنی
تھا۔ یہ نہیں کہ آپ حکماً سب لوگوں کو کم سے کم حق مہر باندھنے پر پابند کرنا
چاہتے تھے۔ اور بہتری سے کیا انکار۔ کیونکہ اپنی وسعت سے بڑھ کر
اگر مرد حق مہر مقرر کرتا ہے۔ تو اس کی ادائیگی مشکل ہونے کی وجہ سے
زوجین کے مابین تنازعہ کھڑا ہونے کے مواقع موجود ہوں گے۔ اور
عین ممکن ہے۔ کہ معاملہ بگڑ کر طلاق تک نوبت آجائے۔ اس لیے آپ
نے کم حق مہر باندھنے کو اَولیٰ قرار دیا۔ رہا یہ کہ آپ نے خود چالیس ہزار درہم
حق مہر مقرر فرمایا۔ تو اس سلسلہ میں بات یہ ہے۔ کہ مرد کو اپنی مالی حیثیت

کے پیشِ نظر حق مہر باندھنا پڑتا ہے۔ روایت مذکورہ یہ بتا رہی ہے۔ کہ آپ نے مقررہ حق مہر فوراً ادا کر دیا تھا۔ جب آپ کو اس کی استطاعت تھی۔ تو اس پر کیا اعتراض۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی شان وعظمت والی عورت مِل جائے تو اس کے لیے زیادہ حق مہر باندھنے میں کیا حرج ہے۔ گزشتہ حوالہ میں آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ کو حق مہر میں ایک سو لونڈیاں دیں۔ اگر ایک لونڈی کی بیس ہزار درہم قیمت ہو۔ تو بیس لاکھ درہم ہوئے پھر ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ہزار درہم یعنی ایک لاکھ درہم بھی دیئے۔ لیکن اتنی بڑی پیشکش جس عورت کے لیے تھی۔ وہ عورت ہرگز حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے مقام ومرتبہ کی نہیں ہوسکتی۔ اس عظیم مرتبہ والی شہزادی کا حق مہر اگر اور بھی زیادہ ہوتا تو بھی کم تھا۔ اس لیے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیدہ کے حسب ونسب کے پیشِ نظر اپنی بساط کے مطابق حق مہر باندھا۔

بہرحال یہ تو تھا محقق طوسی کا خیال اور اس کی تردید۔ لیکن ہم نے یہ حوالہ جس بات کو ثابت کرنے کے لیے ذکر کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنتِ علی المرتضےٰ کرم اللہ وجہہ کی شادی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ اور خوشی کے ساتھ یہ عقد ہوا۔ اس میں کوئی زبردستی اور دھوکہ دہی نہ تھی۔ سیدہ ام کلثوم کا حق مہر کو قبول کر لینا اس بات کی واضح دلیل ہے۔ ورنہ واپس کر دیتیں۔

فاعتبروا یااولی الابصار

امام حسن رضؓ نے ایک عورت سے نکاح کیا تو سو لونڈیاں اور ایک لاکھ درہم حق مہر مقرر کیا

مسالك الافهام

قَدْ رَوَى الشَّيْخُ فِي الْمَبْسُوْطِ وَغَيْرِهٖ اَنَّ عُمَرَ تَزَوَّجَ اُمَّ كُلْثُوْمِ بِنْتِ عَلِيٍّ فَاَصْدَقَهَا اَرْبَعِيْنَ اَلْفَ دِرْهَمٍ وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ تَزَوَّجَ اِمْرَاَةً عَلٰى عَشَرَةِ الْاٰفٍ وَتَزَوَّجَ الْحَسَنُ عَلَيْهِ السَّلَام اِمْرَاَةً اَصْدَقَهَا مِائَةَ جَارِيَةٍ مَعَ كُلِّ جَارِيَةٍ اَلْفُ دِرْهَمٍ الخ

(مسالك الافهام جلد ۳ ص ۲۴۴ فی لوازم النکاح۔ مکتبہ مرتضویہ تہران)

ترجمہ:
شیخ نے مبسوط وغیرہ کتب میں ذکر کیا۔ کہ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم سے شادی کی۔ تو حق مہر کے طور پر چالیس ہزار درہم

عطائیے۔ حضرت انس بن مالک نے دس ہزار درہم حق مہر کے عوض
ایک عورت سے شادی کی۔ امام حسن نے ایک عورت سے
شادی کی۔ تو اس کو حق مہر میں ایک سو لونڈیاں دینے کا اقرار کیا
ان میں سے ہر ایک لونڈی کے ساتھ ایک ہزار درہم بھی۔
شیخ طوسی وغیرہ علماء نے اس سے زیادہ حق مہر کا تذکرہ بھی کیا۔
اور اس قدر کثیر حق مہر حضرات صحابہ کرام کے دور شریف میں مقرر
ہوئے۔ اور انہوں نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا۔

توضیح

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض لغو اور فضول ہے۔
کہ آپ نے صحابہ کرام کی مخالفت کے باوجود حق مہر کم سے کم کرنے کا حکم
دیا۔ اس کے لغو ہونے پر مسالک الافہام کی عبارت شاہد ہے۔ کہ کسی
صحابی نے اس کا انکار نہیں فرمایا۔ ادھر امام حسن رضی اللہ عنہ کے عمل سے کثیر
رقم بطور حق مہر مقرر کرنے کی بالفعل تائید ہو رہی ہے۔ گویا فاروق اعظم کا
چالیس ہزار درہم حق مہر مقرر کرنا دراصل امام حسن رضی اللہ عنہ کے عمل کی اتباع میں
ہے۔ اور دوسری بات یہ بھی واضح ہو گئی۔ کہ حضرت ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ کی
شادی کسی جبر و اکراہ کے بغیر ہوئی تھی۔ ان تمام حوالہ جات سے دوٹوک
انداز میں یہ بات ثابت ہوئی۔ کہ اہل تشیع نکاح ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ کے بارے
میں جو ادھر ادھر کی ہانکتے ہیں۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ ان حوالہ جات
میں ان کے خیالات باطلہ کی واضح تردید موجود ہے۔ اور دندان شکن جوابات درج ہیں

فاعتبروا یا اولی الابصار

ام کلثوم بنت علی کے شکم سے حضرت عمر کی ایک لڑکی اور ایک لڑکا پیدا ہوئے

مزید تفصیل

اعیان الشیعہ

لَمَّا خَطَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِلٰی عَلِیٍّ اِبْنَتَہٗ اُمَّ کُلْثُوْمٍ قَالَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِنَّھَا صَبِیَّۃٌ فَقَالَ اِنَّکَ وَاللّٰہِ مَا بِکَ ذٰلِکَ وَلَقَدْ عَلِمْنَا مَا بِکَ ثُمَّ ذَکَرَ اَنَّہٗ اَمَرَ بِبُرْدٍ فَطُوِیَ وَاَرْسَلَہٗ مَعَھَا وَاَرْسَلَ اِلَیْہِ اِنْ رَضِیْتَ الْبُرْدَ فَاَمْسِکْہُ وَاِنْ سَخَطْتَہٗ فَرُدَّہٗ فَقَالَ قَدْ رَضِیْنَا وَزَوَّجَھَا اِیَّاہُ فَوَلَدَتْ لَہٗ زَیْدًا وَاِنَّ زَیْدًا وَاُمَّ کُلْثُوْمٍ مَاتَا فَصَلّٰی عَلَیْہِ ابْنُ عُمَرَ فَجَعَلَ زَیْدًا اِمَّا یَلِیْہِ وَاُمَّ کُلْثُوْمٍ مَا یَلِی الْقِبْلَۃَ وَکَبَّرَ عَلَیْھِمَا اَرْبَعًا وَفِیْ رِوَایَۃٍ صَلّٰی عَلَیْھِمَا سَعِیْدُ بْنُ الْعَاصِ وَکَانَ اَمِیْرَ النَّاسِ یَوْمَئِذٍ اِنْتَھٰی طَبْقَاتِ وَقَدْ رُوِیَ مِنْ طُرُقِ اَصْحَابِنَا عَنِ الْقَدَّاحِ عَنْ اَبِیْہِ عَلَیْھِمَا السَّلَامُ

قَالَ مَاتَتْ اُمُّ كُلْثُوْمٍ بِنْتُ عَلِيٍّ وَابْنُهَا زَيْدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ سَاعَةٍ وَاحِدَةٍ لَا يُدْرٰى اَيُّهُمَا مَاتَ قَبْلُ فَلَمْ يُوَرَّثْ اَحَدُهُمَا مِنَ الْاٰخَرِ وَصَلّٰى عَلَيْهِمَا جَمِيْعًا ...... وَفِي الْاِسْتِيْعَابِ اُمُّ كُلْثُوْمٍ بِنْتِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ وَلَدَتْ قَبْلَ وَفَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمُّهَا فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِلٰى عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ فَقَالَ اِنَّهَا صَغِيْرَةٌ فَقَالَ لَهٗ زَوِّجْنِيْهَا يَا اَبَا الْحَسَنِ فَاِنِّيْ اَرْصُدُ مِنْ كَرَامَتِهَا مَا لَا يَرْصُدُهٗ اَحَدٌ فَقَالَ اِنَّهَا صَغِيْرَةٌ فَقَالَ لَهٗ عَلِيٌّ فَاَنَا اَبْعَثُهَا اِلَيْكَ فَاِنْ رَضِيْتَهَا فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا فَبَعَثَهَا اِلَيْهِ بِبُرْدٍ فَقَالَ لَهَا قُوْلِيْ لَهٗ هٰذَا الْبُرْدُ الَّذِيْ قُلْتُ لَكَ فَقَالَتْ ذَالِكَ لِعُمَرَ فَقَالَ قُوْلِيْ لَهٗ قَدْ رَضِيْتُ وَوَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى سَاقِهَا فَكَشَفَهَا فَقَالَتْ اَتَفْعَلُ هٰذَا لَوْلَا اِنَّكَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكَسَرْتُ اَنْفَكَ ثُمَّ خَرَجَتْ حَتّٰى جَاءَتْ اَبَاهَا فَاَخْبَرَتْهُ الْخَبَرَ وَقَالَتْ بَعَثْتَنِيْ اِلٰى شَيْخِ سُوْءٍ فَقَالَ يَا بُنَيَّ اِنَّهٗ زَوْجُكِ۔

(اعیان الشیعہ جلد سوم ص۴۸۶

تذکرہ ام کلثوم کبریٰ بنت علی المرتضیٰ الخ)

ترجمہ:

جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ سے اِن کی بیٹی ام کلثوم کا نکاح طلب کیا۔ تو حضرت علی المرتضٰی نے کہا۔ اے امیر المومنین! یہ ابھی بچی ہے۔ بخدا! ہم تیرا مقام وعظمت بخوبی جانتے ہیں۔ لیکن وہ ابھی آپ کے لائق نہیں پھر راوی بیان کرتا ہے۔ کہ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ نے ایک چادر لپیٹ کر ام کلثوم کے ہمراہ عمر بن الخطاب کے ہاں نہ بھیجی اور پیغام دیا۔ اگر تمہیں یہ چادر پسند ہو تو رکھ لینا ورنہ لوٹا دو۔ حضرت عمر بن الخطاب نے کہا۔ ہم راضی ہیں۔ اس کے بعد حضرت علی المرتضٰی نے اپنی بیٹی ام کلثوم کی شادی حضرت عمر بن الخطاب سے کر دی۔ پھر ان کے بطن سے زید نامی ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اتفاقاً یہ لڑکا اپنی والدہ کے ساتھ دونوں انتقال کر گئے۔ ان کی نماز جنازہ حضرت عبداللہ بن عمر نے پڑھائی۔ زید کی میت عبداللہ بن عمر کے سامنے اور ان کی والدہ کی میت اِن سے آگے قبلہ کی طرف تھی۔ عبداللہ بن عمر نے ان کی نماز جنازہ چار تکبیر سے پڑھائی ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے۔ کہ ان دونوں ماں بیٹے کی نماز جنازہ سعید بن العاص نے پڑھائی۔ جو ان دنوں مدینہ کے گورنر تھے۔

قداح اپنے باپ سے روایت (مذہب شیعہ) کرتا ہے۔ کہ سیدہ ام کلثوم بنت علی المرتضٰے اور ان کے صاحبزادے زید بن عمر دونوں کا ایک ہی وقت میں انتقال ہوا۔ کسی کو یہ معلوم

نہ ہو سکا۔ کہ پہلے کس کی روح نے پرواز کی۔ اس لیے ان دونوں میں سے
کوئی بھی ایک دوسرے کا وارث قرار نہ پایا۔ ان دونوں کی اکٹھی
نماز جنازہ پڑھی گئی۔

"الاستیعاب" میں ہے۔ کہ سیدہ ام کلثوم بنت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے قبل ہی سیدہ فاطمہ
بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پیدا ہو چکی تھیں۔ ان سے
حضرت عمر بن الخطاب نے نکاح کی درخواست بذریعہ علی المرتضٰی کی
حضرت علی المرتضٰے نے فرمایا۔ ابھی وہ بچی ہے، عمر بن الخطاب
بولے۔ اے ابوالحسن! اُسے میری زوجیت میں دے دو۔
پس علی المرتضٰے نے ام کلثوم کو ایک چادر دے کر عمر بن الخطاب
کے ہاں بھیجا۔ کیونکہ حضرت عمر نے کہا تھا۔ کہ میں اگرچہ جانتا ہوں
کہ اتنی چھوٹی لڑکی سے شادی نہیں کرنی چاہیئے۔ لیکن اس کی
بزرگی اور کرامت کی وجہ سے میں اسے اپنی بیوی بنانا
چاہتا ہوں جب ام کلثوم حضرت عمر کے گھر پہنچیں۔ علی المرتضٰی
نے یہ پیغام دیا تھا۔ کہ اگر تمہیں پسند آجائے تو پھر شادی ہو جائے
گی۔ جب چادر لے کر ام کلثوم حضرت عمر کے گھر تشریف لے گئیں
تو حضرت عمر سے کہا۔ کہ میرے ابا جان نے جس چادر کا کہا تھا
وہ یہی چادر ہے۔ اس پر فاروق اعظم نے کہا۔ واپس جا کر ابا جان
سے کہہ دینا کہ مجھے چادر پسند آگئی ہے۔ یہ کہہ کر حضرت عمر نے
ام کلثوم کی پنڈلی پر ہاتھ رکھ کر اس پر سے کپڑا ہٹایا۔ تو ام کلثوم بول
اٹھیں۔ آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ اگر خلیفہ وقت نہ ہوتے تو

میں تمہاری ناک توڑ دیتی۔ اس کے بعد ام کلثوم واپس اپنے گھر آگئیں۔ اور آتے ہی اپنے والد علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا۔ کہ وہاں میرے ساتھ یہ واقع ہوا ہے۔ آپ نے مجھے بڑے بوڑھے کے پاس بھیجا تھا؟ حضرت علی المرتضٰی نے فرمایا پیاری بیٹی وہ تیرا خاوند ہے۔

دونوں حوالہ جات سے درج ذیل

امور ثابت ہوئے

۱۔ سیدہ ام کلثوم بنت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہا کا وصال ۵۴ھ کے لگ بھگ ہوا۔ یہ وہی صاحبزادی ہیں۔ جن کی والدہ حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہرا ہیں۔

۲۔ واقعہ کربلا ۶۱ھ میں ہوا۔ اس لیے چھ برس پہلے انتقال کرنے والی خاتون کا اس واقعہ میں میدان کربلا کے اندر جانا ناممکن ہے۔ کربلا میں جانے والی ام کلثوم کوئی اور ہوگی۔

۳۔ جو ام کلثوم کربلا میں گئی۔ وہ اگرچہ حضرت علی المرتضٰی کی صاحبزادی ہی تھی۔ لیکن ان کے خاوند کا نام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ مسلم بن عقیل ہے۔

۴۔ ام کلثوم زوجہ مسلم بن عقیل کا کوفہ جانا قرین قیاس اس لیے ہے۔ کہ ایک تو یہ حضرت امام حسین کی ہمشیرہ تھیں۔ اور دوسرا ان کے خاوند مسلم بن عقیل پہلے ہی کوفہ جا چکے تھے۔

۵۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے خود بخود حضرت علی المرتضے رضی اللہ عنہ سے ان کی بیٹی ام کلثوم کا رشتہ طلب کیا تھا۔

۶۔ طلب رشتہ کے وقت ام کلثوم نا بالغہ تھیں۔ لیکن ان کی کرامت اور بزرگی کے پیش نظر حضرت عمر نے اسی عمر میں ان کے ساتھ شادی کرنا منظور کی تھی۔

۷۔ حضرت علی المرتضے رضی اللہ عنہ نے بنفس نفیس ام کلثوم کو حضرت عمرؓ کے ہاں چادر دے کر بھیجا۔ اور رضامندی پر نکاح کر دیا۔

۸۔ حضرت عمر کے ہاں ام کلثوم سے دو بچے پیدا ہوئے۔ ان میں زید اور ام کلثوم یعنی ماں بیٹے دونوں کا انتقال ایک ہی وقت میں ہوا۔ تقدیم و تاخیر کا کوئی قول موجود نہیں۔

۹۔ ان کی نماز جنازہ عبد اللہ بن عمر نے پڑھائی۔ یا بعض کے قول کے مطابق گورنر مدینہ سعید بن العاص نے پڑھائی۔

ان امور مذکورہ کی روشنی میں غلام حسین نجفی اور دوسرے شیعہ لوگوں کے سیدہ ام کلثوم بنت علی المرتضے رضی اللہ عنہ اور زوجۂ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں اٹھائے گئے یا کیے گئے یہ اعتراضات از خود ساقط ہو جاتے ہیں۔ وہ یہ کہ۔

۱۔ حضرت عمر بن الخطاب کے نکاح میں آنے والی ام کلثوم حضرت علی المرتضیٰ کی نہیں۔ بلکہ ابو بکر صدیق کی بیٹی تھیں۔

۲۔ یہ ایک جنیہ تھی۔ جسے حضرت علی المرتضیٰ نے اپنی بیٹی ام کلثوم کی شکل میں متشکل کر دیا تھا۔

۳۔ حضرت علی المرتضیٰ نے ام کلثوم کا رشتہ دینے سے صاف صاف انکار

کر دیا تھا۔ اس پر حضرت عمر بن الخطاب نے حضرت عباس کو کہا۔ کہ تم اپنے بھتیجے سے اُس کی لڑکی کا رشتہ لے کر دو۔ اگر ایسا نہیں کرو گے۔ تو اب زم زم کی تمہاری تولیت ختم کر دوں گا۔ اس دھمکی کی بنا پر حضرت عباس نے یہ رشتہ لے کر دیا۔

مختصر یہ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی لختِ جگر سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا رشتہ خود بخود بغیر کسی ڈر اور اکراہ کے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کر دیا تھا۔ اور ان ام کلثوم نامی صاحبزادی کو ام کلثوم کبریٰ بھی کہتے ہیں۔ ان کا انتقال واقعہ کربلا سے چھ سال پہلے ہو چکا تھا۔ اس لیے نجفی وغیرہ کی ذکر کردہ باتیں لغویات کا پلندہ ہیں۔ ان میں صداقت کا شائبہ تک نہیں۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

فصل سوم

اس میں درج ذیل مطاعن اوران کے جوابات درج کیے گئے ہیں

طعن اوّل

سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ حسنین رضؓ کو اچھا نہ سمجھتی تھیں

دین حق نامی کتاب میں اس کے مصنف شرف الدین موسوی شیعی نے لکھا ہے کہ حسن رضؓ و حسینؓ سے حضرت عائشہ کا رویہ اچھا نہ تھا۔ اور یہ بات سب کو معلوم تھی (دین حق ص ۲۹۳)

جواب

یہ الزام شیعوں کی پرانی عادت کے مطابق ہے۔ ورنہ شیعہ کتب سے

ہی اس الزام کی تردید مل جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

بحار الانوار

وَمِنْ كِتَابِ الْفِرْدَوْسِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَأَلَتِ الْفِرْدَوْسُ رَبَّهَا فَقَالَتْ اَيْ رَبِّ زَيِّنِّيْ فَاِنَّ اَصْحَابِيْ وَاَهْلِيْ اَتْقِيَاءُ وَاَبْرَارٌ فَاَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِلَيْهَا اَلَمْ اُزَيِّنْكِ بِالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ۔

(بحار الانوار جلد نمبر ۴۳ ص ۳۰۶ ملاں باقر مجلسی طبع جدید تہران)

ترجمہ

کتاب الفردوس میں ہے کہ سیدہ عائشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ جنت نے اللہ سے سوال کیا کہ اے رب مجھے زینت عطا فرما۔ کیونکہ میرے ہاں تشریف لانے والے متقی اور نیک لوگ ہیں۔ اللہ نے فرمایا اے جنت کیا میں نے تجھے حسن و حسین کے ساتھ زینت نہیں دے دی؟

لمحہ فکریہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے حسنین کریمین کے بارے تعریفی اور مدحی کلمات سُن کر مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا ان کی تبلیغ فرما رہی ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ جن کے ساتھ انہیں عناد و بغض ہو۔ ان کی تعریف لوگوں کے

سامنے کرتی پھرتیں۔ معلوم ہوا۔ کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حسنین کریمین کے ساتھ بہت انس تھا۔ اور انہیں جنت کی زینت سمجھتی تھیں۔ یہ تو تھا ان حضرات کے بارے میں مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ اور محبت۔ اب حسنین کریمین کے دشمنوں کے بارے میں بھی ان کا ارشاد ملاحظہ ہو۔

ماثبت بالسنۃ:

عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا یَزِیْدُ لَا بَارَکَ اللّٰہُ فِیْ یَزِیْدِ الطَّعَانِ اللَّعَانِ اَمَا اَنَّہٗ بَغٰی اِلٰی حَبِیْبِیْ وَمُنْجِیْلِیْ حُسَیْنٍ اُتِیْتُ بِتُرْبَۃٍ وَرَاَیْتُ قَاتِلَہٗ اَمَا اَنَّہٗ یُقْتَلُ بَیْنَ ظَهْرَانِیْ قَوْمٍ لَا یَنْصُرُوْہُ اِلَّا عَمَّهُمُ اللّٰہُ بِعِقَابٍ

رَوَاہُ ابْنُ عَسَاکِرٍ۔

(ماثبت بالسنۃ ص ۱۹ مطبوعہ حمایت اسلام پریس لاہور)

ترجمہ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ کہ قاتل و ملعون یزید کو اللہ برکت نہ دے۔ کیونکہ اس نے میرے پیارے بیٹے حسین کے ساتھ بغاوت کی۔ اور انہیں شہید کر دیا۔ حضرت حسین کی تربت کی مٹی میرے پاس لائی گئی۔ اور مجھے ان کا قاتل بھی دکھایا گیا۔ اور بتایا گیا کہ جن کے روبرو حسین قتل کیے جائیں گے وہ مدد نہ کریں گے۔ اور اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے ان پر عام عذاب مسلط کر دیا ہے۔ (اس حدیث کو ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

ابن عساکر کی اس روایت میں مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کا حسنین کریمین کو اپنا بیٹا فرمانا اوران کے قاتلوں کو ملعون قرار دینا ثابت کرتا ہے۔ کہ جناب حسنین کریمین رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کو بیٹوں کی طرح محبت تھی۔ اوران کی تکلیف سن کر بے تاب ہو جایا کرتی تھیں۔

مختصر یہ کہ ان دونوں حوالہ جات سے (ایک شیعہ کتاب اور دوسرا سنی کتاب سے) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حسنین کریمین کے ساتھ پیار و محبت کا رشتہ نظر آتا ہے۔ نہ کہ بغض و عناد کا جیسا کہ "دین حق" کے مصنفِ بے دین و ناحق نے ثابت کرنے کی کوشش کی۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

طعن دوم

سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ کو حضرت علی رضؓ سے بغض وعناد تھا

ترجمہ نہج البلاغہ

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ حضرت عائشہ کا رویہ امیرالمومنین سے ہمیشہ معاندانہ رہا۔ اور اکثر ان کے دل کی کدورت ان کے چہرے پر کھل جاتی، اور طرز عمل سے نفرت اور بیزاری جھلک اٹھتی تھی۔ یہاں تک کہ اگر کسی واقعہ کے سلسلہ میں حضرت کا نام آجاتا تو ان کی پیشانی پر بل پڑ جاتا۔ اور اس کا زبان پر لانا بھی گوارا نہ کرتی تھیں۔ چنانچہ عبیداللہ بن عبداللہ نے حضرت عائشہ کی اس روایت کا کہ پیغمبر حالت مرض میں فضل ابن عباس اور ایک دوسرے شخص کا سہارا لے کر ان کے ہاں چلے آئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے ذکر کیا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ ھَلْ تَدْرِیْ مَنِ الرَّجُلُ قُلْتُ لَا قَالَ عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَلٰکِنَّھَا کَانَتْ لَا تَقْدِرُ۔

عَلٰی اَنْ تَذْکُرَہٗ بِخَیْرٍ۔

(تاریخ طبری جلد دوم ص ۴۳۳)

ترجمہ:

کیا تمہیں معلوم ہے۔ کہ وہ دوسرا شخص کون تھا۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ کہا کہ وہ علی ابن ابی طالب تھے۔ مگر حضرت عائشہ کے بس کی یہ بات نہ تھی۔ کہ وہ علی کا کسی اچھائی کے ساتھ ذکر کریں۔

(ترجمہ نہج البلاغۃ مترجم مفتی جعفر حسین مطبوعہ امامیہ پبلیکیشنز ص ۱۷..... نور چیمبر گنپت روڈ لاہور)

جواب اوّل

حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدہ صدیقہ کی عداوت وعناد کو بیان کرتے ہوئے اسے حقیقت ثابتہ کہہ کر مفتی جعفر حسین نے جو واقعہ اس امر پر شہادت کے طور پر پیش کیا۔ وہ تاریخ طبری کا آخری جملہ ہے (یعنی ولکنّہا کانت لاتقدر علٰی ان تذکرہ بخیر) اسی جملے سے مفتی جعفر نے "حقیقت" کو ثابت کیا ہے۔ آیئے ذرا اس "حقیقت" کی بنیاد کے بارے میں دیکھیں۔ کتنی مضبوط ہے۔ قارئین کرام! بخاری شریف وغیرہ ہماری کتب احادیث میں یہ واقعہ اور حدیث موجود ہے۔ کہ جناب عبید اللہ بن عبد اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مذکورہ حدیث روایت کی۔ لیکن اس میں تاریخ طبری کے آخری الفاظ موجود نہیں ہیں۔ اور بخاری شریف میں ان زائد الفاظ کے بغیر جو روایت

ہے۔ وہ صحیح سند کے ساتھ ہے۔ باقی حصّہ تاریخ طبری میں موجود ہے۔ عبداللہ
بن عباس نے کہا کہ حضرت عائشہ کو حضرت علی کا ذکر خیر کرنے کی سعادت نہیں) یہ
جملہ بعد میں کسی نے صحیح حدیث کے ساتھ جڑ دیا۔ ہم تبلائیں گے۔ کہ کس کی یہ
شرارت تھی۔ لیکن اس مقام پر جتنی روایت مرفوع، صحیح اور مسند ہے۔ اس
میں صرف اتنا مذکور ہے۔ کہ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے ایک آدمی کا نام تو
تبلادیا۔ کہ وہ فضل ابن عباس تھے۔ لیکن دوسرے کا نام بتانے میں کیا رکاوٹ
تھی۔ دوسرے کا نام چونکہ بقول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت
علی ابن ابی طالب تھا۔ تو مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کا ان کے نام کی صراحت نہ
کرنا اس طرف اشارہ کرتا ہے۔ کہ دل میں کچھ ان سے مخالفت تھی۔ اور کدورت
کی وجہ سے اس دوسرے کا نام نہ لیا۔ تو اس شبہ یا اشارہ کا امام نووی وغیرہ
نے جواب ذکر کیا ہے۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہاتھ شریف تو آخری
منزل تک جناب فضل ابن عباس نے تھامے رکھا۔ کسی دوسرے نے ان کی
جگہ نہ لی۔ لیکن دوسرا ہاتھ شریف پکڑنے والے دو شخص تھے۔ کبھی اُسے حضرت
علی المرتضےٰ پکڑتے اور کبھی اسامہ بن زید تھامتے۔ لیکن یکے بعد دیگرے
اس لیے اس دوسرے کا نام چونکہ ایک نہ تھا۔ کہ وہ تبلادیا جاتا۔ بلکہ دو تھے۔
اب یا تو دونوں کا نام لیا جاتا۔ یا پھر دونوں کا نام نہ لیا جاتا۔ تو مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا
نے ان کے نام کی بجائے ان کے لیے ”آخر“ کا لفظ ذکر کیا۔ آپ تبلایئے۔ کہ
اس میں مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کی کون سی
گستاخی کی۔ اور اس سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہ کا
رویہ امیرالمومنین سے ہمیشہ معاندانہ رہا۔
اب آیئے طبری کی روایت کے آخری حصّہ کی طرف کہ جس پر اس)

"خفیفت"، کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ طبری میں روایت مذکورہ کی سند ملاحظہ ہو۔

حَدَّثَنَا ابْنُ حُمَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ ابْنُ مُجَاهِدٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ إِسْحَاقَ۔

ترجمہ:

یعنی ابن حمید کو یہ روایت سنانے والا "علی ابن مجاہد" ہے۔ اور علی بن مجاہد نے اسے "ابن اسحاق" سے سُنا۔ ان دونوں کا حال ملاحظہ ہو۔

علی بن مجاہد کا تعارف

تہذیب التہذیب

وَقَالَ صَالِحُ بْنُ مُحَمَّدٍ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ مُعِيْنٍ سُئِلَ عَنْ عَلِيِّ ابْنِ مُجَاهِدٍ فَقَالَ كَانَ يَضَعُ الْحَدِيْثَ وَكَانَ صَنَّفَ كِتَابَ الْمَغَازِيْ فَكَانَ يَضَعُ لِلْكُلِّ اَسْنَادًا وَقَالَ يَحْيَى بْنُ الْمُغِيْرَةِ الرَّازِيِّ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ الْفَرِيْسِ يَقُوْلُ لَمْ يَسْمَعْ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُجَاهِدٍ مِّنْ ابْنِ إِسْحَاقَ وَقَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا ابْنَ مَهْرَانَ يَقُوْلُ قَالَ يَحْيَى بْنُ الْفَرِيْسِ

عَلِیُّ ابْنُ مُجَاهِدٍ کَذَّابٌ۔

(تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۳۸۷
مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:

صالح بن محمد کہتے ہیں۔ کہ یحییٰ بن معین سے کسی نے پوچھا کہ علی ابن مجاہد کیسا ہے۔؟ تو میں نے بھی سُنا۔ فرمایا۔ وہ حدیثیں گھڑ لیا کرتا تھا اس نے ایک کتاب المغازی تصنیف کی۔ اس میں اُس نے ہر قسم کی اسناد ہر راوی کے لیے فرضی اور من گھڑت درج کیں۔ یحییٰ بن مغیرہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے یحییٰ بن الفریس کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔ کہ علی بن مجاہد نے ابن اسحاق سے حدیث کی سماعت ہی نہیں کی۔ ابو حاتم کا بیان ہے۔ کہ محمد بن مہران نے یحییٰ بن الفریس کی یہ بات ذکر کی۔ کہ علی بن مجاہد پرلے درجے کا جھوٹا راوی ہے۔

ابن اسحاق کا تعارف

میزان الاعتدال

وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ رُمِيَ بِالْقَدْرِ وَكَانَ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ وَقَالَ ابْنُ الْمَدِيْنِيِّ لَمْ اَجِدْ لَهٗ سِوٰى حَدِيْثَيْنِ مُنْكَرَيْنِ وَقَالَ اَبُوْدَاوٗدَ قَدَرِيٌّ مُّعْتَزِلِيٌّ وَقَالَ سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ كَذَّابٌ وَقَالَ وَهَيْبٌ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ عُرْوَةَ

يَقُوْلُ كَذَّابٌ وَقَالَ وَهَيْبٌ سَأَلْتُ مَالِكًا عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ فَاتَّهَمَهُ وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ كَانَ يَحْيَى بْنُ آدَمَ حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيْسَ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ مَالِكٍ فَقِيْلَ لَهُ إِنَّ ابْنَ إِسْحَاقَ يَقُوْلُ اِعْرِضُوْا عَلَيَّ عِلْمَ مَالِكٍ فَإِنِّيْ بَيْطَارُهُ فَقَالَ مَالِكٌ اُنْظُرُوْا إِلَى دَجَّالٍ مِّنَ الدَّجَاجِلَةِ وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ رَأَيْتُ ابْنَ إِسْحَاقَ فِيْ مَسْجِدِ الْخَيْفِ فَاسْتَحْيَيْتُ أَنْ يَرَانِيْ مَعَهُ أَحَدٌ اِتَّهَمُوْهُ بِالْقَدْرِ وَرَوٰى أَبُوْ دَاوُدَ عَنْ حَمَّادِ ابْنِ سَلَمَةَ قَالَ مَا رَوَيْتُ عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ إِلَّا بِاضْطِرَارٍ .... وَقَالَ أَحْمَدُ هُوَ كَثِيْرُ التَّدْلِيْسِ جِدًّا .... وَقَالَ ابْنُ عَدِيٍّ كَانَ ابْنُ إِسْحَاقَ يَلْعَبُ بِالدِّيُوْكِ .... قَالَ يَحْيَى الْقَطَّانُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدَ ابْنَ إِسْحَاقَ كَذَّابٌ

(میزان الاعتدال جلد سوم حرف المیم ص ۲۲
مطبوعہ مصر طبع قدیم)

ترجمہ:

ابن نمیر نے ابن اسحاق پر قدری ہونے کا حکم لگایا ہے۔ اور وہ خود اس سے بہت بچ کر رہتا ہے۔ ابن المدینی کہتے ہیں۔ کہ مجھے ابن اسحاق سے صرف دو حدیثیں ملیں۔ اور وہ بھی منکر ہیں۔ ابوداؤد اسے قدری اور معتزلی کہتے ہیں۔ سلیمان التیمی اسے کذاب کہتے ہیں۔ وہیب کہتے ہیں۔ کہ میں نے امام مالک

سے اس بارے میں پوچھا۔ تو انہوں نے اِسے "متہم" قرار دیا۔ عبدالرحمن بن مہدی بروایت یحییٰ بن آدم ذکر کرتے ہیں۔ کہ امام مالک کے پاس ابن ادریس بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ کسی نے کہا۔ ابن اسحاق کہتا ہے، کہ امام مالک کا علم میرے سامنے پیش کرو۔ میں اس کو تولوں گا۔ یہ سُن کر امام مالک نے کہا۔ ابن اسحاق بھی دجالوں میں سے ایک بڑا دجال ہے۔ ابن عیینہ کا کہنا ہے۔ کہ میں نے ابن اسحاق کو مسجد الخیف میں دیکھا۔ (اور میں اس کے پاس گیا) لیکن مجھے یہ خطرہ تھا۔ کہ کوئی شخص مجھے اس کے پاس بیٹھا دیکھ نہ پائے۔ کیونکہ لوگ اسے قدریہ ہونے کی تہمت لگاتے تھے۔ حماد بن سلمہ سے ابوداؤد نے ذکر کیا۔ کہ میں ابن اسحاق سے مجبوری کے سوا کبھی روایت نہیں کرتا۔ امام احمد نے کہا۔ کہ بہت زیادہ تدلیس کرتا تھا۔ ابن عدی نے اسے مُرغوں کے ساتھ کھیلنے والا بتایا۔ یحییٰ قطان قسمیہ کہتے ہیں۔ کہ ابن اسحاق "کذاب" ہے۔

تھذیب التھذیب

وَقَالَ حَنْبَلٌ اِبْنُ اِسْحَاقَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ یَقُوْلُ اِبْنُ اِسْحَاقَ لَیْسَ بِحُجَّۃٍ ...... وَقَالَ الْمَیْمُوْنِیُّ عَنِ ابْنِ مُعِیْنٍ ضَعِیْفٌ وَقَالَ النِّسَائِیُّ لَیْسَ بِقَوِیٍّ۔

(تھذیب التھذیب جلد ۹ ص ۴۴ حرف المیم)

ترجمہ:

امام حنبل کہتے ہیں۔ کہ میں نے ابوعبد کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔ کہ

ابن اسحاق کی روایت حجت نہیں ہو سکتی۔ میمونی نے ابن معین سے نقل کیا۔ کہ ابن اسحاق ضعیف ہے۔ اور امام نسائی نے اسے "لَیْسَ بِقَوِیٍّ"، کہا ہے۔

چیلنج

طبری کی روایت کے آخری الفاظ جن سے مفتی جعفر حسین نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے مابین عناد اور بغض ثابت کیا ہے۔ ہماری طرف سے کھلا چیلنج ہے۔ کہ یہ الفاظ کسی صحیح مسند اور مرفوع حدیث سے ثابت کر دکھاؤ۔ ہم بیس ہزار روپیہ نقد انعام دیں گے۔ علی بن مجاہد اور اس کے استاد و شیخ (جو بقول یحییٰ بن ضریس استاد و شیخ بنتا ہی نہیں) ابن اسحاق کے حالات ان دونوں کا مقام روایت آپ نے ملاحظہ کیا۔ ان حالات سے ہی پتہ چلتا ہے۔ کہ تاریخ طبری کے زائد الفاظ ان کی اختراع ہے کیونکہ یہ کذاب اور واضع الحدیث ہیں۔ اسی لیے یہ الفاظ کسی دوسری روایت میں جو صحیح مسند اور مرفوع ہو۔ ہرگز نہیں ملتے۔ یہ تھی وہ "حقیقت" جس پر مفتی جعفر حسین نے اپنی تحریر کی کوٹھی کھڑی کی تھی۔ اور پھر ان مجتہدوں اور مفتیوں سے کوئی پوچھے۔ تمہیں الزام اور اعتراض کے لیے وہ شخصیت نظر آئی۔ جسے طیب و طاہر خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اور پھر اس کو تمہارے ائمہ نے بھی تسلیم فرمایا۔

سورہ النور کی آیت "اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ

لِلْخَبِيْثَاتِ الخ (القرآن) امام باقر اور امام جعفر رضی اللہ عنہما یوں فرماتے ہیں

جب حضور پاک ہیں تو آپ کی ازواج بھی پاک ہیں

منہج الصادقین

چوں سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پاکیزہ ترین موجودات است پس ازواج او البتہ پاک و پاکیزہ اند۔

(منہج الصادقین جلد ششم ص ۲۶۹ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

جب حضور سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام موجودات سے بڑھ کر پاکیزہ ہیں۔ تو لازمًا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویاں پاک اور پاکیزہ ہی ہیں۔

ایسی پاکیزہ اور طاہر شخصیت کے بارے میں اِدھر اُدھر کی ہانکنے کی کسی مومن کو اس کا ایمان اجازت نہیں دیتا۔ قرآن کریم نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تمام ازواج مطہرات کی طرح "مومنوں کی ماں"، کا شرف و اعزاز عطا کیا ہے۔ ایسی شخصیت پر الزام تراشی کرتے وقت اپنی تفسیر کا مطالعہ ہی کر لیا ہوتا شاید اس کے بعد آخرت برباد کرنے سے یہ حجتی دمفتی باز آجاتے۔

☆

منہج الصادقین:

یعنی ہرگاہ کسی گناہے کند۔ واز آں توبہ نماید توبہ او مقبول است مگر آں کسیکہ در امر عائشہ خوض کردہ و برا وانک کردہ۔

(منہج الصادقین جلد ششم ص ۲۸۹ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

جب بھی کوئی شخص گناہ کرتا ہے۔ اور پھر اس سے توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہو جائے گی۔ مگر وہ شخص جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں غور و خوض کرتا ہے۔ اور ان پر الزام لگاتا ہے۔ اس کی توبہ ہرگز قبول نہ ہو گی۔

مفتی جعفر حسین کو اپنے ان بڑوں کے ارشادات سامنے رکھ کر مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کی ذات پر الزام تراشی نہیں کرنا چاہیئے تھی۔ کیونکہ جس شخصیت کو امام باقر و امام جعفر رضی اللہ عنہما تمام عورتوں سے پاکیزہ اور پاک فرمائیں اور حضرت عبداللہ بن عباس کے بقول اِن پر تہمت لگانے والے کی بخشش نہیں ہو سکتی۔ ان ارشادات کے ہوتے ہوئے ایک صاحب ایمان ایسی جرأت ہرگز نہیں کر سکتا۔ اہل تشیع کو دعوت فکر ہے۔ کہ ایک طرف اہل بیت کے دو جلیل القدر امام اور عبداللہ بن عباس صحابی رسول ہیں۔ جو سیدہ عائشہ کی تعریف کر رہے ہیں۔ اور دوسری طرف اہل بیت امام جعفر کو بدنام کرنے والا مفتی ”جعفر“ ہے۔ اگر تم ”جعفری“ اس نسبت سے ہو۔ کہ تمہارے قائد اور امام جناب امام جعفر صادق ہیں۔ تو ان کے بقول مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کو

پاکیزہ اور پاک مانو۔ اور اگر مفتی جعفر حسین کے چیلے ہونے کی وجہ سے ''جعفری'' ہو تو پھر تمہیں ''جعفریت'' مبارک۔ لیکن ایمان سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

جواب دوم:

سطور بالا سے ہم یہ ثابت کر چکے ہیں۔ کہ تاریخ طبری کا وہ جملہ جسے مفتی جعفر حسین نے لے کر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر اعتراض کیا تھا۔ وہ من گھڑت ہے۔ اس کے گھڑنے والا علی بن مجاہد کذاب وضاع الحدیث ہے۔ اس کے بعد ہم یہ چاہتے ہیں۔ کہ اہل تشیع کے اس اعتراض اور اس بات پر ذرا تفصیل سے گفتگو ہو جائے۔ کہ کیا واقعی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حضرت علی سے بغض و عناد تھا۔ جس کی وجہ سے وہ ان کا زبان پر نام لانا بھی گوارا نہ کرتی تھیں؟ یا محض شیعوں کے کوڑھ باطنی کا شاخسانہ ہے۔ ان کو مرض ہے۔ کہ جب تک محبوبۂ محبوب رب العالمین کے حضور نازیبا الفاظ نہ کہہ لیں۔ ان کو آرام و صبر نہیں آتا۔ حالانکہ معتبر کتب شیعہ میں ایسے حوالہ جات موجود ہیں کہ جن میں واضح الفاظ میں موجود ہے کہ حضرت علی المرتضٰے اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کی شان میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایات موجود ہیں جن حضرت علی اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے درمیان والہانہ محبت کا ثبوت پایا جاتا ہے۔ اب معتبر کتب شیعہ سے حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خیالات

حوالہ ۱:

الامام الصادق

وَعَنِ الْعَوَامِ ابْنِ حَوْشَبَ عَنِ ابْنِ عَمٍّ لَهٗ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ اَبِیْ عَلٰی اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ عَائِشَةَ صِدِّیْقَةِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا فَسَأَلْتُهَا عَنْ عَلِیٍّ فَقَالَتْ تَسْأَلُنِیْ عَنْ رَجُلٍ کَانَ اَحَبَّ النَّاسِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَکَانَتْ اِبْنَتُهٗ تَحْتَهٗ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَعَا عَلِیًّا وَّ فَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَّ حُسَیْنًا فَاَلْقٰی عَلَیْهِمْ ثَوْبًا فَقَالَ اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَیْتِیْ فَاذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِیْرًا قَالَتْ فَدَنَوْتُ مِنْهُمْ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا مِنْ اَهْلِ بَیْتِكَ فَقَالَ تَنَحِّیْ اِنَّكِ عَلٰی خَیْرٍ۔

(الامام الصادق ص۸۸
زیر آیت التطہیر مطبوعہ
بیروت طبع جدید)

ترجمہ:

عوام ابن حوشب اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں۔ کہ میں (ان کا چچا) اپنے والد کے ہمراہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے۔ میں نے مائی صاحبہ سے حضرت علی المرتضٰی کے بارے میں پوچھا۔ فرمانے لگیں۔ تو نے ایسے شخص کے متعلق پوچھا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ترین شخص ہے۔ آپ کی بیٹی اُن کے عقد میں تھی۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ دیکھا۔ آپ نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بُلا کر ایک چادر کے نیچے سب کو لیا۔ اور اللہ سے دعا کی۔ اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ تو ان سے ہر قسم کی نجاست دور فرما دے۔ اور انہیں خوب ستھرا اور پاکیزہ کر دے۔ مائی صاحبہ فرماتی ہیں۔ کہ میں نے ان کے قریب جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔ یارسول اللہ! میں بھی تو آپ کی اہل بیت ہوں۔ فرمایا۔ ہٹ جاؤ۔ تم تو بھلائی پر ہو۔

سیدہ عائشہ ام المومنین نے فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے میری حفاظت کرتے ہوئے مجھ پر کرم فرمایا

مروج الذہب

وَخَرَجَتْ عَائِشَةُ مِنَ الْبَصْرَةِ وَقَدْ بَعَثَ مَعَهَا

علیّ اخاھا عبد الرحمن بن ابی بکر و ثلاثین رجلا وعشرین امرأۃ من ذوات الدین بن عبد القیس وھمدان وغیرھما البسھن العمائم وقلدھن السیوف وقال لھن لا تعلمن عائشۃ انکن نسوۃ کا تکن رجال وکن اللاتی تلین خدمتھا وحملھا فلما اتت المدینۃ قیل لھا کیف رایت مسیرک قالت کنت بخیر واللہ لقد اعطی علیّ ابن ابی طالب فاکثر والکنہ بعث معی رجالا انکرتھم فعرفنھا النسوۃ امرھن فسجدت و قالت فاازددت واللہ یا ابن ابی طالب الاکرما وودت انی لم اخرج وان اصابتنی کیت وکیت من امور ذکرتھا شاقۃ وانما قیل لی تخرجین فتصلحین بین الناس فکان ماکان۔

(مروج الذھب للمسعودی
جلد دوم ص ۳۷۰ خروج عائشہ
من البصرۃ مطبوعہ بیروت
طبع جدید)

ترجمہ:

جنگ جمل کے بعد بصرہ سے واپسی پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر جو عائشہ صدیقہ کے بھائی تھے۔ کو مائی صاحبہ کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کیا۔ اور ان کے ساتھ تیس مرد اور بیس عورتیں

بھی تھیں۔ جو قبیلہ عبد القیس اور ہمدان سے تعلق رکھتی تھیں۔ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے ان عورتوں کو پگڑیاں پہنا کر تلواریں دیں۔ اور تاکید کی۔ کہ تمہاری حالت کا حضرت عائشہ صدیقہ کو علم نہ ہونے پائے۔ کہ تم عورتیں ہو۔ وہ تمہیں مرد ہی سمجھتی رہیں۔ اور دیکھو۔ ان کی خدمت اور سامان کے ادھر ادھر کرنے میں ان کی مدد کرنا۔ یہ قافلہ جب مدینہ منورہ پہنچا۔ تو مائی صاحبہ سے پوچھا گیا۔ آپ کا سفر کیسا گزرا کہنے لگیں۔ بخیر و عافیت۔ خدا کی قسم علی ابن ابی طالب نے میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ لیکن ایک بات غلط کی وہ یہ کہ میرے ساتھ حفاظت اور خدمت کے لیے ان جانے مردوں کو بھیجا حضرت عائشہ کے اس کہنے کے بعد ان عورتوں نے جو مرد بنی ہوئی تھیں۔ اپنا آپ ظاہر کرتے ہوئے بتلایا۔ کہ ہم عورتیں ہیں۔ یہ دیکھ کر مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے سجدہ شکر ادا کیا۔ اور فرمانے لگیں۔ خدا کی قسم! اے ابی طالب کے بیٹے! تو نے تو میرے ساتھ کرم ہی کرم کیا ہے۔ اور میری خواہش تو یہ تھی۔ کہ میں بصرہ کو نہ جاتی۔ اگرچہ مجھے بہت سی تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ لیکن مجھے کہا گیا۔ کہ تم ضرور جاؤ۔ اور جا کر دونوں دھڑوں کے درمیان صلح کراؤ۔ تو میں چل پڑی۔ اور پھر جو ہوا۔ سو ہوا۔

روضۃ الصفاء

آنحضرت فرمود کہ محمد بن ابی بکر دراں سفر موافقت کند۔ و جمع از عورات بصرہ راگفت کہ ملبس بلباس مرداں گشتہ مرداں راہ بخدمت

صدیقہ قیام نمایند وخود بنفس نفیس بقولے سہ میل راہ عائشہ رامتابعت فرمود ببصرہ باز گشت وچوں آں نسواں مدد نزول وارتحال بمددگاری می نمودند عائشہ ازیں معنی ملول ودل تنگ شدہ می گفت کہ علی خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رانگاہ داشتہ ومرا بملازمت ایں طائفہ مبتلا ومحتاج می ساخت وچوں در مدینہ بلباس اصل خود درآمدند صدیقہ از امیر المومنین علی راضی وزبان بحمدت وثناشاہ مرداں وشیر یزداں بکشاء۔

(تاریخ روضۃ الصفا، جلد دوم ص ۴۸۸ تا ۴۸۹ مطبوعہ نولکشور طبع قدیم)

ترجمہ:

حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا۔ کہ اس سفر میں محمد بن ابی بکر بھی اپنی ہمشیرہ عائشہ کے ساتھ رہیں۔ اور عورتوں کی ایک جماعت کو حکم دیا۔ کہ وہ لباس مردانہ پہن لیں۔ اور راستہ میں صدیقہ کی خدمت بجالائیں۔ اور ایک قول کے مطابق تقریباً تین میل تک خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جناب صدیقہ کو الوداع کہنے آئے۔ پھر واپس بصرہ تشریف لے آئے۔ جب وہ عورتیں جو لباس مردانہ میں تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سواری پر چڑھنے اور اترنے میں مدد کرتیں۔ تو اس سے جناب صدیقہ بہت پریشان ہوئیں۔ اور دل تنگ ہو کہ یہ کہتیں۔ کہ علی نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت اور عزت کا خیال تو رکھا۔ لیکن مجھے اس گروہ کے سپرد کر دیا۔ اور ان کا محتاج بنا دیا۔ پھر جب ایسی عورتیں مدینہ منورہ پہنچ کر اپنے اصلی زنانہ لباس میں آئیں۔

تو سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جناب امیر المومنین سے راضی ہو گئیں۔ اور زبان سے ان کی تعریف اور ثنا کہنے لگیں۔

سیدہ عائشہ ام المومنین نے فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ شب بیدار بہت روزے رکھنے والے محبوب رسول علیہ السلام تھے

کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ:

وَ نَدِمَتْ عَائِشَةُ مَا وَقَعَ بَيْنَهُمَا وَ كَانَتْ لَا تَذْكُرُ يَوْمَ الْجَمَلِ اِلَّا اَظْهَرَتْ اَسَفًا وَ اَبْدَتْ نَدَمًا وَ بَكَتْ وَ نُقِلَتْ مِنْ تَبْيِعِ الْاَبْرَارِ لِلزَّمَحْشَرِيْ قَالَ جُمَيْعُ بْنُ عُمَيْرٍ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَقُلْتُ مَنْ كَانَ اَحَبَّ النَّاسِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ فَاطِمَةُ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهَا قُلْتُ لَهَا اِنَّمَا اَسْئَلُكِ عَنِ الرِّجَالِ قَالَتْ زَوْجُهَا وَ مَا يَمْنَعُهُ، فَوَاللّٰهِ اِنَّهٗ كَانَ لَصَوَّامًا قَوَّامًا وَ لَقَدْ سَالَتْ نَفْسُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ يَدِهٖ فَرَدَّهَا اِلٰى فِيْهِ فَقُلْتُ فَمَا حَمَلَكِ عَلٰى مَا كَانَ فَاَرْسَلَتْ خِمَارَهَا عَلٰى وَجْهِهَا وَ بَكَتْ

وَقَالَتْ اَمْرٌ قَضٰی عَلَیَّ۔

(کشف الغمہ جلد اول ص ۴۴۲ مطبوعہ تبریز
طبع جدید)

ترجمہ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس واقعہ پر ندامت کیا کرتی تھیں
جو ان کے اور حضرت علی کے مابین جنگ جمل کی صورت میں ہوا۔
آپ جب بھی اس جنگ کی بات کرتیں۔ تو بہت افسوس کرتیں۔
اور ندامت کا اظہار فرماتیں۔ اور رو پڑتیں۔ زمخشری سے منقول
ہے۔ کہ جمیع بن عمیر نے ایک مرتبہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
سے پوچھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا؟
فرمانے لگیں۔ آپ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ سائل کہتا ہے۔ میں
نے عرض کیا۔ کہ میرا سوال مردوں کے متعلق تھا۔ تو فرمایا۔ مردوں میں
سے سیدہ فاطمہ کے خاوند حضرت علی المرتضٰے سب سے زیادہ آپ
کے محبوب تھے۔ اور اس میں نہ ماننے والی بات کون سی ہے
وہ (علی المرتضٰی) بہت زیادہ روزہ رکھنے والے اور شب بیدار
تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خون شریف ان کے ہاتھ پر گرا
تو انہوں نے اسے چاٹ لیا۔ جمیع بن عمیر کہتے ہیں۔ کہ میں نے
ایک اور سوال کیا۔ کہ اگر آپ حضرت علی المرتضٰے کی اس قدر تعریف
کا اقرار کرتی ہیں۔ تو پھر ان کے ساتھ لڑائی والا معاملہ کیوں ہوا۔
یہ سن کر مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے چہرہ پر دوپٹہ ڈال کر
رونا شروع کر دیا۔ اور فرمانے لگیں۔ تقدیر کے آگے کس کا بس

چلتا ہے۔

ان چار عدد حوالہ جات سے آپ اس بات پر اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیسا سلوک تھا۔ ان کے بارے میں آپ کے کیا خیالات تھے۔ لہٰذا مفتی جعفر حسین کا یہ کہنا ہے کہ "حضرت عائشہ کے بس کی بات نہ تھی۔ کہ وہ علی کا کسی اچھائی کے ساتھ ذکر کریں"، کہاں تک درست ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ترین کس نے کہا؟ بصرہ سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ پہنچ کر "زبان بحمدت وثنا شاہ مرداں و شیر یزداں بکشاد"، کس کے بارے میں صاحب روضۃ الصفا نے لکھا۔؟ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں شب بیدار اور بہت روزے رکھنے والا"، کے تعریفی الفاظ کس نے کہے؟

شرم تم کو مگر نہیں آتی۔

ابھی ایک حوالہ مروج الذہب کا گزر چکا ہے۔ جس میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدہ صدیقہ کا احترام و عزت خود کی اور ایک جماعت کو مستقل خادم بنا کر ان کے ساتھ روانہ کیا۔ اس سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دل میں مائی صاحبہ کے احترام و عقیدت کی موجودگی کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں صرف ایک اور حوالہ پیش کر کے بحث ختم کرتے ہیں۔

ابن شہر آشوب:

قَالَ عَلِيُّ ابْنُ اَبِيْ طَالِبٍ اَفْتَسُبُّوْنَ اُمَّكُمْ عَائِشَةَ

ثُمَّ تَسْتَحِلُّوْنَ مِنْهَا مَا يُسْتَحَلُّ مِنْ غَيْرِهَا فَلَئِنْ فَعَلْتُمْ لَقَدْ كَفَرْتُمْ وَهِيَ اُمُّكُمْ وَاِنْ قُلْتُ لَيْسَتْ بِاُمِّنَا فَقَدْ كَذَّبْتُمْ بِقَوْلِهٖ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُكُمْ۔

(ابن شہر اشوب جلد دوم

ص ۱۴ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کیا تم اپنی ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کو قیدی بناؤ گے۔ اور پھر ان کے بارے میں وہ کچھ کرنا حلال سمجھو گے۔ جو دوسری عام عورتوں سے قیدی ہونے کے بعد حلال سمجھا جاتا ہے۔ اگر تم نے ایسا کیا۔ تو تم کافر ہو جاؤ گے۔ کیونکہ وہ تمہاری ماں ہے۔ اور اگر تم انہیں اپنی ماں تسلیم کرنے سے انکاری ہو۔ تو پھر قرآن کریم کی آیت وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ کو جھٹلانے والے ہو گے۔

نوٹ:

ابن شہر آشوب کی عبارت اُن گستاخ شیعوں کے لیے تازیانہ عبرت ہے۔ جو یہ بکتے ہیں۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان نہیں سمجھتے تھے۔ وہ اس طرح کہ کچھ بد نہاد لوگوں نے جنگ جمل کے اختتام پر سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو عام عورتوں کی طرح قید کر کے لونڈی بنانے کا سوچا تھا جس پر حضرت علی المرتضیٰ رضی

نے سخت الفاظ میں ان کو منع کیا۔ اور قرآن کریم کی آیت سے استدلال فرمایا۔
کہ یہ تمہاری ماں ہیں۔ ان کا ادب کرو۔ اس صراحت کے بعد بھی اگر وہ مولا علی
کا ماننے والا، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بکواسات کرتا ہے
تو وہ یا تو کافر ہے۔ یا قرآن کی تکذیب کرنے والا۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

طعن سوم

سیّدہ عائشہؓ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر گالی گلوچ کیے جانے کو پسند کرتی تھیں

دین حق

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند جلد ششم ص ۱۱۳ پر جناب عائشہ کی ایک حدیث عطاء ابن یسار سے نقل کی ہے۔ عطاء بن یسار کہتے ہیں۔ کہ ایک شخص جناب عائشہ کی خدمت میں آیا۔ اور حضرت علی اور جناب عمار کو گالیاں دینے لگا۔ اس پر جناب عائشہ بولیں۔ علی کو گالیاں دینے سے میں منع نہیں کرتی۔ لیکن عمار کو گالیاں نہ دو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمار کے متعلق کہتے سنا ہے کہ عمار وہ شخص ہیں۔ کہ اگر انہیں دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جائے تو وہ وہی اختیار کریں گے۔ جو زیادہ بہتر اور موجب استگاری ہو۔

(دین حق ص ۲۸۵ مطبوعہ امامیہ مشن ٹرسٹ انار کلی لاہور)

جواب

مفتی جعفر حسین نے مسند امام احمد بن حنبل کے ترجمہ میں تین مرتبہ "گالیاں" ذکر کیں۔ اس مفت کے بڑے کوئی پوچھے کہ مسند میں کون سا عربی لفظ ہے جس کے معنی "گالیاں" بنتے ہیں۔ مسند امام احمد کی مذکورہ عبارت ہم درج کرتے ہیں۔ پھر اس پر مزید گفتگو ہوگی۔

مسند امام احمد بن حنبل

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَوَقَعَ فِيْ عَلِيٍّ وَّفِيْ عَمَّارٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عِنْدَ عَائِشَةَ فَقَالَتْ اَمَّا عَلِيٌّ فَلَسْتُ قَائِلَةً لَكَ فِيْهِ شَيْئًا وَاَمَّا عَمَّارٌ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يُخَيَّرُ بَيْنَ اَمْرَيْنِ اِلَّا اخْتَارَ اَرْشَدَهُمَا۔

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۳۳ مطبوعہ بیروت طبع قدیم)

ترجمہ:

عطاء بن یسار کہتے ہیں۔ کہ ایک شخص حضرت عائشہ کے ہاں، حضرت علی اور عمار رضی اللہ عنہما کے بارے میں "وقع" کا مرتکب ہوا۔ اس پر مائی صاحبہ نے فرمایا۔ بہر حال علی المرتضٰی تو ان کے بارے میں تجھے میں کچھ نہیں کہتی۔ لیکن عمار سو ان کے متعلق میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھا ہے۔ کہ جب کبھی عمار

کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا گیا۔ تو اس نے ہمیشہ ان دونوں میں سے "ارشد" کو پسند کیا۔

حدیث مذکورہ میں "وَقَعَ فِی عَلِیٍّ وَفِی عَمَّار" کے الفاظ ہیں۔ اور انہی کا معنی مفتی نے "گالیاں" کیا ہے۔ یہ لفظ لغت عربی کے اعتبار سے کئی ایک معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ دخل اندازی کرنا، جماع کرنا۔ اور گلہ شکوہ کرنا وغیرہ۔ اور قانون یہ ہے۔ کہ ایسے لفظ لغت عربی کے اعتبار سے سیاق و سباق اور محل ہی سے سمجھا جاتا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ یہ گفتگو کب اور کس پس منظر میں ہوئی۔ جب اس کا پتہ چل جائے گا۔ تو پھر "وَقَعَ" کا معنی بھی معلوم ہو جائے گا۔ واقعہ یہ تھا۔ کہ کچھ لوگ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان کی شہادت میں ملوّث کر رہے تھے۔ اور یہ کہتے پھرتے تھے۔ کہ مالک بن اشتر وغیرہ جن لوگوں نے حضرت عثمان پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ یہ لوگ حضرت علی المرتضیٰ کی بیعت کر چکے تھے۔ اسی ماحول میں ایک آدمی نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حضور حضرت علی اور عمار رضی اللہ عنہما کے بارے میں گلہ شکوہ کرنا شروع کر دیا۔ اب ایسے میں مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے کمال دانائی سے حقانیت کو واضح بھی کر دیا۔ اور اس گلہ شکوہ کرنے والے کو خاموش بھی کر دیا۔ تو اس سے معلوم ہوا۔ کہ "وَقَعَ فِی عَلِیٍّ الخ" کے الفاظ بمعنی گلہ شکوہ کے ہیں۔ نہ کہ "گالیوں" کے۔

پس منظر:

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں۔ جنہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنا دایاں ہاتھ فرمایا کرتے تھے! اس

ئی وجہ یہ تھی۔ کہ حضرت علی المرتضٰے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان جو تنازعہ ہوا۔ اس میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ حضرت عمار ابن یاسر حضرت علی المرتضیٰ کی فوج میں تھے۔ اور ان کی طرف سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے تھے حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی شان میں بہت سے مدحیہ اشعار بھی فرمائے۔ جن کا تذکرہ "نہج البلاغہ" میں بھی موجود ہے۔ ان دونوں کا گلہ شکوہ کرنے والا معلوم ہوتا ہے۔ وہ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمار ابن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کو غلطی پر سمجھتا تھا۔ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حق پر سمجھتا تھا۔

جیسا کہ گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے۔ کہ کچھ لوگ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کہ خونِ عثمان میں ملوّث کرتے تھے۔ تو یہ شخص بھی ان میں سے ایک تھا۔ لہٰذا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کمال حکمت و دانائی سے فرمایا۔ کہ جو کچھ تمہیں حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں گلہ شکوہ ہے۔ اس کی میں تسلی نہیں کر سکتی۔ اور اسے تمہارے دل سے نکال نہیں سکتی لیکن اتنی بات ضرور کہتی ہوں۔ کہ عمار ابن یاسر نے کبھی غلط فیصلہ نہیں کیا۔ کیونکہ اس کے صحیح فیصلہ کرنے کی تصدیق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمائی ہے۔

اب اس انداز سے اس گلہ شکوہ کرنے والے کو گویا سیدہ عائشہ نے یہ ارشاد فرمایا۔ کہ عمار ابن یاسر چونکہ صحیح بات پر تھے۔ اور صحیح بات پر ہوتے ہوئے وہ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھا۔ اس لیے حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حق پر تھے۔ اور عمار ابن یاسر کی طرح اُن کا گلہ شکوہ کرنا تمہارے لیے درست نہیں ہے۔ اس روایت سے تو مفتی اینڈ کمپنی وغیرہ

کو نتیجہ یہ نکالنا چاہیئے تھا۔ کہ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے اس بلیغ انداز سے حضرت علی المرتضٰے کا حق پر ہونا اور امیر معاویہ کا اجتہادی خطا پر ہونا ثابت فرمایا۔ لیکن حضرت عائشہ صدیقہ کی زبان سے حضرت علی المرتضٰے کی تعریف اہل تشیع کو سننا کب گوارا ہے۔ جبکہ اُن کا عقیدہ ہے کہ وہ عائشہ کی زبان سے علی کے حق میں کلمہ خیر کی توقع ہی نہیں ہو سکتی،، کا عقیدہ ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

طعن چہارم

سیدّہ فاطمہ زہراءؓ کو اپنی سوتیلی ماؤں سے شکایت رہتی تھی

جاگیر فدک

"جناب زہرا نے بوقت وفات اپنی سوتیلی ماؤں کی شکایت کی ہے"
ثبوت ملاحظہ ہو۔ اہل سنت کی معتبر کتاب تاریخ یعقوبی ص ۱۰۵ جلد دوم مولف احمد بن ابی یعقوب المعروف با بن واضح۔

وَدَخَلُوا عَلَيْهَا فِي مَرَضِهَا نِسَاءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَغَيْرُهُنَّ مِنْ نِسَاءِ قُرَيْشٍ فَقُلْنَا كَيْفَ اَنْتِ قَالَتْ اَجِدُنِي كَارِهَةً لِدُنْيَاكُنَّ مَسْرُوْرَةً لِفِرَاقِكُنَّ اَلْقَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ بِحَسَرَاتٍ مِنْكُنَّ فَمَا حُفِظَ لِيَ الْحَقُّ وَلَا قُبِلَتِ الْوَصِيَّةُ۔

ترجمہ:
فاطمہ زہراء کے پاس بوقت وفات نبی کریم کی بیویاں دوسری

قریش عورتوں سے مل کر آئیں۔ اور احوال پرسی کی۔ سیدہ زہرا نے فرمایا میں تم اہل دنیا کو ناپسند کرتی ہوں۔ اور تم سے جدائی پر خوش ہوں۔ اللہ اور اس کے رسول کے پاس تمہاری شکایت لے کر جاؤں گی۔ میرے حق کی حفاظت نہیں ہوئی۔ میرے متعلق میرے بابا کی وصیت پر عمل نہیں ہوا۔

(جاگیر فدک تصنیف غلام حسین نجفی

صفحہ نمبر ۴۴۰ تا ۴۴۱)

اہل سنت کی معتبر کتاب تاریخ یعقوبی جلد دوم ص ۱۱۵ ذکر وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جناب زہرہ کے پاس آخری مرض میں کچھ رسول اللہ کی بیویاں آئیں۔ اور عرض کی۔ اے بنت رسول! ہمیں اپنے غسل میں حاضر ہونے کا شرف عطا کیجئے۔ بی بی نے فرمایا۔ تم میرے متعلق وہی بات کہنے کا ارادہ رکھتی ہو۔ جو بات تم نے میری ماں کے متعلق کہی تھی۔ میرے غسل کے وقت تمہارے حاضر ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (جاگیر فدک ص ۴۵۸)

جواب اوّل

جن لوگوں کے عقیدہ میں یہ بات شامل ہو۔ کہ پانچ وقت کی نماز کے بعد سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لعن طعن کیا جائے۔ ان بدعقیدہ اور بداصل لوگوں سے یہ توقع کب ہو سکتی ہے۔ کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی تعریف کریں۔ انہیں تو اپنے عقیدہ کے مطابق ایسے حوالہ جات چاہئیں۔ جن سے مائی صاحبہ کی تنقیص شان ہوتی ہو۔ چاہے وہ کسی یہودی کی کتاب سے مل جائیں۔ آخر یہ بھی تو ان کی نسل میں سے ہی ہیں۔ عبداللہ بن سبا کی معنوی

اولاد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی تعریف اجتماع ضدین کے قبیلہ میں سے ہے۔ اسی اعتراض کو دیکھئے۔ کہ نجفی نے کس ڈھٹائی سے تاریخ یعقوبی کو بقول اہل سنت کی کتاب اور پھر "معتبر کتاب" کہا۔ اس کذاب کو حسد و بغض میں جلتے جلتے اپنی کتابوں اور اپنے گرگوں کے قول بھی یاد نہ رہے۔ شیخ عباس قمی مجتہد شیعہ سے پوچھو۔ کہ تاریخ یعقوبی کا مصنف احمد بن ابی یعقوب کس گروہ کا آدمی ہے۔

جواب اول

جس تاریخ یعقوبی سے یہ طعن لیا گیا ہے وہ شیعوں کی اپنی معتبر کتاب ہے

کتاب الکنی والالقاب

احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب بن واضح کاتب ونویسندہ عباسی وشیعہ امامی است۔ جدش از موالی وطرفداران منصور دوانیقی بود۔ واو مرد سیاحی بود کہ مسافرت رادوست میداشت ودر شرق وغرب بلادِ اسلامی گردش کردہ درسال ۲۶۰ وارد ارمینیہ شد آنگاہ مسافرت بہند نمود واز آنجا برگشت بمصر وبلاد مغرب ودر سیاحتش کتاب بلدان راتالیف کرد تاریخی دارد بنام تاریخ یعقوبی وغیر اینہا درسال ۲۷۸ھ وفات نمود۔

(الکنی والالقاب جلد ۳ ص ۲۵۸ تذکرہ یعقوبی مطبوعہ تہران طبع قدیم)

ترجمہ:

احمد بن ابی یعقوب بن جعفر منشی اور کاتب تھا۔ اور مذہباً شیعہ امامی تھا۔ اس کا دادا منصور دوانیقی کے آزاد شدہ غلاموں اور اس کے طرفداروں میں سے ایک تھا۔ یہ شخص سیاح تھا۔ اور ہر وقت سفر میں رہتا تھا۔ مشرق و مغرب کے اسلامی ممالک کی سیر کی۔ سنہ ۲۶۰ھ میں ارمینیہ آیا۔ پھر وہاں سے ہندوستان گیا۔ پھر وہاں سے مصر لوٹا اور مغربی ممالک کی سیر کی۔ سیاحت کے موضوع پر "کتاب بلدانی" تالیف کی۔ اور تاریخ کے موضوع پر "تاریخ یعقوبی" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ ۲۸۴ھ میں فوت ہوا۔

یہ ہے حال اس شخص کا اور اس کی کتاب کا جسے نجفی نے اہل سنت کی معتبر کتاب کے طور پر پیش کیا۔ اب آپ نے اندازہ لگا لیا ہو گا۔ کہ اپنے مکر و عزائم کی خاطر اگر گدھے کو باپ بنانا پڑے۔ تو نجفی اینڈ کمپنی اس سے بھی باز نہیں آئے گی۔ خواہ مخواہ اپنی جماعت کے ایک اچھے خاصے لکھاری کو کتے اور خنزیر کے ساتھ ملا دیا۔ وہ اس طرح کہ اہل تشیع کے نزدیک سنی، کتے اور خنزیر سے بھی بدتر ہیں۔ بے چارہ مر گیا تھا۔ اب تو اس کے حال پر رحم کھاتے۔

ف

جوابِ دوم

سیدہ فاطمہ رض آخری وقت تک ازواجِ رسول سے نہایت خوش تھیں

شیعہ کتب

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی ازواج مطہرات سے ناراضگی کے واقعہ کی حقیقت آپ نے معلوم کی۔ یہ محض شیعہ کی بڑ ہے۔ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ شیعہ ہو اور پھر حضرت عائشہ کی تعریف کرے۔ ناممکن ہے اس لیے تاریخ یعقوبی کے مصنف شیعہ امامی سے مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کی تعریف ناممکن ہے۔ اور اس کا حوالہ اس بارے میں قطعًا قابل قبول نہیں۔

اب اس کے مقابلہ میں ہم کتب شیعہ سے یہ ثابت کرتے ہیں۔ کہ سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا نے آخری وقت ازواج مطہرات کو انعام سے نوازا یہ ناراضگی کی علامت نہیں بلکہ خوشنودی کی علامت ثابت ہوتی ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

بحار الانوار

عَنْ اَبِی الْاِسْحَاقِ الْبَاقِرْجِی عَنْ فَلَایَجَۃَ عَنْ اَبِی اَحْمَدَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ بَغْدَادَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الصَّلْتِ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ سَعِیْدٍ عَنْ اَبِیْ جُرَیْجٍ عَنْ جَعْفَرَ

ابْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ رَبِيَّهِ عَنْ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ أَنَّهَا أَوْصَتْ لِأَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ بِاثْنَتَيْ عَشَرَةَ أُوْقِيَّةً۔

(۱۔ بحار الانوار جلد ۴۳ ص ۲۱۸
باب تاریخ سیدہ فاطمہ۔
مطبوعہ تہران طبع جدید)
(۲۔ ناسخ التواریخ جلد اول
ص ۲۱۷ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

بحذف اسناد۔ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کے لیے بارہ اوقیہ دینے کی وصیت کی۔

نوٹ

بارہ اوقیہ کا وزن ایک سو چالیس تولہ چاندی ہوتا ہے۔ایک سو چالیس تولہ چاندی جب ہر ایک کو ملی تو ان میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بھی تھیں۔

جب سیدہ خاتون جنت نے انہیں اتنی مقدار میں چاندی دینے کا ارشاد فرمایا۔ تو اس سے ہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ کہ سیدہ تادم آخریں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راضی تھیں۔ یہ حدیث صحیح مسند اور مرفوع ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں تاریخ یعقوبی کا حوالہ کیا معنٰی رکھتا ہے

دیانت داری کا تقاضا تو یہ تھا۔ کہ نجفی حجتی بحارالانوار کی روایت پیش کرتا۔ اور تاریخ یعقوبی پر تنقید کرتا۔ لیکن وہی باطنی کوڑھ مجبور کرتا ہے۔ کہ ایسی روایات تلاش کی جائیں۔ جن سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں کچھ نقص نظر آتا ہو۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

طعن پنجم

سیّدہ عائشہ نے حضرت فاطمہ زہرا کی وفات پر اظہار افسوس تک نہ کیا

شرح ابن الحدید

سیّدہ عائشہ نے کسی موقعہ پر بھی اپنی روش نہ بدلی۔ اور یہ تک گوارا نہ کیا۔ کہ سیّدہ فاطمہ رضؓ کے انتقال پُر ملال پر افسوس کا اظہار کریں۔ چنانچہ ابن الحدید نے تحریر کیا ہے۔ کہ

ثُمَّ مَاتَتْ فَاطِمَةُ فَجَآءَ نِسَاءُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّھُنَّ اِلٰی بَنِیْ ھَاشِمٍ فِی الْعَزَاءِ اِلَّا عَائِشَۃَ فَاِنَّھَا لَمْ تَاْتِ وَاَظْھَرَتْ مَرَضًا وَنُقِلَ اِلٰی عَلِیٍّ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَنْھَا کَلَامٌ یَدُلُّ عَلَی السُّرُوْرِ۔

(شرح ابن الحدید جلد دوم ص ۴۵۹)

ترجمہ:

جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رحلت فرمائی۔ تو تمام ازواج پیغمبر بنی ہاشم کے ہاں تعزیت کے لیے پہنچ گئیں۔ سوائے عائشہ کے کہ وہ نہ آئیں۔ اور یہ ظاہر کیا کہ وہ مریض ہیں۔ اور حضرت علی تک ان کے ایسے الفاظ پہنچے۔ جن سے ان کی مسرت اور شادمانی کا پتہ چلتا تھا۔

جواب اول:

ابن ابی الحدید تو حضرت علی اور سیّدہ فاطمہ کو قصور وار ٹھہراتا ہے

مفتی جعفر حسین نے مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کی ذات پر اعتراض کے لیے جس کتاب کا نام لیا۔ وہ سرے سے اہل سنت کی کتب میں سے ہی نہیں ہے۔ بلکہ ایک معتزلی شیعی کی تصنیف ہے۔ "شرح ابن الحدید" کے متعلق اہل تشیع کی معتمد اور بنیادی کتاب جس میں ان کی اپنی کتب کا تذکرہ ہے۔ "الذریعہ فی تصانیف الشیعہ" ہے۔ اس میں "شرح ابن الحدید" کو اپنی کتاب کے طور پر درج کیا گیا ہے۔ لفظ "شرح" کے تحت اس کو ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں صاحب کشف الظنون نے نہج البلاغہ کے تحت بھی لکھا ہے۔

٭

ابن ابی الحدید

فقد شرح عز الدین عبد الحمید بن ھبۃ اللہ المدائنی الکاتب الشاعر الشیعی فی عشرین جلد ا الخ۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی تحفہ اثنا عشریہ ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ کہ تشیع را باعتزال جمع نمودہ۔ نواب محسن الملک مولوی سید محمد مہدی علی خان نے "آیات بینات ص ۹۰ جلد ۲" پر لکھا ہے۔ اس قسم کے لوگوں میں ابن ابی الحدید معتزلی بھی ہے۔ کہ وہ اعتزال کے ساتھ تشیع کا بھی حامل تھا۔ اس نے ابن علقمی وزیر معتصم باللہ کے خوش کرنے اور اس کے کتب خانے کے واسطے شرح نہج البلاغۃ لکھی۔ اس میں گمنام کتابوں اور غیر محقق مصنفوں کی تصانیف سے وہ جھوٹی اور نامعتبر روایتیں چن چن کر جمع کیں جس سے صحابہ کرام ملعون اور مورد الزام ٹھہریں۔ اور شیعوں کے اعتراضات وعقائد کو تقویت ہو۔ اس کے بارے میں مزید تفصیل تحفہ شیعہ جلد اول ص ۴۴ ۱۳ مطبوعہ دارالعلوم جامعہ نعمانیہ لاہور ملاحظہ فرمائیں۔

ان حالات میں "شرح ابن الحدید" کا حوالہ اور پھر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تنقیص کے بارے میں کب حجت ہو سکتا ہے۔ آخر ایک شیعہ مصنف سے اس کی توقع کون کرے گا۔ جسے شیعیت پر کام کرنے اور سنیت کو بدنام کرنے کے لیے علقمی نے ایک خطیر رقم دی۔ علاوہ ازیں مفتی جعفر حسین کو "ابن ابی الحدید" کا سیاق وسباق کو دیکھنے

کا ضرور اتفاق ہوا ہوگا۔ کیونکہ وہ ان کے ہاں مطاعن پر ایک جامع اور مبسوط کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔ آیئے ایک دو جگہ سے مذکورہ واقعہ کا پس منظر "ابن ابی الحدید،، سے سنیئے۔

شرح ابن ابی الحدید

سب سے پہلے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان جو کشیدگی پیدا ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ تو آپ نے اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرلی۔ اس طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا جناب فاطمہ زہرا کی سوتیلی ماں جناب فاطمہ زہرا کی سوتیلی ماں قرار پائیں۔ اور فطرت انسانی یہ ہے۔ کہ بچی اپنی سوتیلی ماں کو اور ماں اپنی سوتیلی بیٹی کو ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ اور پھر جب اس شادی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طبعی رجحان بھی حضرت عائشہ کی طرف زیادہ تھا۔ تو اس ناسوکی میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ جیسا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ خدیجہ کی موجودگی سیدہ عائشہ سے نکاح کرتے۔ تو دونوں کے درمیان کدورت ہوتی۔ اسی طرح یہ کدورت اب جناب سیدہ فاطمہ زہرا کی طرف منتقل ہوگئی۔

(۲) ابن حدید کہتا ہے۔ کہ شادی ہو جانے کے بعد عورتیں آنا جانا شروع ہوگئیں۔ اِدھر کی اُدھر اور اُدھر کی اِدھر کہنا شروع کردیں۔ یہ معاملہ پھر اور بڑھا۔ حضرت عائشہ نے عورتوں سنی سنائی باتیں اپنے والد

حضرت ابوبکر اور سیدہ فاطمہ نے اپنے خاوند حضرت علی المرتضیٰ کو بتانا شروع کر دیں۔ جس سے ان دونوں حضرات کے درمیان بھی رنجش پیدا ہو گئی۔ لہٰذا جب ابوبکر صدیق کا انتقال ہو گیا۔ تو حضرت علی المرتضےٰ کی رنجش اب ان کی بیٹی عائشہ کی طرف مکمل طور پر منتقل ہو گئی۔ وَمَنِ انْحَرَفَ عَنْ اِنْسَانٍ اِنْحَرَفَ عَنْ اَهْلِهٖ وَاَوْلَادِهٖ۔ جو شخص کسی سے ناراض ہوتا ہے۔ تو پھر اس کے اہل وعیال سے بھی ناراضگی ہو ہی جاتی ہے۔

(۳) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق واقعہ "افک" رونما ہونے پر حضرت علی المرتضےٰ اور فاطمہ زہرا خوش ہوئے۔ پھر جب قرآن کریم نے حضرت عائشہ کی برأت کر دی۔ تو ان دونوں کو اس پر صدمہ ہوا اور رنجش میں پھر اور اضافہ ہو گیا۔

(۴) ماریہ قبطیہ پر الزام لگا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ کو اس کی تحقیق پر مقرر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ماریہ قبطیہ کو لڑکا عطا کیا۔ اس پر حضرت علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو عطا کیا۔ اس پر حضرت علی اور فاطمہؓ کو اس لیے خوشی ہوئی۔ کہ اس سے حضرت عائشہ کو صدمہ ہوا۔ لیکن جب یہ لڑکا انتقال کر گیا۔ تو دونوں کی خوشی کا مقصود ختم ہو گیا لہٰذا وہ رنجیدہ ہو گئے۔

(۵) حضور صلی اللہ وسلم جب بیماری کی وجہ سے سفر آخرت پر روانہ ہونے والے تھے۔ تو حضرت علی اور فاطمہ کا خیال تھا۔ کہ آپ کے آخری ایام ہمارے پاس گزریں۔ لیکن اس کے خلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل حضرت عائشہ کے گھر کی طرف زیادہ مائل تھا۔ لہٰذا آپ نے

اسی کو ترجیح دی۔ اس سے بھی حضرت علی اور فاطمہ کو دُکھ دیا۔

(۶) (ابن حدید مزید لکھتا ہے۔) میں نے اپنے شیخ سے پوچھا۔ کہ تم یہ کہتے ہو۔ کہ ابوبکر صدیق کو ان کی بیٹی عائشہ نے مصلّٰی رسول پر کھڑا کیا؟ شیخ نے کہا۔ میں نہیں کہتا۔ بلکہ حضرت علی کا قول ہے۔ اور وہ اس وقت وہاں موجود تھے۔ میں تو حاضر نہ تھا۔ اور میرے پاس تو اخبار ہیں۔ جو کئی واسطوں سے مجھ تک پہنچیں۔ وہ یہی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس ابوبکر صدیق کو اپنے مصلی پر کھڑا کیا تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ کے ہاں علم یا ظن غالب ہے۔ اس کے بعد سیدہ فاطمہ کا انتقال ہوا۔ تو تمام امہات المومنین تعزیت کی خاطر آئیں مگر عائشہ نہ آئیں۔ انہوں نے اپنا بیمار ہونا ظاہر کیا۔ لیکن حضرت علی المرتضےٰ کو کسی نے کہہ دیا۔ کہ سیدہ عائشہ اس لیے نہیں آئیں۔ کہ وہ فاطمہ کے انتقال پر خوش ہیں۔

(شرح ابن الحدید جلد دوم ص ۴۴۷ تا ۴۴۹)

شرح ابن الحدید کے یہ چھ اقتباسات جو دراصل وہ چھ اسباب ہیں۔ جو ابن الحدید کے نزدیک حضرت عائشہ صدیقہ اور سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما کے درمیان کدورت اور رنجش کے اسباب تھے۔ ان میں سے ہر ایک سبب خود اس امر کی تردید بھی کر دیتا ہے۔ کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اس رنجش میں قصور تھا۔ بلکہ ان سے رنجش کے اسباب حضرت علی المرتضےٰ اور سیدہ خاتونِ جنت کی طرف پلٹتے ہیں۔ کیونکہ ابن ابی الحدید نے ان دونوں حضرات کی رنجش کے اسباب بیان کیئے ہیں۔ ہم تو اس قدر بھی ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم نے ان تمام حضرات کے بارے میں رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ

فرما کر ان کی باہم محبت اور اخوت کی تصریح فرما دی ہے۔ بہرحال ان اسباب میں سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی کوئی گستاخی یا بے ادبی نظر نہیں آتی۔ جس سے ان کے دل میں رنجش یا کدورت ثابت کی جا سکے۔ شارح ابن ابی الحدید سارا بوجھ حضرت علی المرتضٰے اور سیدہ زہرا پر ڈال رہا ہے پہلے سبب میں سوتیلی والدہ سے رنجش کا فطری مضمون بیان کیا گیا۔ اس میں حضرت عائشہ بالکل بری ہیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت اس لیے اختیار نہ فرمائی تھی۔ کہ اس سے جناب زہرا کو تکلیف پہنچے۔ اور پھر ان کے واسطے سے علی المرتضٰے ناراض ہوں۔ اس لیے جناب صدیقہ کا کوئی قصور نہیں۔ اور نہ ہی حضرت زہرا کی رنجش کا یہ سبب بن سکتا ہے۔ کیونکہ عورت کی فطرت ہی ٹھہری۔ کہ سوتیلی ماں اُسے اچھی نہیں لگتی۔ تو پھر جناب زہرا کا از خود یہ قصور اپنے اختیار سے نہ ہوا۔ اسی فطری ناراضگی کا ایک واقعہ ہم کئی کتب شیعہ سے نقل کر چکے ہیں۔ کہ جب حضرت جعفر طیار نے علی المرتضٰے کو ایک لونڈی دی۔ اس لونڈی کی گود میں سر رکھ کر علی المرتضٰے آرام فرماتے۔ یہ دیکھ کر حضرت فاطمہ زہرا سخت ناراض ہوئیں۔ اس ناراضگی سے حضرت علی پر جب کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ تو پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر اعتراض کیوں۔

دوسرے سبب میں بھی حضرت عائشہ بے قصور ہیں۔ کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق سے ناراضگی جو حضرت علی المرتضٰے کو تھی۔ جس کی وجہ عورتوں کا اِدھر اُدھر کی لگانا تھا۔ ابوبکر صدیق کے وصال کے بعد اس ناراضگی کا رخ سیدہ عائشہ کی طرف ہو گیا۔ بظاہر قصور حضرت علی المرتضٰے کا ہے کہ انہوں نے ناراضگی ختم کیوں نہ کی۔ اسی طرح تیسرا سبب کہ جس میں منافقین نے حضرت عائشہ

پر بہتان لگایا۔ حضرت علی اور فاطمہ زہرا کی طرف سے عجیب عجیب باتیں ان کو پہنچتیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ کی برأت فرما دی۔ تو دونوں کو افسوس ہوا۔ اور رنجش بڑھ گئی۔ اس میں بھی سیدہ عائشہ بے قصور ہیں۔ اسی طرح ماریہ قبطیہ کے ہاں بچے کا تولد اور پھر اس کا انتقال بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام ثابت نہیں کر سکتا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں اپنی صوابدید کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر رہنا پسند فرمانا اس پر علی المرتضےٰ اور فاطمہ زہرا کو ملال کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور اس میں حضرت عائشہ کی ناراضگی کا پہلو کہاں سے نکلتا ہے۔ ہاں اگر حضرت عائشہ ماریہ قبطیہ کے بچے کے فوت ہونے کی خوشی منائیں۔ اور بد دعا کرتیں۔ اور ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زبردستی جناب فاطمہ کے گھر سے روکتیں۔ تو قصوروار ہوتیں۔ اسی طرح پانچویں سبب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلی پر ابوبکر صدیق کا کھڑا ہونا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہوا۔ تو حضرت عائشہ پھر بھی بری الذمہ ہیں۔ آخری اور چھٹا سبب کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے اپنی بیماری کا بہانہ بنایا۔ اور سیدہ فاطمہ کی تعزیت کے لیے نہ گئیں۔ یہ بھی ابویعقوب یوسف کی اختراع ہے۔ اور وہ چونکہ امامی شیعہ ہے۔ اس لیے اس کی بات ہمارے خلاف حجت نہیں ہو سکتی۔

نوٹ

"ابن ابی الحدید" کے ذکر کردہ چھ اسباب رنجش و کدورت وہی ہیں جو ابو یعقوب یوسف بن اسماعیل نے بیان کیے ہیں اس شخص کے بارے میں ابن الحدید خود کہتا ہے۔

وکان شدیدا فی الاعتزال الا انه فی التفضیل۔ لعہ

شیخ ابو یعقوب کٹر اور متعصب معتزلی تھا۔ تفضیلی شیعہ یعنی جو بہر صورت حضرت علی المرتضےٰ کی افضلیت کے در پے ہو۔ اور اس کے لیے اِدھر اُدھر کی ہانکنے سے بھی اجتناب نہ کرے۔ ایک طرف یہ دھن سوار اور دوسری طرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بغض وحسد کی بھرمار۔ ایسے شخص سے یہ توقع کب ہوسکتی ہے۔ کہ وہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اوصاف اور ان کی تعریف میں کچھ لکھے گا۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ ان چھ اسباب میں سے اس نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حضرت علی المرتضےٰ اور سیدہ فاطمہ سے رنجش ثابت کرنی کی کوشش کی۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ چھ اسباب حضرت علی المرتضےٰ اور جناب فاطمہ زہرا کے ناراض ہونے کے اسباب ہیں۔ ان سے اِن دونوں کی ناراضگی تو ثابت ہو جاتی ہے۔ لیکن مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ایک سببِ ناراضگی بھی ذکر نہیں کیا گیا۔

لہذا اس طرح ابو یعقوب نے حسد و بغض کی آگ میں جلتے ہوئے بظاہر اپنا مطلب نکالا۔ لیکن درحقیقت ان امور سے اس نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تعریف اور جناب فاطمہ و علی المرتضےٰ کی کم ہمتی ثابت کر دکھائی۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

ث

جواب دوم

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات
فضائل سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میں

مفتی جعفر حسین وغیرہ ابن ابی الحدید کے حوالہ سے اس بات کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تعزیت کے لیے سیدہ فاطمہ کے گھر اس لیے نہیں گئی تھیں۔ کہ یہ اُن سے ناراض تھیں۔ اور اسی بات پر اور حاشیہ آرائی کرتے ہوئے یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ حضرت عائشہ کبھی بھی حضرت فاطمہ کا ذکر خیر اپنی زبان پر نہیں لائیں۔ بلکہ ان کے نام سے تیوڑی چڑھا لیا کرتی تھیں۔ یہ اور اس قسم کی بہت سی باتیں لغویات اور واہیات کے ضمن میں آتی ہیں۔ ہم گزشتہ اوراق میں ایک سو چالیس تولہ چاندی وصیت کرنے کی روایت ذکر کر چکے ہیں۔ اگر ناراضگی تھی۔ تو اس قدر خطیر رقم کوئی دشمنوں کو دینے کی وصیت کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو جناب عائشہ رضی اللہ عنہا سے بے حد عقیدت تھی۔ وہ انہیں روحانی ماں سمجھتی تھیں۔ اُدھر جب بھی موقعہ ملا صدیقہ نے بھی ان کی تعریف کی۔ چند حوالہ جات کتب شیعہ سے ملاحظہ ہوں۔

بحار الانوار

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ دَخَلَتْ عَائِشَةُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ یُقَبِّلُ فَاطِمَةَ فَقَالَتْ لَهٗ اَتُحِبُّهَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَمَا وَاللّٰهِ لَوْعَلِمْتِ حُبِّیْ لَهَا لَازْدَدْتِ لَهَا حُبًّا۔

(بحار الانوار جلد ۴۳ ص ۵ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

ابن عباس فرماتے ہیں۔ کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔ آپ نے اس وقت حضرت فاطمہ کا بوسہ لیا۔ عائشہ نے آپ سے پوچھا۔ یارسول اللہ! آپ اس سے محبت کرتے ہیں۔ کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جناب اگر تجھے میری محبت کا علم ہو جائے۔ تو تو بھی اس سے اور زیادہ محبت کرنے لگے۔

نوٹ

حدیث کے آخری الفاظ اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں۔ کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جناب فاطمہ سے پہلے سے ہی محبت تھی۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر میری محبت کا تجھے اندازہ ہو جائے۔ تو تیری محبت میں اور اضافہ ہو جائے۔ اور آپ نے یہ بات قسمیہ طور پر بیان فرمائی۔

بحار الانوار

عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَقْبَلَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ تَمْشِيْ لَا وَاللّٰهِ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ مَا شِيًا يُخْرَمُ مِنْ مَشْيَتِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَآهَا قَالَ مَرْحَبًا بِاِبْنَتِيْ مَرَّتَيْنِ قَالَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ فَقَالَ لِيْ اَمَا تَرْضَيْنَ اَنْ تَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَيِّدَةَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَوْ سَيِّدَةَ نِسَاءِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ

(بحار الانوار جلد نمبر ۴۳ ص ۲۳)

ترجمہ:

جناب مسروق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں۔ خدا کی قسم! ان کی چال سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چال جیسی تھی۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا۔ تو دو مرتبہ فرمایا۔ اے میری بیٹی مرحبا! جناب فاطمہ فرماتی ہیں۔ پھر مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو اس پر راضی نہیں کہ کل قیامت کو تجھے تمام مومن عورتوں کا سردار بنا کر لایا جائے۔ یا اس امت کی عورتوں کا سردار۔

نوٹ

لَا وَاللّٰهِ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الخ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے وہ الفاظ جن کے ذریعہ انہوں نے حضرت فاطمہ زہرا کی چال بیان فرمائی ان

میں کس قدر احترام و عقیدت کارفرما ہے۔ کس قدر وثوق و محبت سے ان کی رفتار کا تذکرہ فرمایا۔ ایک طرف عقیدت کا یہ عالم اور دوسری طرف تاریخ یعقوبی وغیرہ کی خرافات کہ وہ فاطمہ زہرا کا ذکر خیر بھی سننا پسند نہ کرتی تھیں۔ ہذا بہتان عظیم۔

بحار الانوار

عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ مِنَ النَّاسِ اَشْبَهَ كَلَامًا وَحَدِيثًا بِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فَاطِمَةَ كَانَتْ إِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ رَحَّبَ بِهَا وَقَبَّلَ يَدَهَا وَاَجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهٖ فَإِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ إِلَيْهِ فَرَحَّبَتْ بِهٖ وَقَبَّلَتْ ثُمَّ سَارَّهَا فَضَحِكَتْ فَقُلْتُ كُنْتُ اَرٰى لِهٰذِهٖ فَضْلًا عَلَى النِّسَآءِ ۔ فَإِذَا بِي امْرَاَةٍ مِّنَ النِّسَآءِ بَيْنَهُمَا هِيَ تَبْكِيْ إِذَا ضَحِكَتْ فَسَاَلْتُهَا فَقَالَتْ إِذًا إِنِّيْ لَمُذِرَّةٌ فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاَلْتُهَا فَقَالَتْ إِنَّهٗ اَخْبَرَنِيْ اَنَّهٗ يَمُوْتُ فَبَكَيْتُ ثُمَّ اَخْبَرَنِيْ اَنِّيْ اَوَّلُ اَهْلِهٖ لُحُوْقًا بِهٖ فَضَحِكْتُ۔

(بحار الانوار جلد ۴۳ ص ۲۵)

(ناسخ التواریخ زندگانی حضرت فاطمہ جلد دوم ص ۲۵۷)

ترجمہ :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو اور بات چیت کے اعتبار سے حضرت فاطمہ سے زیادہ کوئی مشابہت والا نہ دیکھا۔ آپ جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں تشریف لاتیں۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مرحبا کہتے۔ اور ان کے ہاتھ چوم لیتے۔ اور اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ اور جب کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے جاتے۔ تو جنابِ زہرا بھی مرحبا کہتیں ان کا استقبال کرنے کے لیے کھڑی ہو جاتیں۔ اور ہاتھوں کو چوم لیتیں۔ جب جناب زہرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض موت میں تشریف لائیں۔ تو آپ نے ان سے سرگوشی کی۔ یہ رو پڑیں۔ پھر سرگوشی فرمائی تو یہ ہنس دیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ میں جناب زہرا کو تمام عورتوں سے افضل سمجھتی ہوں۔ لیکن اب میں نے دیکھا۔ کہ یہ عجیب عورت ہے۔ ہنستی بھی ہے۔ اور روتی بھی ہے میں نے پوچھا۔ ایسا کیوں کر رہی ہو؟ فرمانے لگیں۔ میں اس بات کو پوشیدہ رکھنے والی نہیں ہوں۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ تو میں نے پھر پوچھا۔ کہ وہ کیا واقعہ تھا۔ تو جناب زہرا نے فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ مجھ سے سرگوشی کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ میں اب دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں۔ یہ سن کر میں رو پڑی۔ اور پھر آپ نے دوسری مرتبہ سرگوشی کے عالم میں فرمایا۔ میرے تمام عزیز و اقارب میں سے تم سب سے پہلے مجھے ملو گی۔ یہ سن کر میں ہنس دی۔

نوٹ:

"كُنْتُ اَرٰى لِهٰذِهٖ فَضْلًا عَلَى النِّسَآءِ"، یہ الفاظ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے مافی الضمیر کو بیان فرماتے ہوئے کہے۔ یعنی آج تک اے فاطمہ! تیرے بارے میں میرا یہ نظریہ تھا۔ کہ تو تمام عورتوں سے افضل ہے۔ ان الفاظ سے کس قدر دو ٹوک انداز سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی عقیدت و محبت کا اظہار فرماتی ہیں۔ اور ایسا ہونا بھی چاہیئے تھا۔ کیونکہ جن کا استقبال کرنے والے رحمۃ للعالمین ہوں۔ جن کے ہاتھوں پر بوسہ دینے والے اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوں۔ اور جن سے سرگوشیاں فرمانے والے حضور ختمی مرتبت ہوں۔ ایسی شخصیت سے کس کو پیار نہ ہوگا۔

یہی وجہ ہے۔ کہ سب صحابہ کرام کو سیدہ زہرا سے عقیدت تھی۔ اس کے بعد بھی "ابن ابی الحدید" اور "تاریخ یعقوبی" کے ہذیانات کی کوئی گنجائش رہ جاتی ہے۔

بحار الانوار

وَرَوَوْا عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ فَاطِمَةَ كَانَتْ اِذَا دَخَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ قَامَ لَهَا مِنْ مَجْلِسِهٖ وَقَبَّلَ رَاْسَهَا وَاَجْلَسَهَا مَجْلِسَهٗ وَاِذَا جَاءَ اِلَيْهَا لَقِيَتْهُ وَقَبَّلَ كُلٌّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا صَاحِبَهٗ وَجَلَسَا مَعًا

(بحار الانوار جلد نمبر ۱۰ ص ۴۰)

ترجمہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت فاطمہ جب کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائیں۔ تو آپ ان کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ ان کے سر پر بوسہ دیتے۔ اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ملاقات کو جاتے۔ تو دونوں ایک دوسرے کو چومتے۔ اور اکٹھے بیٹھ جاتے۔

نوٹ

بحارالانوار کی ان احادیث کی ہم نے سندیں مکمل طور پر ذکر نہیں کیں۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے۔ کہ ان کی سندات ہی نہیں۔ یا ہیں لیکن مخدوش۔ محض طوالت کی خاطر ہم نے اُن کو ذکر نہیں کیا۔ یہ تمام احادیث صحیح مسند اور مرفوع ہیں۔ لہٰذا ان کے مقابلہ میں ابن ابی الحدید اور تاریخ یعقوبی کی روایات پیش نہیں کی جا سکتیں کیونکہ وہ اس درجہ کی قوی روایات نہیں ہیں

ناسخ التواریخ

قَالَتْ عَائِشَةُ لِفَاطِمَةَ اَلَا اُبَشِّرُكِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقُوْلُ لَسَيِّدَاتُ نِسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اَرْبَعٌ مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ وَخَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ وَاٰسِيَةُ بِنْتُ مُزَاحِمٍ امْرَاَةُ فِرْعَوْنَ۔

(ناسخ التواریخ جلد دوم ص ۳۵۷)

(بحارالانوار جلد ۴۳ تاریخ فاطمہ زہرا۔ باب مناقبہا۔ مطبوعہ تہران)

ترجمہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ فاطمہ سے کہا۔ کیا میں تمہیں ایک اچھی خبر نہ سناؤں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا۔ کہ جنتی عورتوں کی چار عورتیں سردار ہیں عمران کی بیٹی مریم۔ محمد کی بیٹی فاطمہ۔ خویلد کی بیٹی خدیجہ اور مزاحم کی بیٹی آسیہ جو فرعون کی بیوی تھی۔

بحار الانوار

عَنْ جُمَيْعِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَمَّتِهٖ قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ مَنْ كَانَ اَحَبَّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ قُلْتُ اِنَّمَا اَسْئَلُكِ عَنِ الرِّجَالِ قَالَتْ زَوْجُهَا وَمَا يَمْنَعُهٗ فَوَاللّٰهِ اِنْ كَانَ مَا عَلِمْتُ صَوَّامًا قَوَّامًا جَدِيْرًا اَنْ يَّقُوْلَ بِمَا يُحِبُّ اللّٰهُ وَيَرْضٰى۔

(بحار الانوار جلد ۴۳ ص ۵۲ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک سائلہ کے جواب میں فرمایا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب شخصیت حضرت فاطمہ تھیں۔ سائلہ نے پوچھا میں مردوں میں سے محبوب ترین پوچھ رہی ہوں۔ فرمایا۔ فاطمہ کے خاوند (حضرت علی المرتضیٰ) وہ واقعی اس

منصب کے حق دار ہیں۔ کیونکہ خدا کی قسم! وہ بہت روزے رکھنے والے اور شب بیدار تھے۔ وہ وہی بات کہتے جو اللہ تعالےٰ کو پسند ہوتی تھی۔

بحارالانوار

عَنْ عَائِشَةَ وَذَكَرَتْ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ مَا رَأَيْتُ اَصْدَقَ مِنْهَا اِلَّا اَبَاهَا۔

(بحارالانوار جلد ۴۳ ص ۵۳)

ترجمہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، کہ میں نے سیدہ زہرا سے بڑھ کر سچا ان کے والد کے سوا اور کوئی نہیں دیکھا۔

لمحہ فکریہ

مذکورہ احادیث سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا سے بے پناہ محبت تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو ان کے فضائل و محامد کی احادیث ذکر نہ کرتیں۔ مائی صاحبہ جب یہ حدیث بیان کر رہی ہیں۔ کہ جناب زہرا ان چار عورتوں میں سے ایک ہیں۔ جو جنت میں تمام عورتوں کی سردار ہوں گی۔ تو اس کا لازمی فائدہ یہ ہے۔ کہ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا خود بھی یہی عقیدہ رکھتی ہوں گی۔ اور پھر حضرت علی المرتضےٰ کے بارے میں ان کا یہی روایت کرنا بھی اس امر کی نشاندہی کرتا ہے۔ کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت علی المرتضےٰ سے بھی عقیدت تھی

آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو انہیں تعریفی اور خوشخبری کے کلمات ملے۔
مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا بھلا اُن سے رنجش وکدورت کس طرح روا رکھ سکتی تھیں۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ سچا کس کو کہا جا رہا ہے ؟ ایسے تعریفی الفاظ
وہی کہا کرتا ہے۔ جس کو اُن کلمات کے مستحق کے ساتھ دلی عقیدت اور محبت ہو۔
ان حضرات کے مابین رنجش وغیرہ کے افسانہ جات یہودی لابی کے من گھڑت
ہیں۔ اور بس۔

بحار الانوار

جب جناب زہرا کی شادی ہوئی۔ اور انہیں حضرت علی المرتضٰی کے
گھر لایا جا رہا تھا۔ اس وقت خاندانِ عبد المطلب اور مہاجرین و انصار
کی بہت سی عورتیں اس رخصتی تقریب میں ساتھ تھیں۔ یہ عورتیں تکبیر و
تحمید کے علاوہ خوشی کے اشعار بھی پڑھتی جا رہی تھیں۔ حضرت علی
المرتضٰی رضی اللہ عنہ "الشہباء" نامی سواری پر سوار تھے۔ اس کی لگام
سلمان فارسی کے ہاتھ میں تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حمزہ، عقیل اور جعفر
وغیرہ اہل بیت پیچھے پیچھے۔ ان عورتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی
ازواج مطہرات بھی تھیں۔ ان امہات المومنین کے اشعار ملاحظہ ہوں۔
جن میں سیدہ زہرا کی شان بیان کی گئی ہے۔

سیدہ عائشہ کے شان زہرا میں

اشعار از کتب شیعہ

يَا نِسْوَةُ اسْتَتِرْنَ بِالْمَعَاجِرِ ؛
وَاذْكُرْنَ مَا يَحْسُنُ فِي الْمَحَاضِرِ !

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی اَفْضَالِهِ وَاذْكُرْنَ رَبَّ النَّاسِ قَدْ خَصَّنَا[۲]
وَالشُّكْرُ لِلّٰهِ الْعَزِيْزِ الْقَادِرِ بِدِيْنِهِ مَعَ كُلِّ عَبْدٍ شَاكِرٍ

سِرْنَ بِهَا وَاللّٰهُ اَعْلٰی ذِكْرَهَا
وَخَصَّنَا مِنْهُ بِطُهْرٍ طَاهِرٍ

(۱۔ بحار الانوار جلد ۴۳ ص ۱۱۶ تاریخ ،
سیدۃ النساء فاطمہ الخ مطبوعہ تہران طبع جدید)

(۲۔ ناسخ التواریخ زندگانی حضرت
فاطمہ۔ جلد اول ص ۶۲ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ :

عورتو ! پردوں میں چھپ جاؤ۔ اور پسندیدہ باتوں کا محفلوں میں ذکر کرو۔ اس پروردگار کو یاد کرو کہ جس نے اپنے ہر عبد شاکر کے ساتھ ہمیں بھی اپنے دین کے ساتھ خاص فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کو تمام تعریفیں اور اسی عزیز و قادر کا شکر ہے اس کی بخشش پر۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے

ساتھ چلو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر بلند کیا ہے۔ اور خوب طہارت کے ساتھ ان کو مخصوص فرمایا ہے۔

سیدہ حفصہ کے جناب زہرا کی شان میں اشعار از کتب شیعہ

فَاطِمَةُ خَيْرُ نِسَاءِ الْبَشَرِ
وَمَنْ لَهَا وَجْهٌ كَوَجْهِ الْقَمَرِ

فضلك الله علىٰ ذی الوری　　زوّجك الله فتی فاضلا
بفضل من خص بآی الزبر　　اعنی علیا خير من فی الحضر
فسرن جاراتی بما انّها
کریمة بنت عظیم الخطر

ترجمہ:

تمام عورتوں سے فاطمہ رضی اللہ عنہا بہتر ہیں۔ اور ان کا چہرہ چاند کا سا چہرہ ہے۔ اے فاطمہ! تجھے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی۔ اس فضیلت کے ساتھ جو آیات قرآنیہ میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے ایسا خاوند عطا کیا۔ جو نوجوان اور صاحب فضل ہے۔ یعنی علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ جو تمام مقامی لوگوں سے افضل ہیں۔ میری ساتھیو! اس شہزادی کے ساتھ چلو جو صاحب کرم ہے۔ اور عظیم المرتبت باپ کی بیٹی ہے۔

نوٹ

سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما کے اشعار ہم نے خصوصًا ذکر کیے۔ تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو جائے۔ کہ یہی دو شخصیتیں ہیں۔ جن کے بارے میں اہل تشیع بے پر کی اڑاتے ہیں۔ اور سیدہ زہرا کے ساتھ ان کی دشمنی اور رنجش کے فرضی قصہ جات بیان کرتے ہیں۔ ان اشعار کے مضمون سے آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ سیدہ زہرا کے ساتھ ان کی عقیدت و محبت کس درجہ کی تھی۔ کیا کوئی دشمنی کے متعلق ایسے تعریفی اشعار کہا کرتا ہے؟ ہم اہل سنت کا عقیدہ یہی ہے کہ یہ مستورات باہم پیار و محبت سے رہتی ہیں۔ اور یہی بات ان اشعار سے بھی ثابت ہو رہی ہے۔

ان حوالہ جات سے ہمارا مقصد یہ تھا۔ کہ اہل تشیع کے ان الزامات پر کاری ضرب لگائیں۔ جن سے انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ اور سیدہ زہرا کے مابین رنجش کی دیوار ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی تھی۔ کہ سیدہ عائشہ کا اخلاق و کردار، خصوصًا اہل بیت کے بارے میں معاذ اللہ گرا ہوا تھا۔ اب چلتے چلتے، ایک حوالہ حسنین کریمین کے ساتھ مائی صاحبہ کے پیار و محبت کا بھی ملاحظہ فرما لیجئے۔

بحار الانوار

عَنْ عَائِشَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ سَأَلْتُ الْفِرْدَوْسَ رَبَّھَا فَقَالَتْ اَیْ رَبِّ زَیِّنِّیْ

فَاِنَّ اَصْحَابِیْ وَاَهْلِیْ اَتْقِیَاءُ وَّاَبْرَارٌ فَاَوْحَی اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلَیْهَا اَلَمْ اُزَیِّنْكِ بِالْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ

(بحارالانوار جلد ۴۳ ص ۳۰۶)

ترجمہ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت الفردوس کے بارے میں فرمایا۔ اس نے اپنے رب سے سوال کیا۔ کہ مجھے خوبصورت بنا دے۔ کیونکہ میرے پاس آنے والے پرہیزگار اور نیک لوگ ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُسے کہا۔ کیا میں تجھے حسن و حسین کے ساتھ زینت نہیں دے چکا۔

ثابت ہوا کہ جنت الفردوس کی زینت حسنین کریمین ہیں اور ان کی یہ صفت و تعریف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے بیان فرما کر اپنی عقیدت کا اظہار فرما رہی ہیں۔ آخر میں ایک آدھ حوالہ اس موضوع پر بھی پیش کر دینا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ اگر بقول اہل سنت سیدہ عائشہ رضی کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے عقیدت تھی۔ اور اُن کو افضل ترین مرد سمجھتی تھیں۔ تو جنگ جمل میں اس عقیدت کو بالائے طاق کیوں رکھا گیا۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ جمل پر ندامت کا اظہار

شرح ابن حدید

اَیْضًا اَنَّهَا عَقِیْبَ الْجَمَلِ کَانَتْ تَبْکِیْ حَتّٰی تَبُلَّ خِمَارَهَا وَاَنَّهَا اسْتَغْفَرَتِ اللّٰهَ وَانْدِمَتْ وَلٰکِنْ لَمْ یَبْلُغْ اَمِیْرَالْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْهِ السَّلَامُ حَدِیْثُ تَوْبَتِهَا عَقِیْبَ الْجَمَلِ بِلَاغًا یَقَعُ الْعُذْرُ وَیَثْبُتُ الْحُجَّةُ وَالَّذِیْ شَاعَ عَنْهَا مِنْ اَمْرِ النَّدَمِ التَّوْبَةِ شَیْئًا مُسْتَفِیْضًا اَنَّمَا کَانَ بَعْدَ قَتْلِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِلٰی اَنْ مَاتَتْ وَهِیَ عَلٰی ذَالِكَ وَالتَّائِبُ مَغْفُوْرٌ لَهٗ وَیَجِبُ قُبُوْلُ التَّوْبَةِ عِنْدَنَا فِی الْعَدْلِ وَقَدْ اَکَّدَ وُقُوْعُ التَّوْبَةِ مِنْهَا مَارُوِیَ فِی الْاَخْبَارِ الْمَشْهُوْرَةِ اِنَّهَا زَوْجَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْاٰخِرَةِ کَمَا کَانَتْ زَوْجَتَهٗ فِی الدُّنْیَا وَمِثْلُ هٰذَا الْخَبَرِ اِذَا شَاعَ اَوْجَبَ عَلَیْنَا اَنْ نَتَکَلَّفَ اِثْبَاتَ تَوْبَتِهَا لَوْ لَمْ یَنْقُلْ فَکَیْفَ وَالنَّقْلُ لَهَا یَکَادُ اَنْ یَبْلُغَ حَدَّ التَّوَاتُرِ۔ (شرح ابن حدید جلد دوم ص ۴۰۹ ذکر فی کون عائشہ من اہل الجنۃ الخ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:

ہمارے اصحاب یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا واقعہ جمل کے بعد رویا کرتی تھیں۔ حتیٰ کہ ان کی چادر اور دوپٹہ تک آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا۔ اور انہوں نے اللہ سے استغفار کی۔ اور اپنے کیے پر نادم ہوئیں۔ لیکن حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے پاس اس واقعہ کے بعد ان کی توبہ و استغفار کی خبر اس طرح مضبوطی سے نہ پہنچی۔ کہ آپ اس کی بنا پر انہیں معذور قرار دیتے۔ اور حجت ثابت ہو جاتی۔ اور مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے توبہ کا معاملہ اور ندامت کا واقعہ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اچھی طرح پھیلا۔ اسی توبہ و ندامت پر مائی صاحبہ کا انتقال ہوا۔ اور توبہ کرنے والے کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ اور ہمارے نزدیک عدل میں مائی صاحبہ کی توبہ کا مقبول ہونا واجب ہے۔ اور توبہ کی قبولیت اور اس کی تاکید کے لیے وہ روایت کافی ہے۔ جس میں یہ مذکور ہے۔ کہ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا جس طرح اس دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں۔ اسی طرح قیامت میں بھی آپ کی ہی زوجیت میں ہوں گی۔ یہ خبر مشہور ہے۔ اور اس قسم کی خبر جب خوب پھیل جاتی ہے۔ تو پھر ہم پر واجب ہو جاتا ہے کہ ہم ان کی توبہ کے اثبات کے مکلف قرار پائیں۔ اگرچہ ایسا منقول نہ ہوتا۔ سو جب آپ کی توبہ کا معاملہ منقول بھی ہے اور اس حد تک کہ درجہ تواتر کو پہنچتا ہے۔ تو پھر اس کے مقبول ہونے میں کونسا شک رہ جاتا ہے۔

ناسخ التواریخ

امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک شخص نے واقعہ جمل پر تنبیہ کرتے ہوئے کچھ کہا۔ تو اس پر مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ اللہ کی تقدیر ہو کر رہی۔ اور تقدیر کی قلمیں خشک ہو چکی ہیں۔ اور فرمایا۔ خدا کی قسم! اگر میرے ہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس لڑکے مثل عبدالرحمن بن حارث کے ہوتے اور وہ سب مر جاتے۔ تو مجھے ان کی موت پر رونا آسان ہوتا۔ بہ نسبت اس کے جو مشکل مجھے حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے میں آئی۔ اور جو مجھ سے (غلطی) ہوئی۔ اس کی فریاد اب اللہ تعالٰی کے حضور رہی ہے۔

لمحہ فکریہ

"جنگ جمل" ایسا واقعہ ہے جسے اہل تشیع سیدہ عائشہ صدیقہ اور علی المرتضٰی کے درمیان کدورت و رنجش کا ایک عظیم سبب قرار دیتے ہیں۔ اور اسی ضمن وہ سب کچھ کہہ جاتے ہیں۔ جو گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ آپ نے اس حوالہ سے معلوم کر لیا۔ کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جو حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا۔ اس میں وہ اجتہادی خطا پر تھیں۔ اور اپنی خطا کا علم ہونے پر انہوں نے توبہ کی۔ ندامت کے آنسو بہائے۔ حتی کہ اوڑھنی شریف تر ہو جایا کرتی تھی۔ اور اسی ندامت و توبہ پر قائم رہتے ہوئے دنیا سے تشریف لے گئیں۔ اگر بروقت حضرت علی

اس کا علم ہو جاتا۔ تو آپ بھی انہیں معذور سمجھتے۔ شیعہ محقق نے اہل تشیع کا عقیدۂ واجبہ ذکر کر دیا۔ کہ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے جنتی ہونے کا عقیدہ رکھنا ہر شیعہ پر واجب ہے۔ اب بھی جو شیعہ ان کے بارے میں بکواس و خرافات بکتے ہیں۔ انہیں اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہیئے۔ خواہ مخواہ دوزخ کا ایندھن بننے کا شوق رہنے دیں۔ بلکہ توبہ کریں اور پچھلے خرافات کی معافی مانگیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

طعن ششم

سیدہ زہرا کے جنازہ پر آنے سے سیدہ عائشہ کو زبردستی روکا گیا۔ اور ابوبکر صدیق کی سفارش بھی ٹھکرا دی گئی

جاگیر فدک

ثبوت ملاحظہ ہو؛

۱۔ اہل سنت کی معتبر کتاب الاستیعاب فی اسماء الاصحاب جلد۴ ص ۳۶۷ ذکر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۔ اہل سنت کی معتبر کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب ص ۲۱۹ ذکر قبر فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳۔ اہل سنت کی معتبر کتاب وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ جلد سوم ص ۹۰۴

۴۔ اہل سنت کی معتبر کتاب کنز العمال جلد۷ ص ۱۱۴ کتاب الفضائل من قسم الافعال۔

۵۔ اہل سنت کی معتبر کتاب تاریخ خمیس جلد۱ ص ۲۷۷ ذکر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

۶۔ اہل سنت کی معتبر کتاب اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ حرف الفاء جلد ۷ ص ۲۲۶

۷۔ اہل سنت کی معتبر کتاب، ذخائر العقبیٰ ص ۵۳ مطبع قاہرہ

الاستیعاب کی عبارت ملاحظہ ہو:

الاستیعاب

فَلَمَّا تُوُفِّيَتْ جَاءَتْ عَائِشَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ تَدْخُلُ فَقَالَتْ اَسْمَاءُ لَا تَدْخُلِيْ فَشَكَتْ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ فَقَالَتْ اِنَّ هٰذِهِ الْخَثْعَمِيَّةَ تَحُوْلُ بَيْنَنَا وَبَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ جَعَلَتْ لَهَا مِثْلَ هَوْدَجِ الْعُرُوْسِ فَجَاءَ اَبُوْبَكْرٍ فَوَقَفَ عَلَى الْبَابِ فَقَالَ يَا اَسْمَاءُ مَا حَمَلَكِ عَلٰى اَنْ مَنَعْتِ اَزْوَاجَ النَّبِيِّ اَنْ تَدْخُلْنَ عَلٰى بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(الاستیعاب جلد ۴ ص ۳۷۸-۳۷۹
حرف الفاء مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:

سیدہ زہرا کی وفات کے بعد جناب عائشہ آئیں اور اندر آنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اسماء نے سختی سے روک دیا۔ جناب عائشہ اپنے باپ کے پاس یعنی ابوبکر کے پاس شکایت لے گئیں۔ کہ یہ خثعمیہ مجھے، بنت ۔۔۔ سوا اس کے جنازے سے روکتی ہے۔ اور کوئی شئی مثل ہودج

کے بی بی کے لیے بنائی ہے۔ جناب ابو بکر خود آئے۔ اور دروازے
پر ٹھہرے۔ اور پوچھا کہ اے اسماء تو ازواج نبی کو کیوں روکتی ہے۔
اسماء نے کہا۔ بی بی نے خود روکا تھا۔

(جاگیر فدک ص ۴۶۰ تصنیف غلام حسین نجفی)

نوٹ

ہمارے مذکورہ بیان سے یہ بات روشن ہے۔ کہ جناب ابو بکر اور بی بی عائشہ ان دونوں پر جناب زہرا ناراض تھیں۔ اور جن لوگوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ناراض ہو۔ وہ محبوب رسول نہیں تھے۔

جواب اوّل

عبارت نقل کرنے میں خیانت

الاستیعاب کی عبارت نقل کرتے ہوئے نجفی نے فریب دینے کی کوشش کی۔ اور عوام کو یہ تاثر دینا چاہا۔ کہ سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا صدیق اکبر اور ان کی بیٹی عائشہ سے ناراض تھیں۔

نوٹ

میں یہی خلاصہ ذکر کیا گیا ہے۔ الاستیعاب کی عبارت اگر مکمل ذکر کر دی جاتی تو مکر و فریب کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ جاتا۔ جنازے پر آنے سے منع کرنا" ہم اس بحث کو مالہ وما علیہ کے ساتھ تحفہ جعفریہ جلد سوم میں درج کر

چکے ہیں۔ یہاں صرف اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

الاستیعاب میں ام جعفر سے روایت ہے۔ کہ سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا نے اسماء بنت عمیس سے فرمایا۔ اے اسماء! میں اس بات کو بہت ناپسند کرتی ہوں کہ عورت کے مرنے کے بعد اس کی لاش پر ایسا کپڑا ڈالا جائے۔ جس سے اس کا تمام جسم نظر آتا ہو۔ یہ سُن کر اسماء نے عرض کی۔ سیدہ! میں حبشہ میں تھی۔ تو جو کچھ اس موقعہ پر وہاں میں نے دیکھا۔ وہ عرض کرتی ہوں۔ اگر پسند فرمائیں۔ تو اسی طریقہ پر یہاں بھی عمل کیا جائے۔ فرمایا۔ بتلاؤ۔ اسماء نے چند ٹہنیاں منگوائیں۔ انہیں دونوں طرف سے جھکا کر ڈولی کی شکل بنائی۔ اس پر کپڑا ڈالا۔ یہ دیکھ کر سیدہ نے فرمایا۔ یہ طریقہ بہت اچھا ہے۔ پھر فرمایا۔ میرے انتقال کے بعد تُو اور علی مجھے غسل دینا۔ اور میرے جنازہ پر (میرا مُنہ دیکھنے کے لیے) کوئی نہ آئے۔

(الاستیعاب جلد چہارم ص ۳۷۸ تا ۳۷۹
حرف الفاء۔ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

سیدہ زہرا کی وصیت کے آخری الفاظ کہ "میرے جنازہ پر کوئی نہ آئے" ان کا مطلب اسماء سمجھ نہ پائیں۔ کیونکہ اگر یہی مُراد لی جائے۔ تو پھر تمام بنی ہاشم جو آپ کے جنازہ پر آئے۔ اُن کو اجازت دے کر اسماء نے وصیت کی خلاف ورزی کی۔ اس غلط فہمی کی بنا پر اسماء نے حضرت عائشہ کو روک دیا۔ آپ کی وصیت اس لیے تھی۔ تاکہ دورِ جاہلیت کی رسومات، جن سے میت کا پردہ اور ستر قائم نہ رہتا تھا۔ اُن سے بچا جائے۔ اور اسی وجہ سے آپ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ میری میت رات کے اندھیرے میں اٹھائی جائے۔ تو گویا روکا گیا تھا۔ ایک غلط فہمی کی بنا پر۔ لیکن نجفی اینڈ کمپنی نے اِسے یہ رنگ دیا۔ کہ سیدہ بوقتِ وصال یہ وصیت کر گئیں نفعلیہ۔ کہ عائشہ کو میرے جنازہ پر مت آنے دینا ہو وَلَا تُدْخِلِيْ عَلَيَّ اَحَدًا"

کے الفاظ سے مذکورہ مطلب نکالنا نری حماقت ہے۔ ان الفاظ کا معنی یہ ہے کہ
میرے جنازہ پر کسی کو اندر مت آنے دینا۔ یہاں تو ہر ایک کو روکنے کا حکم
ہے سیدہ عائشہ خاص کر کہاں سے آگئیں؟

جواب دوم

شیعہ تضادات کی انتہا

مذکورہ اعتراض کے حوالہ جات میں نجفی نے تاریخ خمیس کا ذکر بھی
کیا۔ تاریخ خمیس کے مذکورہ حوالہ کے متصل ایک روایت بھی مذکور ہے۔ جو
اس پہلی روایت میں سیدہ فاطمہ کو غسل دینے والے حضرت علی المرتضٰی
رضی اللہ عنہ بتائے گئے ہیں۔ اور پچھلی روایت میں اس کی نفی ہے۔
ایک ہی شخصیت میں ایک ہی واقعہ کے متعلق ایسی دو متضاد باتیں نہیں ہو سکتیں۔

تاریخ خمیس

عن ام سلمة قالت اشتکت فاطمة بنت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فمرضنا ھا فاصبحت
یوما کا مثل ما رایناھا فی شکواھا فخرج
علی بن ابی طالب لبعض حاجتہ فقالت فاطمة
اسکبی لی یا امة غسلا فسکب لھا غسلا فاغتسلت
کاحسن ما کنت اراھا تغتسل قالت ثم قالت

یا امۃ ناولینی ثیابی الجدد قالت فناولتہا ثم
جاءت الی البیت الذی کانت فیہ فقالت قدمی
فراشی وسط البیت و اصطجعت و وضعت یدھا
الیمنیٰ تحت خدھا ثم قالت یا امۃ انی مقبوضۃ
الآن فلا یکشفنی احد ولا یغسلنی قالت فقبضت
مکانھا قالت ودخل علیؓ فاخبرتہ بالذی قالت
وبالذی امرتنی فقال علی واللہ لا یکشفھا احد
فاحتملھا فدفنھا بغسلھما ذالك لا یکشفھا ولا
غسلھا احد۔ اخرجہ احمد فی المناقب والاولا بی
واللفظ لہ وھو متضاد لخبر اسماء المتقدم

(تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۲۷۷، ۲۷۸
ذکر وصیت فاطمہ آل اسماء۔ مطبوعہ،
بیروت۔ طبع جدید)

ترجمہ:

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ کہ سیدہ فاطمہ بیمار ہوئیں۔ ہم ان کی
عیادت کو گئے۔ ایک دن تو انتہائی سخت بیمار ہو گئیں حضرت
علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ اپنے کسی کام کی خاطر گھر سے باہر تشریف
لے گئے۔ تو مجھے سیدہ زہرا نے کہا۔ اے ماں! میرے لیے
نہانے کا بندوبست کرو۔ میں نے پانی وغیرہ تیار کر دیا۔
پھر انہوں نے بہترین غسل کیا۔ پھر کہنے لگیں۔ اے ماں!
مجھے نئے کپڑے دو۔ میں نے دیئے۔ پھر آپ اس گھر کی طرف

تشریف لے آئیں۔ جہاں ان کا قیام تھا۔ پھر فرمایا۔ اچھا میرا بستر
گھر کے درمیان لگا دو۔ (میں نے لگا دیا بستر پر تشریف فرما ہوئیں)
اور لیٹ گئیں۔ اپنا دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے رکھا۔ اور فرمانے
لگیں۔ ماں اب دنیا سے جا رہی ہوں۔ لہذا میرے مرنے کے
بعد نہ کوئی مجھے غسل دے۔ اور نہ کوئی مجھ سے کپڑا ہٹائے۔ یہ باتیں
آپ نے قبلہ رُخ ہو کر فرمائیں۔ اس کے بعد ان کی روح قفس عنصری
سے پرواز کر گئی۔ پھر بعد میں حضرت علی المرتضیٰ گھر تشریف لائے
میرے پاس آئے۔ تو میں نے انہیں وہ سب باتیں تبلا دیں
جن کی سیدہ زہرا وصیت کر گئی تھیں۔ یہ سُن کر حضرت علی المرتضیٰ
نے فرمایا۔ خدا کی قسم! نہ کوئی اُسے غسل دے گا۔ اور نہ کوئی اُس کا
چہرہ دیکھے گا۔ یہ کہہ کر جنازہ اٹھایا گیا۔ اور انہیں اُسی غسل کے ساتھ
دفن کر دیا گیا۔ نہ کسی نے مُنہ دیکھا۔ اور نہ کسی نے دوبارہ غسل دیا۔
.... یہ روایت امام احمد نے مناقب میں ذکر کی۔ اس کے
الفاظ دولابی کے ہیں۔ لیکن یہ روایت پچھلی روایت کے متضاد ہے
جو حضرت اسماء سے مروی ہوئی۔

اس روایت میں سیدہ زہرا کی جو وصیتیں مذکور ہیں۔ ان میں ایک
غسل کا معاملہ ہے۔ جو پچھلی روایت کے برعکس ہے۔ کیونکہ وہاں مذکور ہے
کہ حضرت علی المرتضیٰ نے غسل دیا۔ دوسری یہ بات کہ پہلی روایت میں کسی
کو داخل نہ ہونے دینے کی تاکید تھی۔ اس میں یہ وصیت مذکور نہیں۔ اور اگر داخل
نہ ہونے کا مطلب یہ لیا جائے۔ کہ کوئی میرا منہ دیکھتے اندر نہ آئے۔ تو پھر
کچھ مطابقت پائی جائے گی۔ اس صورت میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

کو منع کرنا غلط فہمی کی بنا پر ہو گا۔ جیسا کہ ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں۔ جب تاریخ خمیس کی روایات میں تضاد ہے۔ تو پھر اس کو بطور حجت پیش کرنا نری حماقت ہے۔

الاستیعاب کے جس صفحہ سے مذکورہ روایت ذکر کی گئی۔ اسی صفحہ پر "الاصابہ" نے اس پر جرح بھی کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ

وَ نَقَلَ ابْنُ عُمَرَ فِیْ قِصَّۃِ وَفَاتِهَا اَنَّ فَاطِمَۃَ اَوْصَتْ عَلِیًّا اَنْ یَّغْسِلَهَا هُوَ وَ اَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَیْسٍ وَاسْتَبْعَدَهُ ابْنُ فَتْحُوْنَ فَاِنَّ اَسْمَاءَ کَانَتْ حِیْنَئِذٍ زَوْجَ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ قَالَ فَکَیْفَ تَنْکَشِفُ بِحَضْرَۃِ عَلِیٍّ فِیْ غُسْلِ فَاطِمَۃَ وَهُوَ مَحَلُّ الْاِسْتِبْعَادِ وَقَدْ وَقَعَ عِنْدَ اَحْمَدَ اَنَّهَا اغْتَسَلَتْ قَبْلَ مَوْتِهَا بِقَلِیْلٍ وَّ اَوْصَتْ اَنْ لَّا تَنْکَشِفَ وَ یُکْتَفٰی بِذَالِکَ فِیْ غُسْلِهَا وَاسْتَبْعَدَهَا هٰذَا۔

(الاصابہ جلد ۴ ص ۳۷۸، ۳۷۹
مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:
ابن عمر نے حضرت فاطمہ کے انتقال کے واقعہ میں یہ نقل کیا ہے۔ کہ سیدہ زہرا نے حضرت علی المرتضیٰ کو وصیت کی۔ کہ میرا غسل تم اور اسماء بنت عمیس دیا۔ ابن فتحون نے اسے حقیقت سے دور قرار دیا ہے۔ کیونکہ اسماء مذکورہ ان دنوں ابوبکر صدیق کی بیوی تھیں۔ تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ کے ساتھ وہ

سیدہ زہرا کے غسل دینے کے لیے موجود ہوتیں۔ یہی بات حقیقت سے دُور کرنے والی ہے۔ امام احمد نے اس معاملہ کو یوں بیان کیا ہے۔ کہ سیدہ زہرا نے یہ وصیت کی تھی۔ کہ مرنے کے بعد میرا کفن اتار کر کسی کو منہ نہ دکھایا جائے۔ اور جو غسل میں خود کر چکی ہوں اسی میں مجھے دفن کر دیا جائے۔ امام احمد سے مروی یہ روایت بھی پہلی کے دُور از حقیقت ہونے کی تائید کرتی ہے۔

نتیجہ

الاستیعاب کی روایت کے مقابلہ میں اور روایات موجود ہونے کی وجہ سے تعارض پیدا ہو گیا۔ لہذا "اذا تعارضا تساقطا" کے تحت دونوں روایات قابل حجت نہ رہیں۔ اس لیے ناقابل حجت روایات کے ذریعہ، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر الزام دھرنا عقل و نقل کے خلاف ہے۔

لمحہ فکریہ

مفتی جعفر حسین شیعی کا زور اس بات پر خرچ ہوا۔ کہ سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا چونکہ سیدہ عائشہ سے ناراض تھیں۔ اور سیدہ عائشہ بھی ان سے ناراض تھیں اس لیے جناب زہرا کے انتقال کے بعد سیدہ عائشہ تعزیت کے لیے بھی نہ آئیں۔ جبکہ بنی ہاشم کی دوسری عورتیں آئی تھیں۔ نہ آنے کے لیے سیدہ عائشہ نے بیماری کا بہانہ بنایا تھا۔

حجۃ الاسلام نجفی کا زور اس بات پر صرف ہوا۔ کہ سیدہ عائشہ گھر سے چل پڑیں۔ اور تعزیت کی خاطر جب سیدہ زہرا کے گھر داخل ہونے لگیں۔ تو اسماء بنت عمیس

نے اندر آنے سے روک دیا۔ ان دونوں پہلوانوں کے زور آزمانے کو دیکھو ایک اپنی ہانک رہا ہے۔ اور دوسرا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائے پھرتا ہے بھلے مانسو! جب بیماری کا بہانہ بنا کر سیدہ گھر سے ہی نہ نکلیں۔ تو جناب زہرا کے دروازہ پر کیسے پہنچ گئیں۔ اور یہاں پر پھر اندر جانے سے اسماء بنت عمیس نے کیسے روک دیا؟

ع خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔ حجتی نے مفتی کی ٹانگ گھسیٹی۔ اور مفتی نے حجتی کو پٹخ دیا۔ لڑائی ان دونوں کی اور الزام سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر۔

پھر بڑے مزے لے کر یہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت علی المرتضےٰ کے دل میں سیدہ عائشہ سے کدورت تھی۔ ان کی وجہ سے یہ کدورت اور رنجش ابوبکر صدیق تک پہنچ گئی۔ یعنی حضرت علی المرتضےٰ اور سیدہ زہرا رضی اللہ عنہما دونوں ابوبکر صدیقؓ اور ان کی بیٹی عائشہ سے ناراض تھے۔ یہ کیسی ناراضگی تھی۔ کہ سیدہ زہرا کی نماز جنازہ حضرت علی المرتضیٰ نے ابوبکر صدیق سے پڑھوائی۔ حوالہ ملاحظہ ہو

حضرت علی نے سیدہ فاطمہ کی نماز جنازہ حضرت ابوبکر صدیق سے پڑھوائی

تاریخ خمیس

عَنْ مَالِكِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَلِيِّ ابْنِ الْحُسَيْنِ قَالَ مَاتَتْ فَاطِمَةُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فَحَضَرَهَا اَبُوْ بَكْرٍؓ وَعُمَرُؓ وَالزُّبَيْرُ وَ

عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فَلَمَّا وُضِعَتْ لِيُصَلّٰى عَلَيْهَا قَالَ عَلِيٌّ تَقَدَّمْ يَا اَبَا بَكْرٍ رض قَالَ وَاَنْتَ شَاهِدٌ يَا اَبَا الْحَسَنِ قَالَ نَعَمْ تَقَدَّمْ وَاللّٰهِ لَا يُصَلِّيْ عَلَيْهَا غَيْرُكَ فَصَلّٰى عَلَيْهَا اَبُوْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔

(تاریخ خمیس جلد اوّل ص ۲۷۸ طبع جدید

مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:

علی بن حسین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ جب سیدہ زہرا کا انتقال ہو گیا تو اس وقت مغرب اور عشاء کا درمیانی حصہ تھا۔ اس انتقال کی خبر سن کر ابو بکر، عمر، عثمان، زبیر اور عبد الرحمٰن بن عوف حاضر ہوئے پھر جب نماز جنازہ کے لیے اُن کی میت رکھی گئی تو حضرت علی المرتضٰی رض نے ابو بکر صدیق سے کہا۔ اے ابو بکر آگے ہو کر ان کی نماز جنازہ پڑھائیے راوی پوچھتا ہے۔ کہ اے ابو الحسن! آپ اس وقت موجود تھے۔ فرمایا ہاں۔ حضرت علی المرتضٰی نے کہا تھا۔ ابو بکر چلو نماز پڑھاؤ۔ خدا کی قسم! فاطمہ کی نماز جنازہ تمہارے بغیر کوئی نہیں پڑھائے گا۔ سو حضرت ابو بکر رض نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور پھر انہیں رات کے وقت سپرد خاک کر دیا گیا۔ اس روایت کو بصری نے ذکر کیا ہے۔

اس حوالہ نے نجفی اور مفتی سب کے اوپر آندھی چلا دی ایسے اڑ گئے کہ نام و نشان باقی نہ رہا۔ ہماری اس تحقیق سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے درمیان

رنجش کے تمام واقعات خودساختہ ہیں۔ اسی طرح سیدہ عائشہ اور جناب زہرا کے درمیان کدورت و بغض کی روایات شیعی سانچے میں گھڑی گئیں ہیں۔ عقل و نقل انہیں تسلیم نہیں کرتے زندگی بھر حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ فرضی نمازیں ابوبکر کی اقتداء میں پڑھتے رہے۔ اور ایسا کیوں نہ کرتے۔ انہیں بخوبی معلوم تھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی زندگی میں مصلیٰ امامت پر کھڑا کر دیا تھا۔ جب پانچ وقت کی فرضی نمازیں ان کی اقتداء میں ادا کیں تو یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ سیدہ زہرا کے انتقال کے بعد ان کی نماز جنازہ بغیر صدیق اکبر کے کسی اور سے پڑھواتے۔ جو فرض کفایہ تھی

فصل چہارم

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی صاحبزادیاں چار تھی اس پر چند مزید تحقیقی حوالہ جات

حوالہ(۱) المبسوط

اَزْوَاجُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُمَّھَاتٌ
فِیْ مَعْنَی الْعَقْدِ عَلَیْھِنَّ وَلَیْسَ اُمَّھَاتٌ حَتّٰی تُحَرَّمَ
بَنَاتُھُنَّ وَاُمَّھَاتُھُنَّ لَیْسَتْ بِاُمَّھَاتٍ عَلَی الْحَقِیْقَۃِ
نَسَبًا اَوْرَضَاعًا فَتَکُوْنُ بَنَاتُھُنَّ اَخَوَاتٍ وَاُمَّھَاتُھُنَّ
جَدَّاتٍ وَلَا یَتَجَاوَزُ تَحْرِیْمٌ بِھِنَّ لِاَنَّہٗ لَا دَلِیْلَ
عَلَیْہِ السَّلَامُ زَوَّجَ بَنَاتَہٗ زَوَّجَ فَاطِمَۃَ عَلَیْھَا السَّلَامُ
عَلِیًّا وَھُوَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ صَلَوٰۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَامُہٗ
وَاُمُّھَا خَدِیْجَۃُ اُمُّ الْمُؤْمِنِیْنَ وَزَوَّجَ بِنْتَیْہِ رُقَیَّۃَ
وَاُمَّ کُلْثُوْمٍ عُثْمَانَ لَمَّا مَاتَتِ الثَّانِیَۃُ قَالَ لَوْکَانَتِ

لَوْ كَانَتِ الْبَنَاتُ لَمَا تَزَوَّجَهَا اِيَّاهُ وَتَزَوَّجَ الزُّبَيْرُ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ وَهِيَ اُخْتُ عَائِشَةَ وَتَزَوَّجَ طَلْحَةُ اُخْتَهَا الْاُخْرٰى۔

(المبسوط جلد چہارم ص ۱۵۸ کتاب النکاح الخ)

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں اس معنی میں ہیں۔ کہ ان سے کوئی دوسرا عقد نہیں کر سکتا۔ ایسی مائیں نہیں ہیں کہ ان کی بیٹیاں اور ان کی مائیں حرام ہو جائیں۔ کیونکہ وہ (ازواج مطہرات) از روئے نسب و رضاعت حقیقی مائیں نہیں اگر ایسا ہوتا تو پھر ان کی صاحبزادیاں مومنوں کی ہمشیرگاں اور ان کی مائیں مومنوں کی نانیاں ہوتیں۔ (حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ازواج مطہرات کے ساتھ شادی بوجہ ماں ہونے کے صرف ان تک محدود رہے گی۔) ان کی بیٹیوں اور ماؤں کی طرف نہیں جائے گی۔ کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور اس لیے بھی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادیوں کے عقد کیئے۔ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی شادی امیر المؤمنین حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کی۔ حالانکہ ان کی والدہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا مؤمنوں کی ماں ہیں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری دو صاحبزادیاں رقیہ اور ام کلثوم رضی یکے بعد دیگرے عثمان غنی کے عقد میں دیں۔ جب دوسری کا انتقال ہوا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اگر تیسری ہوتی۔ تو اسے بھی عثمان

کے عقد میں دے دیتا۔ حضرت زبیر نے ابوبکر صدیق کی ایک بیٹی "اسماء" سے شادی کی۔ حالانکہ یہ ام المومنین عائشہ صدیقہ کی ہمشیرہ ہیں۔ جناب طلحہ نے ان کی دوسری ہمشیرہ سے شادی کی۔

توضیح

صاحب مبسوط نے مذکورہ گفتگو قرآن کریم میں موجود وَاَزْوَاجُهُ اُمَّهَاتُهُمْ کے بارے میں کی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو جو مسلمانوں کی مائیں کہا۔ ان کا ماں ہونا صرف ان تک ہی محدود رہے گا۔ ماں ہونے کا معنی یہ ہے کہ حقیقی ماں کی طرح ان سے کسی مومن کا شادی کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ یہ حرمت ان کی ذات تک ہی ہے۔ ان کی ہمشیرگان مومنوں کی خالائیں، ان کی بیٹیاں مومنوں کی ہمشیرگان اور ان کی مائیں مومنوں کی نانیاں نہ ہوں گی۔ اور نہ ہی ان سے نکاح حرام ہو گا۔ اسی مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب مبسوط نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں رقیہ اور ام کلثوم کا ذکر کیا۔ اور ثابت کرنا چاہا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت خدیجہ کی یہ دونوں صاحبزادیاں بھی حرام ہوتیں۔ اور عثمان غنی سے ان کا نکاح نہ ہوتا۔ اگر حرمت صرف ازواج مطہرات تک رہتی۔ کیونکہ پھر حضرت خدیجہ جب عثمان غنی کی ماں ہوئیں۔ تو رقیہ اور ام کلثوم ان کی ہمشیرہ ہوئیں۔ اور ہمشیرہ نسبی و رضاعی سے شادی نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ دونوں صاحبزادیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی صاحبزادیاں نہ تھیں۔ تو ان کو مثال میں کیوں پیش کیا گیا۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا "اگر تیسری بھی ہوتی تو میں اس

کی شادی عثمان سے کردیتا،، لاتعلق ہو جائے گا۔ اس سے صاف صاف معلوم ہوا۔ کہ صاحبِ مبسوط کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی صاحبزادی صرف ایک نہ تھی بلکہ رقیہ اور ام کلثوم بھی آپ کی صاحبزادیاں ہیں۔ اور ان کا نکاح یکے بعد دیگرے عثمان غنی سے آپ نے کیا ہے۔ آیت مذکورہ سے جہاں ازواج مطہرات کا مومنوں کی مائیں ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام مومنوں کے لیے بمنزلہ باپ ہونا بھی ثابت ہوتا ہے

وسائل الشیعہ میں ایک جگہ یہ روایت مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کو۔

فرمایا۔ اے علی! جب کسی آدمی کا خلق اچھا ہو اور اس کی دینداری اچھی دیکھو تو اس سے اپنی بیٹی شادی کر دینا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بطریقہ اولےٰ پابند ہوں گے۔ لہذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو آپ کا یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیاں عقد میں دینا اس امر کی واضح دلیل ہے۔ کہ آپ کے نزدیک عثمان غنی کے اخلاق و کردار اور دینداری قابل اعتماد تھی۔ اگر ان کا خلق اور دین بہتر نہ ہوتا تو آپ تیسری صاحبزادی کی شادی کی پیش کش نہ فرماتے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

حوالہ چہاردہ معصوم

محمد بن اسحاق می نولیسد خدیجہ از پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دارائی ہشت اولاد گردید۔

۱۔ قاسم کہ کنیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم با ابوالقاسم ازیں جہت بود۔ واز قبل از بعثت در مکہ در دو سالگی درگزشتہ

۲۔ عبداللہ بنام طیب کو او ہم قبل از اعلان نبوت فوت شد۔ ۳۔ طاہر کہ در آغازِ اسلام متولد شد و لذا نام او را طاہر گشتند و بعد از بعثت فوت شد ۴۔ زینب کہ او را با ابوالعاص بن ربیع تزویج کرد پسر دائی خدیجہ و از او ہم پسر وجود آمد و در گزشتند۔ ۵۔ رقیہ کہ او را بعتبہ بن ابی کثیر و یا عتبہ بن ابی کثیر و یا عتبہ بن ابی لہب تزویج کرد و بعد عثمان گرفت و در سالِ دو ہجرت وفات کرد۔ ۶۔ ام کلثوم کہ او را عثمان پس از رقیہ گرفت و او ہم سالِ چار ہجرت در گزشت۔ ۷۔ فاطمہ کہ بعلی تزویج نمود۔

(چہاردہ معصوم جلد اول چھاپ پنجم،
ص ۲۲۴ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

محمد بن اسحاق لکھتا ہے۔ کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاں سات بچے بچیاں پیدا ہوئے۔ ۱۔ قاسم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم ان کی طرف نسبت سے تھی بعثت سے دو سال قبل مکہ میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ ۲۔ عبداللہ جنہیں طیب بھی کہتے ہیں۔ ان کا انتقال اعلانِ نبوت سے قبل ہی ہو گیا تھا۔ ۳۔ طاہر۔ اسلام کے ابتدائی دور میں پیدا ہوئے۔ اسی لیے ان کا نام طاہر ہوا۔ اور بعثت کے بعد فوت ہوئے۔ ۴۔ زینب۔ ان کی شادی خدیجۃ الکبرٰی کی دائی کے بیٹے ابوالعاص سے ہوئی تھی۔ ان سے ایک بیٹا پیدا ہوا تھا۔ دونوں کا انتقال ہو گیا۔ ۵۔ رقیہ۔ ان کی شادی عتبہ سے ہوئی۔ اور پھر عثمان غنی کی زوجیت میں آئیں۔ چار ہجری میں ان کا انتقال ہوا۔ ۷۔ فاطمہ۔ جو

حضرت علی المرتضٰی کے عقد میں تھیں۔

توضیح

روایت بالا میں اس امر کی تصریح کر دی گئی ہے۔ کہ حضرت خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سات بچے پیدا ہوئے۔ ان میں سے تین بیٹے اور چار بیٹیاں بمعہ نام تحریر ہیں۔ اس سے اُن اہل تشیع کے منہ پر طمانچہ پڑتا ہے۔ جو آپ کی تین بیٹیوں کو آپ کی حقیقی بیٹیاں نہیں کہتے اور "ربیبہ" کہتے ہیں۔ اگر جناب رقیہ، ام کلثوم اور زینب حضرت خدیجہ کے پہلے خاوند سے تھیں۔ تو ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کیسے شمار کیا گیا۔ ان اہل تشیع کے پیٹ میں دردِ قولنج اس لیے اٹھتا ہے کہ اگر انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی صاحبزادیاں تسلیم کر لیا جائے۔ تو عثمان غنی کو آپ کا داماد ماننا پڑے گا۔ اور ذوالنورین بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور یہ تسلیم کرنا ان کے مقدر میں نہیں۔

حوالہ ۲۳ ناسخ التواریخ

دہشت تن از اصحاب کہ در غزوۂ بدر منتقاعد و غائب بودند۔ بروایتِ عامہ از جملہ غازیانِ بدر شمردہ شوند و ایشاں را پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم از غنائم بدر بہرہ فرستاد و ایں جماعت سہ تن از مہاجر بودند نخستیں عثمان بن عفان کہ بدست آویز نا تندرستی رقیہ دخترِ رسولِ خدا در سرائے خود بود منتقاعد گشت۔ و دیگر طلحہ و زبیر کہ بیجا سو سوئے مامور شدند و در راہ بازہ گشتند۔

(ناسخ التواریخ جلد اول ص ۱۶۴ وقائع
سال دوم)

ترجمہ:

اور آٹھ اشخاص حضرات صحابہ کرام میں سے جو غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوئے۔ روایت مشہورہ کے مطابق ان کا شمار بھی بدر کے غازیوں میں سے ہوتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو بھی مالِ غنیمت سے حصہ عطا فرمایا۔ اس جماعت میں تین مہاجر تھے۔ ان میں سے پہلے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی ناساز طبیعت کی بنا پر شرکت نہ کر سکے۔ چونکہ وہ ان کی بیوی بھی تھیں۔ اس لیے ان کی تیمارداری کی بنا پر پیچھے رہ گئے۔ دوسرے حضرت طلحہ اور تیسرے جناب سعید تھے۔ یہ دونوں حضرات دشمنوں کی جاسوسی پر مقرر تھے۔ وہ راستہ میں اِدھر اُدھر پھرتے رہے۔

توضیح:

روایت بالا سے معلوم ہوا۔ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عقد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔ اور ان کا نام سیّدہ رقیہ تھا آپ بوجہ تیمارداری غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ چونکہ یہ عذر دوسرے لوگوں کی طرح قابل قبول تھا۔ اور حقیقت پر مبنی تھا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی مالِ غنیمت کا پورا حصّہ عطا فرمایا۔ صاحب ناسخ التواریخ

نے اس واقعہ کو ذکر کر کے اپنی کج باطنی کا مظاہرہ کیا اور لکھا کہ عثمان غنی نے محض یہ بہانہ بنایا تھا۔ سیدہ رقیہ کوئی بیمار نہ تھیں۔ بہر حال اس کور باطنی سے اس امر کا انکار نہ کر سکا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ان کے گھر میں تھی۔ اور جناب عثمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔ رہا یہ معاملہ کہ کیا حضرت عثمان کا یہ محض بہانہ تھا۔ تو اس سلسلہ میں شیعہ معتقدات کی روشنی میں ہم عرض کرتے ہیں۔ کہ جب ان کے ہاں ہر امام غیب اور شہادت کا جاننے والا ہوتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس خوبی کے بطریقہ اولی مستحق ہوئے۔ اگر عثمان غنی نے بہانہ ہی بنایا تھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کیسے مخفی رہ سکتا ہے۔ اور پھر آپ انہیں مال غنیمت سے حصہ بھی نہ دیتے۔ صاحب ناسخ التواریخ تو اپنی بات پر خود بھی قائم نہیں رہا۔ یہاں تو حضرت عثمان کے پیچھے رہنے کا بہانہ نکال لیا۔ اور دوسری جگہ بدری حضرات میں ان کو شمار بھی کر گیا حوالہ ملاحظہ ہو۔

حوالہ ۴

ناسخ التواریخ

وشانزدہ تن از بنی عبد الشمس بودند۔ اول عثمان بن عفان بن ابی العاص العاص بن امیہ بن عبد الشمس واز جماعت بنی تیم بن مرۃ پنج تن بودند۔ اول ابو بکر واز جماعت عدی بن عدی بن کعب چہاردہ تن بودند اول عمر بن الخطاب۔

(ناسخ التواریخ جلد اول ص ۱۴۸ تا ۹ ھ وقائع سال دوم ہجرت)

ترجمہ: بنی عبد الشمس کے سولہ آدمی غزوۂ بدر کے غازیوں میں تھے

ان میں سے پہلے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ جماعت بنی تمیم سے پانچ آدمی تھے۔ ان میں سے پہلے ابو بکر صدیق تھے۔ عدی بن کعب کی جماعت سے چودہ آدمی تھے۔ جن میں سب سے اول حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے۔

بات واضح ہے۔ کہ اگر حضرت عثمان غنی نے سیدہ رقیہ کی بیماری کا بہانہ بنایا تھا۔ تو پھر یہ بدری غازیوں میں کس قانون کے تحت شمار کیے گئے صاحبِ ناسخ التواریخ کے برعکس کتب شیعہ میں درج ہے۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی کو اپنی طرف سے یہ حکم دیا تھا۔ کہ تم گھر پر رہ کر اپنی زوجہ کی دیکھ بھال کرو۔ اگر یہ بہانہ ہی ہوتا۔ تو تاریخ میں یہ حقیقت بھی درج نہ ہوتی۔ وہ یہ کہ جب بدر سے فراغت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے۔ تو سیدہ رقیہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ان کی بیماری ایک حقیقت ہے۔

حوالہ ناسخ التواریخ[5]

ہماں در ہنگام ہجرت دو دختر پیغمبر در مکہ باز ماند کہ ایں ہر دو از ظہور اسلام در حیات خدیجہ شوی گرفتند یکے رقیہ نام داشت دو در سرائے عقبہ بن ابی لہب بود۔ چوں پیغمبر ہجرت فرمود۔ مردم بعقبہ گفتند۔ اکنوں پیوند تو با محمد پسندہ بناشد۔ دست، از رقیہ بدار کہ از شہر ش بدر فرستیم تا دنبال پدر گیرد۔ آنکہ از اشراف قریش ہر کہ را خواہی از بہر تو زن گیرم۔ عقبہ سخن ایشاں را بپذیرفت و رقیہ را طلاق گفت واو بمدینہ آمد و پیغمبر ش بعثمان بن عفان عقد بست و

درسفر بدر وفات یافت چناں کہ مذکور گشت۔

(ناسخ التواریخ جلد اول ص ۲۶۹ وقائع

سال دوم از ہجرت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں ہجرتِ مدینہ کے وقت مکہ میں ہی رہیں۔ کیونکہ ان دونوں نے ظہور اسلام سے پہلے سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کی زندگی میں ہی شادی کرلی تھی۔ ان میں سے ایک کا نام رقیہ تھا جو عقبہ بن ابی لہب کے گھر میں تھیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمالی۔ تو لوگوں نے عقبہ کو کہا۔ اب تمہارا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ ہمیں پسند نہیں لگتا۔ رقیہ کو چھوڑ دے۔ ہم اسے شہر سے باہر نکال دیں گے۔ تاکہ اپنے باپ کے پیچھے چلی جائے پھر اگر تمہاری شادی کی خواہش ہو گی۔ تو جس قریشی کے گھر کہو گے ہم رشتہ کرا دیں گے۔ اس پر عقبہ نے رقیہ بنت رسول کو طلاق دے دی۔ وہ مدینہ آگئیں۔ یہاں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی حضرت عثمان بن عفان سے کر دی۔ اور غزوۂ بدر کے سفر کے وقت ان کا انتقال ہو گیا۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔

توضیح

حوالہ مذکورہ سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ بوقتِ ہجرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں مکہ میں ہی رہ گئی تھیں۔ ان میں سے ایک قیہ اور دوسری زینب ہیں۔ حوالہ میں انہیں "دو دختر پیغمبر" کہا گیا ہے

لہذا ثابت ہوا۔ کہ سیدہ رقیہ اور زینب رضی اللہ عنہما حضور کی حقیقی صاحبزادیاں ہیں لے پالک یا اور قسم کی بیٹیاں نہیں۔ دوسری بات یہ بھی قابل توجہ ہے کہ رقیہ کے خاوند عقبہ کو لوگوں نے جب یہ کہا۔ کہ اب رسول اللہ کے ساتھ تیری رشتہ داری کا کوئی جواز نہیں۔ رقیہ کو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی صاحبزادی ہی سمجھتے تھے۔ تبھی یہ بات کہی گئی ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ داری کیسے ہو سکتی تھی۔ تیسری تصریح یہ کہ لوگوں نے کہا۔ اسے چھوڑ دو۔ اپنے باپ کے پیچھے چلی جائے۔ یعنی وہ بھی جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی رقیہ کے حقیقی باپ ہیں۔ پھر یہ واقعی اپنے والد کے پاس آئیں۔ اب یہی رقیہ ہیں۔ کہ جن کی شادی حضرت عثمان سے ہوتی ہے۔ اور یہی ہیں وہ کہ جن کا غزوۂ بدر کے دوران انتقال ہوا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ سیدہ رقیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی صاحبزادی تھیں۔ اس لیے حضرت عثمان غنی آپ کے داماد قرار پائے۔ اور یہ بھی کہ بوقتِ غزوۂ بدر یہ بیمار تھیں۔ جن کی تیمارداری کے لیے حضرت عثمان پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ کوئی بہانہ نہ تھا۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

حوالہ ناسخ التواریخ

از برائے من مفاخر چند است کہ از برائے تو نیست۔ در غزوۂ بدر، حاضر بودم و تو نہ بودی۔ و در بیعت الرضوان حاضر بودم و تو نبودی و در غزوۂ احد من کار بصبر کردم و تو بگریختی۔ عثمان گفت روز بدر دختر رسولِ خدا مریض بود و پیغمبر مرا بدو فرستاد و بشارت داد کہ با اجر شما از ثواب و سہم شما از غنائم شریک باشم و در بیعت الرضوان پیغمبر

مرا بسوئے قریش فرستاد و بجائے بیعت من دست راست خود را بر دستِ چپ زد۔ اما فرار من در احد خدا وند از من عفو کرد و معلوم نیست گناہانِ تو معفو باشد۔

(ناسخ التواریخ۔ تاریخ خلفاء جلد سوم
ص ۹۳ تذکرہ بخصومت انجامیدنی کار
عثمان بعبدالرحمٰن بن عوف۔ مطبوعہ تہران
طبع جدید)

ترجمہ:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا۔ اے عثمان! مجھ میں چند قابل فخر باتیں ہیں۔ جن سے تم محروم ہو۔ بیعت الرضوان کے وقت میں موجود تھا۔ اور تم غیر حاضر تھے۔ غزوۂ بدر میں تم موجود نہ تھے میں تھا۔ اور غزوۂ احد میں میں نے ثابت قدمی دکھائی۔ اور تم بھاگ گئے تھے۔ حضرت عثمان نے کہا۔ غزوۂ بدر میں میری عدمِ شرکت کی وجہ یہ تھی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی رقیہ گھر میں بیمار تھی۔ اور آپ نے مجھے اس کی تیمارداری کے لیے پیچھے رہنے کو فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ تمہارا ثواب اور مالِ غنیمت کا حصّہ دوسروں کے برابر تمہیں ملے گا۔ اور بیعت الرضوان میں وجہ یہ تھی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قریش کی طرف بھیجا ہوا تھا۔ اور بوقت بیعت آپ نے میری طرف سے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر میری بیعت فرمائی تھی۔ رہا غزوۂ احد میں میرا بھاگ جانا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ سمیت بھاگنے والوں کی غلطیاں معاف

کر دی ہیں۔ اور تمہارے بارے میں معلوم نہیں۔ کہ تمہارے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں یا نہیں۔ ؟

توضیح

حوالہ مذکورہ میں بھی اس امر کی تصریح ہے۔ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم شریف سے شریک نہ ہوئے تھے۔ اسی لیے آپ نے انہیں شرکت کرنے والوں کے برابر ثواب و مال غنیمت میں شریک فرمایا۔ اور یہ حکم اس لیے دیا گیا تھا۔ کہ "رقیہ دختر رسول مریض بود"، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی رقیہ بیمار تھیں۔ تو معلوم ہوا۔ کہ حضرت عثمان نے نہ بہانہ بنایا تھا۔ اور نہ ہی وہ پیچھے اپنی مرضی سے رہے۔ بلکہ یہ سب کچھ انہوں نے اتباعِ رسول میں کیا۔ نیز یہ بھی واضح ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک صاحبزادی سیدہ فاطمہ کے سوا آپ کی دوسری صاحبزادیوں کا انکار کرنے والے گستاخانِ رسول ہیں۔

نبی علیہ السلام کی چار بیٹیاں اور اُن کا سن وصال

حوالہ بحار الانوار

قَالَ فِي الْمُنْتَقٰى وَلَدَتْ خَدِيْجَةُ لَهُ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْنَبَ، رُقَيَّةَ وَاُمَّ كُلْثُوْمٍ وَ
فَاطِمَةَ وَالْقَاسِمَ ثُمَّ اُمَّ كُلْثُوْمٍ ثُمَّ فَاطِمَةُ
اَنَّ الذُّكُوْرَ مِنْ اَوْلَادِهٖ ثَلَاثَةٌ وَالْبَنَاتِ اَرْبَعٌ
اَوَّلُهُنَّ زَيْنَبُ ثُمَّ الْقَاسِمُ ثُمَّ اُمَّ كُلْثُوْمٍ ثُمَّ فَاطِمَةَ
ثُمَّ رُقَيَّةُ ثُمَّ اُمَّ كُلْثُوْمٍ ثُمَّ فَاطِمَةُ وَاَمَّا بَنَاتُهٗ
فَزَيْنَبُ كَانَتْ زَوْجَةَ اَبِي الْعَاصِ وَاِسْمُهُ الْقَاسِمُ
اِبْنُ رُبَيْعٍ وَكَانَ لَهَا مِنْهُ اِبْنَةٌ اِسْمُهَا اُمَامَةٌ
فَتَزَوَّجَهَا الْمُغِيْرَةُ بْنُ نَوْفَلٍ ثُمَّ فَارَقَهَا وَ
تَزَوَّجَهَا عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْدَ وَفَاتِ فَاطِمَةَ
عَلَيْهَا السَّلَامُ وَكَانَتْ اَوْصَتْ بِذَالِكَ قَبْلَ مَوْتِهَا
وَتُوُفِّيَتْ زَيْنَبُ سَنَةَ ثَمَانٍ مِنَ الْهِجْرَةِ وَقِيْلَ
اِنَّهَا وَلَدَتْ عَنْ اَبِي الْعَاصِ اِبْنًا اِسْمُهٗ عَلِيٌّ وَمَاتَ
فِيْ وِلَايَةِ عُمَرَ وَمَاتَ اَبُوا الْعَاصِ فِيْ وِلَايَةِ عُثْمَانَ
وَتُوُفِّيَتْ اُمَامَةُ سَنَةَ خَمْسِيْنَ - وَرُقَيَّةُ كَانَتْ

زَوْجَةَ عُتْبَہ بْنِ اَبِیْ لَھَبٍ وَطَلَّقَھَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِاَمْرِ اَبِیْہِ وَ تَزَوَّجَھَا عُثْمَانُ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ فَوَلَدَتْ لَہٗ اِبْنًا سَمَّاہُ عَبْدَ اللّٰہِ وَبِہٖ کَانَ یُکْنٰی وَھَاجَرَتْ مَعَ عُثْمَانَ اِلَی الْحَبْشَۃِ ثُمَّ ھَجَرَتْ مَعَہٗ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ وَتُوُفِّیَتْ رُقَیَّۃُ سَنَۃَ اِثْنَتَیْنِ مِنَ الْھِجْرَۃِ وَالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ غَزْوَۃِ بَدْرٍ وَتُوُفِّیَ اِبْنُھَا سَنَۃَ اَرْبَعٍ وَلَہٗ سِتُّ سِنِیْنَ وَیُقَالُ نَقَرَہُ دِیْکٌ عَلٰی عَیْنَیْہِ. فَمَاتَ وَاُمُّ کُلْثُوْمٍ تَزَوَّجَھَا عُتَیْبَہُ بْنُ اَبِیْ لَھَبٍ وَفَارَقَھَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ وَتَزَوَّجَھَا عُثْمَانُ بَعْدَ رُقَیَّۃَ سَنَۃَ ثَلَاثٍ وَتُوُفِّیَتْھَا فِیْ شَعْبَانَ سَنَۃَ سَبْعٍ وَفَاطِمَۃُ صَلٰوۃُ اللّٰہِ عَلَیْھَا تَزَوَّجَ عَلِیٌّ سَنَۃَ اِثْنَیْنِ مِنَ الْھِجْرَۃِ۔

(بحار الانوار جلد ۲۲ ص ۱۶۶-۱۶۷

باب عدد اولادہ علیہ السلام الخ۔

مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:

المنتقی میں ہے۔ کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سات بچے پیدا ہوئے۔ زینب، رقیہ ام کلثوم، فاطمہ، القاسم جن کے نام کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت تھی۔ الطاہر اور الطیب۔ تین لڑکے اور چار صاحبزادیاں

تھیں۔ان صاحبزادیوں میں سے پہلی زینب ہیں۔ان سے چھوٹے القاسم پھر ام کلثوم پھر فاطمہ پھر رقیہ پھر عبداللہ جو الطیب والطاہر بھی کہلاتے ہیں پھر ابراہیم۔یہ بھی کہا گیا ہے۔کہ ان میں سے سب سے پہلے پیدا ہونے والے القاسم تھے۔پھر زینب، پھر عبداللہ، پھر رقیہ، پھر ام کلثوم اور آخر میں فاطمہ۔آپ کی صاحبزادی سیدہ زینب یہ ابوالعاص کی بیوی تھیں۔جس کا نام قاسم ابن ربیع تھا۔ان کے ہاں اس کی ایک بچی پیدا ہوئی۔جس کا نام اُمامہ تھا اس کی شادی مغیرہ بن نوفل سے ہوئی۔پھر دونوں میں جدائی ہونے پر حضرت علی المرتضیٰ کے عقد میں آئیں۔یہ نکاح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد بموجب ان کی وصیت کے ہوا تھا۔سیدہ زینب کا انتقال آٹھ ہجری میں ہوا تھا۔ کہا گیا ہے۔کہ ان کے ہاں ابوالعاص سے ایک بچہ مسمّٰی علی بھی پیدا ہوا تھا۔جو حضرت عمر کی خلافت میں فوت ہوا۔ابوالعاص کی موت خلافتِ عثمان میں ہوئی تھی۔امامہ کا انتقال پچاس[۵۰] ہجری میں ہوا تھا۔دوسری صاحبزادی رقیہ عتبہ بن ابی لہب کی زوجیت میں تھیں۔دخول سے قبل اپنے باپ کے کہنے پر اس نے انہیں طلاق دے دی تھی۔اور جاہلیت میں اُن کی شادی پھر عثمان غنی سے ہو گئی۔ان کا ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ تھا۔اور عثمان اسی کی نسبت سے اپنی کنیت رکھتے ہیں۔رقیہ نے عثمان کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر مدینہ بھی دونوں اکٹھے ہی آئے۔رقیہ کا سنِ انتقال دو[۲] ہجری ہے

یہ اس وقت ہوا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر میں مصروف تھے۔ ان کے بیٹے کا انتقال سات سال کی عمر میں سن چار ہجری میں ہوا۔ یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ ایک مُرغ نے اُن کی آنکھوں میں چونک ماری تھی۔ جس سے ان کا انتقال ہوا تھا۔ تیسری صاحبزادی ام کلثوم ہیں۔ ان کی شادی عتیبہ بن ابی لہب سے ہوئی اور دخول سے قبل ہی طلاق ہو گئی تھی۔ پھر حضرت عثمان سے رقیہ کے انتقال کے بعد ان کی شادی ہوئی۔ سن سات ہجری میں شعبان کے مہینہ میں ان کا انتقال ہوا۔ چوتھی صاحبزادی حضرت فاطمہ ہیں۔ جو حضرت علی المرتضےٰ کے عقد میں تھیں ان کا نکاح دو ہجری میں ہوا تھا۔

حوالہ مذکورہ سے تین امور ثابت ہوئے

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں ان میں سے جناب ابراہیم کو چھوڑ کر بقیہ چھ حضرت خدیجۃ الکبرٰی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ آپ کی صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں۔ زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ

۲۔ حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے سیدہ خاتون جنت کے انتقال کے بعد ان کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے اِن کی بھانجی سے شادی کی تھی۔ جن کی والدہ کا نام زینب تھا۔ اور بھانجی کا نام اُمامہ تھا۔

سیدہ زینب کا انتقال آٹھ ہجری، رقیہ کا دو ہجری اور

ام کلثوم کا سات ہجری میں ہوا۔

قابلِ غور

شیعہ برادری کے بہت بڑے مجتہد نے المنتقی سے اولادِ رسول کی تعداد اور ان کی ترتیب پیدائش ذکر کی۔ اولادِ رسول میں سے چار صاحبزادیوں کے نام اور اُن کا سنِ وصال وغیرہ ذکر کیا۔ اس سے ایک بات جو ہمارا موضوع ہے۔ وُہ کُھلے الفاظ سے ثابت ہوئی۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں چار تھیں۔ اب "آل رسول" کے جھوٹے محب اور نام نہاد محبانِ علی جو یہ کہتے پھرتے ہیں۔ کہ آپ کی صرف ایک صاحبزادی تھی۔ کون سا منہ کل قیامت کو حضور کو دکھائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار صاحبزادیاں عطا فرمائیں اور یہ بغض وحسد کے یہودی پودے تین کا انکار کر کے کس کا دل دُکھا رہے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صاحبزادیوں زینب، ام کلثوم اور رقیہ کے سنِ وصال جو بالترتیب آٹھ، سات اور دو ہجری ہیں۔ سے اہل تشیع کا ایک پرانا اور دقیانوسی سوال خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ وہ یہ کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واقعی چار صاحبزادیاں تھیں۔ تو نجران کے عیسائیوں سے مباہلہ کے وقت صرف ایک یعنی حضرت فاطمہ کو کیوں لیا گیا۔ دوسری تین کو چھوڑنا اس امر کی دلیل ہے۔ کہ وہ آپ کی حقیقی صاحبزادیاں نہ تھیں۔ جن لوگوں کو تاریخ وسیرت کی کتب سے تعلق ہے۔ وہ سب جانتے ہیں۔ کہ واقعہ مباہلہ ۹ یا ۱۰ ہجری میں رونما ہوا تھا۔ اب جو صاحبزادیاں اس سے کہیں پہلے انتقال کر چکی تھیں۔ اُن کو مباہلہ میں شریک کرنے کا کیا طریقہ ہو سکتا تھا۔

اسی حوالہ سے یہ بھی ثابت ہوا۔ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو دو مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا شرف عطا ہوا۔ سیدہ رقیہ اور اور سیدہ ام کلثوم یکے بعد دیگرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زوجیت میں دیں۔

نبی علیہ السلام کی چار بیٹیاں اور اُن سب کا اسلام قبول کرنا

حوالہ نمبر ۱: اعیان الشیعہ

وفی مجمع المجرمین کان لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من خدیجۃ اربع بنات کلھن ادرکن الاسلام وھاجرن وھن زینب وفاطمۃ ورقیۃ وام کلثوم وقال الطبرسی فی اعلام الوری وغیرہ ان ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تزوجھا عثمان بعد اختھا رقیۃ وتوفیت عندہ ومثلہ عن ربیع الشیعۃ لابن طاؤس وفی الطبقات الکبیر لابن سعد ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامھا خدیجۃ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی تزوجھا عتیبۃ بن ابی لھب بن عبد المطلب

قبل النبوة فلمّا بعث رسول الله صلى الله
عليه وسلم وانزل الله تبت يدا ابي لهب
قال له ابوه ابو لهب لرأسي من رأسك حرام
ان لم يطلق ابنته وفارقها ولم يكن دخل
بها فلم تزل بمكّة مع رسول الله صلى الله
عليه وسلم واسلمت حين اسلمت امها
وبايعت رسول الله صلى الله عليه وسلم
مع اخواتها حين بايعه النساء وهاجرت
الى المدينة حين هاجر رسول الله صلّى الله
عليه وسلم وخرجت مع عيال رسول الله
صلّى الله عليه وسلّم الى المدينة فلم
تزل بها فلمّا توفيت رقيّة بنت رسول الله
صلّى الله عليه وسلّم خلف عثمان بن عفان
على ام كلثوم بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم
وكانت بكرا وذالك فى شهر ربيع الاوّل سنة
ثلاث من الهجرة وادخلت عليه فى هذه السنة
فى جمادى الاخرة فلم تزل عنده الى ان ماتت
ولم تلد له شيئًا .... ثم ان الروايات
من الفريقين متفقة على ان عثمان زوّج
ام كلثوم بعد رقيّة ولكن فى تكملة الرّجال
عن قرب الاسناد بعبد الله بن جعفر الحميرى

عن هارون بن مسلم عن مسعدة بن صدقة قال حدثني جعفر بن محمد عن ابيه قال ولد لرسول الله صلى الله عليه وسلم من خديجة القاسم والطاهر وام كلثوم ورقية وفاطمة وزينب۔ فزوّج عليًا فاطمة وتزوّج ابو العاص ابن ربيع وهو من بني امية زينب وتزوّج عثمان بن عفان ام كلثوم ولم يدخل بها حتى هلكت وزوّجه مكانها رقية۔

(اعیان الشیعہ جلد سوم ص ۴۸۷
تذکرہ ام کلثوم بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:
مجمع البحرین میں لکھا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہ کے بطن سے چار بیٹیاں تھیں۔ ان چاروں نے اسلام قبول کیا۔ اور ہجرت بھی کی۔ ان کے نام یہ ہیں۔ زینب، فاطمہ، رقیہ اور ام کلثوم۔ اعلام الوراء وغیرہ میں طبرسی نے لکھا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ام کلثوم سے حضرت عثمان نے شادی کی جبکہ ان کی ہمشیرہ رقیہ کا انتقال ہو گیا تھا ان کا عثمان غنی کے ہاں ہی انتقال ہو تھا۔ اسی طرح کی، روایت ابن طاؤس سے ربیع الشیعہ نے بھی ذکر کی۔

طبقات ابن سعد میں ہے۔ کہ حضرت خدیجہ کے ہاں پیدا ہونے والی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ام کلثوم کی اعلان نبوّت سے قبل ابولہب کے بیٹے عتیبہ سے شادی ہوئی تھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے "تبت ید ا ابی لھب" سورہ نازل فرمائی۔ تو ابولہب نے اپنے بیٹے سے کہا۔ اگر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کو طلاق نہیں دے گا۔ تو میرا تیرا کوئی رشتہ نہیں رہے گا۔ باپ کے کہنے پر عتیبہ نے ام کلثوم کو طلاق دے دی۔ اور یہ طلاق دخول سے قبل ہی ہوگئی۔ طلاق ملنے کے بعد ام کلثوم مکّہ میں ہی رہیں۔ اور اپنی والدہ کے اسلام لانے کے ساتھ یہ بھی اسلام لے آئیں۔ اور اپنی بہنوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت بیعت کی جب عورتوں نے بیعت کی تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ تو ام کلثوم نے بھی ہجرت کی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کنبہ کے ساتھ یہ بھی روانہ ہوگئیں۔ مدینہ میں ٹھہری رہیں جب ان کی ہمشیرہ رقیہ کا انتقال ہوا۔ جو حضرت عثمان کی زوجیت میں تھیں۔ تو اس کے بعد حضرت عثمان نے ان سے شادی کر لی تھی۔ یہ بھی کنواری تھیں۔ سن تین ہجری ماہ ربیع الاوّل میں شادی ہوئی۔ اور اسی سال جمادی الاخرہ میں ان سے صحبت ہوئی۔ ام کلثوم اب حضرت عثمان کی بیوی بن کر زندگی بسر کرنے لگیں۔ حتیٰ کہ ان کی موت اسی حالت میں ہوگئی۔ اور کوئی اولاد نہ ہوئی۔

پھر دونوں طرف کی روایات اس پر متفق ہیں۔ کہ حضرت عثمان غنی نے رقیہ کے انتقال کے بعد ام کلثوم سے شادی کی۔ لیکن تکملۃ الرجال اسناد کے ساتھ امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حضرت خدیجہ سے قاسم، طاہر، ام کلثوم، رقیہ، فاطمہ اور زینب نامی بچے پیدا ہوئے۔ حضرت علی المرتضیٰ نے سیدہ فاطمہ سے شادی کی۔ ابوالعاص بن ربیع جو بنی تیم میں سے تھا۔ اس نے زینب سے نکاح کیا۔ اور عثمان بن عفان نے ام کلثوم سے عقد کیا۔ لیکن وطی سے قبل ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ پھر ان کی جگہ ان کی ہمشیرہ رقیہ سے آپ نے شادی کی۔

حاصل کلام

اعیان الشیعہ جو اہل تشیع کی مایۂ ناز کتب میں شمار ہوتی ہے۔ جس کی بڑی بڑی دس مجلدات ہیں۔ اور اس کے علاوہ دیگر مستند اور معتبر کتب اہل تشیع سے ہم نے درجنوں حوالہ جات سے یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک صاحبزادی نہ تھی۔ بلکہ چار تھیں۔ اور اعیان الشیعہ کے بقول شیعہ سُنی دونوں فریق اس پر متفق ہیں۔ کہ ان چار صاحبزادیوں میں سے دو کا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے عقد ہوا تھا۔ صرف ایک تکملۃ الرجال میں کچھ غلط فہمی تحریر میں آ گئی۔ وہ بھی اس بارے میں کہ ان دونوں صاحبزادیوں میں سے کس سے پہلے نکاح ہوا۔ تو صاحب تکملہ نے انہیں ام کلثوم لکھا۔ اور ان کے انتقال کے بعد رقیہ سے شادی کرنا لکھی۔ لیکن صاحب اعیان الشیعہ نے اسے دونوں مکتبۂ فکر کے نزدیک غیر متفقہ بات کہا۔ صاحب تکملہ کا

اوّل وثانی عقد میں اختلاف ہے۔ لیکن دونوں صاحبزادیوں کے بارے میں یہ اختلاف نہیں۔ کہ وہ حضور کی صاحبزادیاں تھیں۔ یا ان سے عثمان غنی کا نکاح ہوا تھا۔ ان دونوں باتوں کو وہ بھی تسلیم کرتا ہے۔ اب جبکہ درجنوں حوالہ جات سے یہ امر متحقق ہو گیا، کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں ہیں۔ تو پھر صرف ایک کے صاحبزادی ہونے پر اصرار اور تین کا انکار کس بنا پر؟ معلوم یہ ہوتا ہے۔ بلکہ حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ سیدہ رقیہ اور ام کلثوم کا بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونا تو شاید ظالموں کو گوارا ہوتا۔ لیکن ان کی شادی کی وجہ سے ان کے خاوند حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دامادِ رسول تسلیم کرنا کڑوا گھونٹ ہے۔ جو شیعہ برادری کے گلے سے نیچے نہیں اترتا۔ اور ذوالنورین کا لقب انہیں ڈستا ہے۔ کیونکہ اس میں عثمان غنی کی فضیلت ہے اور فضیلت عثمان غنی انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ اور کسی امتی کے نکاح میں نبی کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آئی ہوں۔ یہ شرف صرف اور صرف حضرت عثمان غنی ذوالنورین کو حاصل ہے اور اس سے بڑھ کر ان کے لیے اعزاز اور کیا ہو گا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی کے انتقال کے بعد فرمایا تھا۔ اگر میری تیسری صاحبزادی ہوتی۔ تو وہ بھی میں آج عثمان کے عقد میں دے دیتا۔ آخر میں ہم اہل تشیع کو قبولِ حق کی دعوت دیتے ہیں۔ اور وہ بھی ان کی کتب کے حوالہ جات سے۔ اللہ تعالیٰ حق بین عقل عطا فرمائے۔ اور پھر اسے قبول کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے

واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم

ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحقیقی بیان

شیخ الاسلام والمسلمین حجۃ العلماء والمحققین

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب خلف الرشید شیخ العرب والعجم قبلہ
مولانا ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدفون جنت البقیع
(مدینہ منورہ) خلیفہ مجاز امام اہل سنت اعلیٰ حضرت
مولانا احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم۔ اَمَّا بعد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے فضائل ومناقب میں بہت سی آیات قرآن کریم میں وارد ہوئیں۔ انہیں علی الاطلاق جنتی کہا گیا، "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ" سے اُن کے مقام ومرتبہ کو بیان کیا گیا۔ ان حضرات میں سے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ لیکن بدقسمتی سے اہل تشیع کی نظر میں آپ مسلمان تک نہیں۔ صرف آپ ہی نہیں بلکہ ان کے عقیدۂ فاسدہ باطلہ کے مطابق سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد صرف تین صحابی اسلام پر قائم رہے۔ اِن کے سواء باقی تمام (معاذ اللہ) مرتد ہو گئے۔ (رجال کشی ص ۱۲) گزشتہ ادوار میں

امیر معاویہ کے متعلق اس نظریہ پر ان اہل تشیع کی کسی نے تائید نہ کی لیکن اس دور میں کچھ دیوبندی اور بعض سنی نما مولوی اور پیر بھی ان کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے اہل تشیع کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ بایں وجہ میرے ایمان نے اس کو گوارا نہ کرتے ہوئے مجھے اس پر ابھارا۔ کہ کتب اہل سنت سے حضرات صحابہ کرام کا مقام و مرتبہ واضح کروں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان سے بغض و حسد اور عداوت رکھنے والے کا حشر بھی سپرد قلم کروں۔ اور پھر کتب سے چند ایسے حوالہ جات بھی درج کروں۔ جو اس بات کو واضح کرتے ہوں۔ کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تعلقات کیسے تھے اور امیر معاویہ نے ان حضرات کی خدمت کرنے میں کیا رویہ اپنایا۔؟ تاکہ شیعہ لوگ امیر معاویہ کی ذات پر لعن طعن کرنے سے باز رہیں۔

اہل سنت و جماعت کا شروع سے ہی یہ عقیدہ چلا آرہا ہے۔ کہ اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہیں۔ اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے صحابیٔ رسول سمجھتے ہیں۔ ان کے کامل الایمان ہونے کے جہاں اور بہت سے شواہد ہیں۔ وہاں ان کی حقیقی ہمشیرہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آکر ام المومنین کا منصب جلیل حاصل کرنا بھی ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرات حسنین کریمین کے مابین عداوت و مخاصمت کے فرضی قصہ جات کے سہارے جو شخص حضرت امیر معاویہ پر لعن طعن کرتا ہے۔ وہ شخص ہمارے معتقدات کے پیش نظر

دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ اہل سنّت کی مشہور و معروف کتب میں فضائل و مناقب امیر معاویہ پر کئی دفتر لکھے گئے ہیں۔ اور حسنین کریمین کے ساتھ اِن کے خوشگوار تعلقات کے بیسیوں مستند واقعات درج ہیں۔ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عنانِ خلافت سنبھالی۔ تو انہی خوشگوار تعلقات کی بنا پر حسنین کریمین نے اِن کی بلاخوف واکراہ بعیت کی تھی۔ اور تا زندگی اس بات پر قائم رہے یہ حقیقت ان لوگوں کی کتابوں میں موجود ہے۔ جو رات دِن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نقائص اور حسنین کریمین کے ساتھ ان کی دشمنی کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔

حوالہ ملاحظہ ہو۔

رجال کشی

محمد بن راشد قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَقُوْلُ اِنَّ مُعَاوِیَۃَ کَتَبَ اِلَی الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْہِمَا اَنْ اَقْدِمْ اَنْتَ وَالْحُسَیْنُ وَاَصْحَابُ عَلِیٍّ فَخَرَجَ مَعَھُمْ قَیْسُ بْنُ سَعْدِ ابْنِ عُبَادَۃَ الْاَنْصَارِیُّ وَقَدِمُوا الشَّامَ فَاَذِنَ لَھُمْ مُعَاوِیَۃُ وَاَعَدَّ لَھُمُ الْخُطَبَاءَ فَقَالَ یَا حَسَنُ قُمْ فَبَایِعْ فَقَامَ فَبَایَعَ ثُمَّ قَالَ لِلْحُسَیْنِ قُمْ فَبَایِعْ فَقَامَ فَبَایَعَ ثُمَّ قَالَ یَا قَیْسُ قُمْ فَبَایِعْ فَالْتَفَتَ اِلَی الْحُسَیْنِ یَنْظُرُ مَا یَاْمُرُہٗ فَقَالَ یَا قَیْسُ اِنَّہٗ اِمَامِیْ یَعْنِی الْحَسَنَ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔

(رجال کشی ص ۱۰۲ تذکرہ قیس بن سعد بن عبادہ مطبوعہ کربلا طبع جدید)

ترجمہ:

محمد بن راشد کہتا ہے۔ کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق کو یہ فرماتے سُنا۔ کہ امیر معاویہؓ نے امام حسنؓ کی طرف رقعہ لکھا۔ کہ تم اور تمہارا بھائی بمعہ اصحابِ علی میرے پاس آؤ۔ جب یہ چلے تو ان کے ساتھ قیس بن سعد بن عبادہ انصاری بھی ہو لیے۔ جب یہ حضرات شام پہنچے۔ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انہیں ملاقات کی اجازت دی۔ اور ان کے لیے خطیب بھی مقرر کیئے۔ امیر معاویہ نے امام حسن سے کہا اٹھیئے اور میری بیعت کیجئے۔ یہ اُٹھے اور بیعت کر لی۔ پھر امیر معاویہ نے امام حسین کو بیعت کرنے کا کہا۔ انہوں نے بھی بیعت کر لی۔ پھر قیس بن سعد انصاری کو کہا۔ تم بھی اٹھو اور میری بیعت کرو۔ یہ سُن کر انہوں نے امام حسین کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ تاکہ ان کا حکم و ارادہ معلوم کر سکیں۔ اس پر امام حسین نے فرمایا۔ اے قیس! امام حسن رضی اللہ عنہ ہمارے امام ہیں۔ لہٰذا جب انہوں نے بیعت کر لی ہے۔ تو پھر پس و پیش کیوں کر رہے ہو؟

کچھ شر پسندوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تک یہ خبر پہنچائی۔ کہ امام حسین آپ سے متنفر ہیں۔ اور وہ چاہتے ہیں۔ کہ بیعت توڑ ڈالیں۔ یہ سُن کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی تحقیق کی خاطر آپ کی طرف سے جواب پوچھا۔ امام موصوف نے فرمایا۔

مقتل ابی مخنف

كَتَبَ الحُسَيْنُ كِتَابًا يَقُولُ فِيهِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ وَ صَلَنِیْ کِتَابُكَ وَفَهِمْتُ مَا ذَکَرْتَ وَ مَعَاذَ اللّٰہِ اَنْ اَنْقُضَ عَهْدًا عَهِدَهٗ اِلَیْکَ اَخِی الْحَسَنُ وَ اَمَّا مَا ذَکَرْتَ مِنَ الْکَلَامِ فَاِنَّهٗ اَوْصَلَهٗ اِلَیْكَ اَنُوْشَاتُ الْمَلِکُوْنَ بِاَنَّمَا هُمُ الْمُفَرِّقُوْنَ بَیْنَ الْجَمَاعَاتِ فَاِنَّهُمْ وَ اللّٰہِ یَکْذِبُوْنَ فَلَمَّا وَصَلَ الْکِتَابُ اِلٰی مُعَاوِیَةَ بْنِ اَبِیْ سُفْیَان اَمْسَكَ عَنْهُ وَلَمْ یُجِبْهُ وَاَوْصَلَهٗ وَلَمْ یَقْطَعْ صِلَتَهٗ

(مقتل ابی مخنف ص ۶ مقدمہ)

ترجمہ:

امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ کے جواب میں لکھا۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اما بعد۔ مجھے آپ کا مکتوب ملا۔ اور اس کی تحریر سمجھی۔ خدا کی پناہ! میں وہ عہد توڑوں جو میرے بھائی حسن نے آپ سے کر رکھا ہے؟ باقی جو باتیں آپ نے ذکر فرمائیں۔ انہیں آپ کی طرف پہنچانے والے چغل خور ہیں۔ غیبت کے خوگر ہیں۔ اور مسلمانوں کی جمعیت کے ٹکڑے کرنے کے خواہاں ہیں۔ خدا کی قسم! وہ جھوٹ بکتے ہیں۔ یہ رقعہ جب امیر معاویہ کے پاس پہنچا۔ تو انہوں نے اس پر اطمینان کا اظہار کیا۔ اور مزید کوئی خط نہ لکھا۔ اور نہ ہی امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسنِ سلوک اور صلہ رحمی میں کوئی فرق آنے دیا۔

اسی طرح موقعہ پرست اور مسلمانوں کے افراق کے خواہاں شرپسندوں نے ایک مرتبہ حجر بن عدی کے ساتھ مل کر امام حسین رضی اللہ عنہ سے جب یہ خواہش ظاہر کی۔ کہ امیر معاویہ اور امام حسن کے مابین طے پایا جانے والا معاملہ آپ چھوڑ دیں۔ اور دستبرداری کا اعلان فرما دیں۔ ہم تمام شیعیانِ کوفہ کو ساتھ لے کر امیر معاویہ کا مقابلہ کریں گے۔ اس انگیخت پر جو امام حسین رضی اللہ عنہ کا جواب تھا۔ وہ بھی خود ان لوگوں کی کتابوں سے سنیئے۔

الاخبار الطوال

فَقَالَ الْحُسَيْنُ اِنَّ قَدْ بَايَعْنَا وَعَهِدْنَا وَلَا سَبِيْلَ اِلٰى نَقْضِ بَيْعَتِنَا۔

(الاخبار الطوال ص ۲۲۰ مطبوعہ بغداد)

ترجمہ:

امام عالی مقام نے ان سے کہا۔ ہم نے یقیناً امیر معاویہ کی بیعت کی ہے۔ اور اُن سے عہد و پیمان کیا ہوا ہے، ہماری بیعت توڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

"رجال کشی" کے حوالہ سے صاف عیاں ہے کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت بخوشی کی۔ اور مدینہ منورہ سے ان کی شام روانگی بھی اپنی صوابدید کے مطابق تھی۔ انہیں جبراً نہ منگوایا گیا۔ اور نہ ہی جبراً ان سے بیعت لی گئی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جب ان کے ساتھی قیس بن سعد نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف اس خیال سے دیکھا۔ کہ شاید اشارۃً کنایۃً وہ بیعت کرنے سے منع کر دیں۔ تو اس کی بجائے

انہوں نے امام حسن کی امامت کی اقتداء کرنے کا حکم دیا۔ یہی بیعت قائم رہی۔ حتیٰ کہ کچھ لوگوں نے اِدھر اُدھر کی لگا کر اس یکجہتی کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ اور اپنی بھرپور معاونت کا یقین بھی دلایا۔ لیکن پھر بھی امام عالی مقام نے ان کی ایک بھی نہ سُنی۔ اگر بطور تقیہ یا جبر و اکراہ کی صورت میں بیعت ہوئی ہوتی۔ تو ایسے لوگوں کو وہ جواب نہ دیا جاتا۔ جو بحوالہ مقتل اور اخبار الطوال ذکر ہوا۔ ایک طرف ان حضرات کی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ قلبی یگانگت اور دوسری طرف امیر معاویہ رض کا ان کا تہِ دل سے خیال رکھنا اس کا شاہد ہے۔ کہ ان حضرات کے مابین مخاصمت و عداوت کے قصہ جات فرضی اور من گھڑت ہیں بھلا کوئی دشمنوں کی مالی مدد کیا کرتا ہے۔

مقتل ابی مخنف

وَكَانَ يَبْعَثُ إِلَيْهِ فِي كُلِّ سَنَةٍ أَلْفَ أَلْفِ دِينَارٍ سِوَى الْهَدَايَا مِنْ كُلِّ صِنْفٍ۔

(مقتل ابی مخنف ص ۷، مقدمہ مطبوعہ
مطبع حیدریہ نجف اشرف)

ترجمہ:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہر سال امام حسن رضی اللہ عنہ کی طرف دس لاکھ دینار بھیجا کرتے تھے۔ یہ خطیر رقم ان مختلف تحفہ جات کے علاوہ ہوتی۔ جو امام موصوف کو امیر معاویہ کی طرف سے ہر قسم کی اجناس سے ملا کرتے تھے۔

جلاء العیون

صادق علیہ السلام سے روایت ہے۔ کہ ایک روز امام حسن نے امام حسین و عبداللہ بن جعفر سے فرمایا۔ خرچ معاویہ کی جانب سے تم کو پہلی تاریخ کو پہنچے گا۔ جب پہلی تاریخ ہوئی۔ حضرت نے جس طرح فرمایا تھا اسی طرح خرچ پہنچا۔ اور امام حسن بہت قرض دار تھے۔ جو کچھ حضرت کے لیے اس نے بھیجا۔ اس سے اپنا قرض ادا کیا۔ اور باقی اہل بیت اور اپنے شیعوں پر تقسیم کر دیا۔ اور امام حسین نے بھی اپنا قرض ادا کیا اور جو کچھ باقی رہا اس کے تین حصے کیے ایک حصہ اپنے اہل بیت کو اور شیعوں کو دیا۔ اور دو حصے اپنے عیال کے لیے بھیجے اور عبداللہ بن جعفر نے بھی اپنا قرض ادا کیا اور جو کچھ بچا وہ معاویہ کے ملازم کو بطور انعام دیا اور جب یہ خبر معاویہ کو پہنچی اس نے عبداللہ بن جعفر کے لیے بہت سا مال انعام بھیجا۔

(جلاء العیون مترجم جلد اول ص ۳۹۸
تذکرہ معجزہ ذخیرہ موافق ارشاد مطبوعہ لاہور)

ان دونوں حوالہ جات سے واضح طور پر ثابت ہوا۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہر سال مختلف تحفہ جات کے علاوہ اس قدر خطیر رقم حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو بھیجا کرتے تھے۔ جس کے یقینی ملنے پر یہ حضرات دورانِ سال قرضہ بھی لینا پڑے تو لے لیا کرتے تھے۔ کیونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے قطع رحمی کا انہیں کوئی خطرہ نہ تھا۔ اس حسنِ سلوک کو یہودی ذہن ایک آنکھ نہ دیکھ

سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے ہر موقعہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ لیکن ہر بار اسے مُنہ کی کھانی پڑی۔ جب حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے اپنی زندگی میں ایسے لوگوں کو ڈانٹ پلائی۔ اور ان کی باتوں میں پڑ کر بیعت توڑنے اور عہد شکنی کو خاندانِ نبوت پر ایک بدنما داغ سمجھا۔ تو اب اگر کوئی شخص ان حضرات کے مابین حسن معاشرت و اعلیٰ سلوک سے قطع نظر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں اِدھر اُدھر ہانکتا پھرے۔ تو وہ خود ہی اپنے گریبان میں مُنہ ڈال کر دیکھے اور سوچے کہ کیا اُس کے اس طور طریقہ کو حسنین کریمین رضی اللہ عنہما پسند کریں گے؟ حقیقت یہی ہے۔ کہ جس طرح یہ شاہزادے اپنے دور میں شاطر لوگوں سے ناخوش تھے۔ اسی طرح آج کے اُن نام نہاد "محبانِ اہلبیت" اور سُنیت کا لیبل لگانے والے لوگوں سے بھی وہ بَری ہیں۔ جو ان کے محسن اور خیر خواہ، جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حق و باطل کے مابین امتیاز کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سنی نما مولویوں اور پیروں کو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت وہ ہے۔ کہ ان کے صحابی ہونے میں متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے قطعًا اختلاف نہیں کیا۔ آپ بالاتفاق صحابیٔ رسول ہیں۔ اور صحابی وہ خوش قسمت شخص ہے۔ جسے نورِ ایمان کے ہوتے ہوئے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت حاصل ہوئی ہو۔ اور اسی کیفیت پر اُس کا دنیا سے رخصت ہونا واقع ہوا ہو۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ ہاں وہ وقت کون سا تھا۔ جب آپ نے دائرہ ایمان میں قدم رکھا؟ اس میں اقوال مختلف ہیں۔

کچھ حضرات فتح مکہ کے وقت ان کے ایمان لانے کا وقت بتلاتے ہیں۔ اور بعض عمرۃ القضاء میں ان کا ایمان لانا بیان کرتے ہیں۔ بہر حال وقت کوئی بھی ہو۔ آپ اسلام لائے۔ اور صحابئ رسول ہونے کا اعزاز پایا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام کے بدخواہوں کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

شفا شریف

وَمَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَا اللّٰهَ وَمَنْ اٰذَا اللّٰهَ یُوْشَكُ اَنْ یَأْخُذَهٗ۔

(شفا شریف ص ۲۶۶ مطبوعہ مصر طبع قدیم

ترجمہ:

حضرات صحابہ کرام کو اذیت پہنچانے والے نے مجھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی۔ اور مجھے اذیت دینا در اصل اللہ تعالیٰ کو اذیت دینا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچانے والا، قریب ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ اپنی گرفت میں لے لے

شفا شریف

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَمَنْ سَبَّهُمْ فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا ..... قَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَاِنَّہٗ یَجِیْئُ قَوْمٌ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ یَسُبُّوْنَھُمْ فَلَا تُصَلُّوْا عَلَیْھِمْ وَلَا تُصَلُّوْا مَعَھُمْ وَلَا تُنَاکِحُوْھُمْ وَلَا تُجَالِسُوْھُمْ وَاِنْ مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْھُمْ۔

(شفا شریف ص ۲۶۶ مطبوعہ مصر، طبع قدیم۔

ترجمہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو۔ جس نے انہیں گالیاں دیں اس پر اللہ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنتیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے فرض ونفل کوئی عبادت قبول نہیں کرے گا۔ آپ نے فرمایا۔ میرے صحابہ کو گالی مت دو یقیناً آخری زمانہ میں ایک قوم ایسی بھی آئے گی۔ جو صحابہ کرام کی شان میں بکے گی۔ لہٰذا تم نہ ان کی نماز جنازہ پڑھنا، نہ ان کے ساتھ نماز باجماعت میں کھڑے ہونا نہ ان سے بیاہ شادی کرنا نہ ان کے ساتھ نشست وبرخاست رکھنا اور اگر بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت بھی نہ کرنا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت اجماعی ہے۔ اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق کسی صحابی پر طعن وتشنیع دراصل اللہ اور اس کے رسول پر طعن وتشنیع کے مترادف ہے۔ ایسا شخص ملعون ہے اس کا ہر طرح بائیکاٹ کیا جانا چاہیئے۔ ایک طرف ایسے شخص کے لیے اس قدر وعیدات ہوں۔ اور

دوسری طرف وہ اپنے تئیں "اہلِ بیت کا سچا عاشق"، کہتا پھرے۔ اس کی مانی جائے گی یا محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ اہلِ بیت کا خادم اور غلام وہی ہوگا۔ جو ان کے نانا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و احکامات پر عمل پیرا ہوگا۔ اور جسے حسنین کریمین رضی عنہما کے نانا جان، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ملعون کہیں۔ اور ان ائمہ کے نزدیک بھی ملعون ہی ہے۔ وہ ان کا دشمن تو یقیناً ہوگا۔ لیکن ان کی محبت اور دوستی تو وہ اس کے قریب تک نہ پھٹک سکا۔ اللہ تعالیٰ اپنی، اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے نیک بندوں کی محبت والفت میں قائم رکھے۔ اسی پر خاتمہ فرمائے۔ اور اپنے محبوبوں کے ساتھ حشر ونشر فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ حبیبہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آقائی سیّدی و مرشدی قبلہ حضرت خواجہ

سیّد محمّد باقر علی شاہ صاحب

مدظلہ العالی زیب سجادہ آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف (گوجرانوالہ)

خلیفۂ مجاز شہنشاہ ولایت قبلہ سید نور الحسن شاہ صاحب علیہ الرحمۃ

کا

ایک نورانی، ایمانی اور محققانہ بیان

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّيۡ عَلٰى رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ

اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام اور اہل بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فضائل و مناقب عطا فرمائے۔ ان کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ اور ان میں جو باہم محبت و دوستی پیدا فرمائی۔ اس کا ادراک حقیقت ہم سے نہیں ہو سکتا۔ لیکن کچھ عقل و بصیرت سے اندھوں نے ان حضرات کے مابین ایسے فرضی واقعات تراشے۔ جن سے یہ ثابت کرنے کوشش کی گئی۔ کہ ان میں محبّت کی بجائے عداوت تھی۔ اور اس موضوع پر زیادہ تر واقعات سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کی باہم دشمنی

ثابت کرنے کے لیے گھڑے گئے۔ اور مائی صاحبہ اور حضرت خاتونِ جنت وحسنین کریمین رضی اللہ عنہم کے درمیان بغض وعداوت کی موضوع روایات ومن گھڑت احادیث کا سہارا لے کر اپنے مذموم مقاصد کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہے۔ کہ آپ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ ہیں۔ اس لیے مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کو ناراض کرنا دراصل محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرنا ہے۔ اور ان کی خوشی رسولِ خدا کی خوشی ہے۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ذات پر تبرّا بازی اور گستاخانہ رویہ اس قدر شدید گناہ ہے۔ کہ اہل تشیع کے نزدیک بھی ایسے شخص کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوتی۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

ہر گاہ کسے گناہے کند وازاں توبہ نماید توبہ او مقبول است مگر آں کسیکہ در امرِ عائشہ خوض کردہ وبراوانک کردہ ۔

ترجمہ:

جب بھی کوئی شخص کوئی گناہ کرتا ہے اور اُس سے توبہ کرلیتا ہے تو اس کی توبہ مقبول ہے۔ مگر وہ شخص جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں غور وخوض کرتا ہے اور اُن پر تہمت لگاتا ہے۔ (اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی)

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں دریدہ دہنی کرنے اور اس کے جواز کے لیے ایسے فرضی واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔ جن میں یہ مذکور

ہوتا ہے۔ کہ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حسنین کریمین
اور سیّدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہم کے ساتھ دوستانہ سلوک نہ تھا۔ بلکہ ان کو اپنا
دشمن سمجھتی تھیں۔ لہٰذا ان پاکیزہ شخصیات کے بارے میں جس کے دل میں کدورت و
عداوت ہو۔ اس پر لعن طعن کرنا چاہیئے۔

ان فرضی واقعات کا سہارا لے کر اپنی دنیا و آخرت برباد کرنا کوئی دانشمندی
نہیں۔ قرآن کریم نے اجمالی طور پر تمام صحابہ کرام کا باہم شیر و شکر ہونا اور ایک
دوسرے پر مہربان و متفق ہونا بالتصریح ذکر فرمایا۔ (رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ) اس
کی تفصیل اور تائید میں سینکڑوں واقعات مذکور ہیں۔ احادیث مقدسہ اور کتبِ
تاریخ ان کے باہم پیار و محبت کے مثالی رشتہ کو بیان کرتی ہیں۔ اور اس پر
مزید یہ کہ ان فرضی واقعات کا سہارا لینے والے بھی اپنی کتب میں ان حضرات
کے مابین سچّی اور سُچّی محبّت کے بہت سے واقعات درج کر چکے ہیں۔ اہلسنت
کی کتب سے اس کی تفصیل اور تائید کے لیے اگر حوالہ جات لکھنے شروع کر دیں۔
تو کئی مجلدات تیار ہو جائیں۔ لیکن بایں وجہ گستاخانِ سیّدہ عائشہ صدیقہ
رضی اللہ عنہا کو ان کتب کے حوالہ جات سے کوئی اثر نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی انہیں
پڑھ کر لوگ اپنی روش تبدیل کرنے پر آمادہ ہوں گے۔ فقیر نے چند حوالہ جات
ان کی مشہور و معروف کتابوں سے درج کر دینا مناسب سمجھا۔

کشف الغمہ:

لِلزَمَخْشَرِیِّ قَالَ جَمِیْعُ بْنُ عُمَیْرٍ دَخَلْتُ عَلٰی
عَائِشَۃَ فَقُلْتُ مَنْ کَانَ اَحَبَّ النَّاسِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَالَتْ فَاطِمَۃُ صَلَوَاتُ اللّٰہِ

عَلَیْهَا قُلْتُ لَهَا اِنَّمَا اَسْئَلُكِ عَنِ الرِّجَالِ قَالَتْ زَوْجُهَا وَمَا یَمْنَعُهٗ فَوَاللّٰهِ اِنَّهٗ كَانَ لَصَوَّامًا قَوَّامًا وَلَقَدْ سَالَتْ نَفْسُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ یَدِهٖ فَرَدَّهَا اِلٰى فِیْهِ۔

(کشف الغمہ جلد اول ص ۴۴۴ مطبوعہ تہران)

ترجمہ:

زمخشری سے منقول ہے۔ کہ جمیع بن عمیر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گئے۔ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے مائی صاحبہ سے پوچھا۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام لوگوں سے زیادہ پیارا کون تھا؟ فرمایا، سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا۔ میں نے عرض کیا۔ میں مردوں میں سے آپ کا محبوب ترین پوچھ رہا ہوں۔ فرمانے لگیں۔ وہ فاطمہ زہرا کے خاوند حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اس میں نہ ماننے والی اور تعجب والی بات کونسی ہے۔ خدا کی قسم! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ روزہ رکھنے والے اور شب بیدار تھے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خونِ اقدس ان کے ہاتھ پر گرا۔ تو انہوں نے اُسے نوش فرمالیا تھا۔

اس حوالہ کی روشنی میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں محبت بھرا عقیدہ چھلک رہا ہے۔ آپ مولائے کائنات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ترین شخص سمجھتی ہیں۔ ان کی یہ عقیدت اور اُدھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دل میں جو ان کا احترام تھا وہ بھی سُن لیجئے۔

ابن شہر آشوب

قَالَ عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ اَفَتَسُبُّوْنَ اُمَّکُمْ عَائِشَۃَ ثُمَّ تَسْتَحِلُّوْنَ مِنْھَا مَا یُسْتَحَلُّ مِنْ غَیْرِھَا فَلَئِنْ فَعَلْتُمْ لَقَدْ کَفَرْتُمْ وَھِیَ اُمُّکُمْ وَاِنْ قُلْتُمْ لَیْسَتْ بِاُمِّنَا فَقَدْ کَذَّبْتُمْ بِقَوْلِہٖ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھَاتُکُمْ۔

(ابن شہر آشوب جلد دوم صفحہ نمبر ۱۴۱)

ترجمہ:

حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کیا تم اپنی ماں عائشہ صدیقہ کو قیدی بنانا چاہتے ہو۔ اور پھر ان کے ساتھ ہر وہ سلوک کرنا جائز گردانتے ہو۔ جو ان کے غیروں کے ساتھ روا ہوتا ہے۔ سنو! اگر تم نے اپنے ارادہ پر عمل کر لیا۔ تو تم یقیناً کافر ہو جاؤ گے۔ کیونکہ وہ تمہاری ماں ہیں اور اگر تم یہ کہدو کہ وہ ہماری ماں نہیں۔ تو پھر تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تکذیب کر دو گے۔ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں تم مسلمانوں کی مائیں ہیں"۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کے درمیان محبت اور عقیدت کا ثبوت مذکور ہوا۔ اسی طرح حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو محبت و شفقت تھی۔ ایک شیعہ کے قلم سے ثبوت ملاحظہ ہو۔

بحار الانوار:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ دَخَلَتْ عَائِشَۃُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُقَبِّلُ فَاطِمَةَ فَقَالَتْ لَهُ اَتُحِبُّهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَمَا وَاللّٰهِ لَوْ عَلِمْتِ حُبِّيْ لَهَا لَازْدَدْتِ لَهَا حُبًّا۔

(بحار الانوار جلد ۴۳ ص ۵)

ترجمہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں۔ تو کیا دیکھتی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمۃ الزہرا کو چوم رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر سیدہ عائشہ بولیں۔ یارسول اللہ! آپ انہیں محبت کرتے ہیں؟ فرمایا۔ خدا کی قسم! اگر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق جو میرے دل میں محبت ہے تجھے معلوم ہو جائے۔ تو تو بھی اُس سے زیادہ محبت کرنے لگے۔

"لَازْدَدْتِ لَهَا حُبًّا" اس بات کی طرف واضح اشارہ کر رہے ہیں۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دل میں پہلے سے ہی حضرت خاتون جنت سے محبت تھی۔ اور اس میں اضافہ کی بات ہو رہی ہے۔ اور یہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے نکلے۔ اس لیے یہ ماننا پڑے گا۔ کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے مابین دوستانہ اور محبت بھرے تعلقات تھے۔ سیدہ عائشہ انہیں اپنی بیٹی سمجھتی بلکہ کہتی تھیں۔ اور سیدہ فاطمہ انہیں اپنی ماں کی حیثیت دیتی تھیں۔ اسی تعلق کو ایک شیعہ نے یوں بیان کیا ہے۔

٭

بحار الانوار:

عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَقْبَلَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ تَمْشِیْ لَا وَاللّٰهِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ مَا تُخْطِیُٔ مَشْیُهَا مِنْ مِشْیَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَاٰهَا قَالَ مَرْحَبًا بِابْنَتِیْ مَرَّتَیْنِ قَالَتْ فَاطِمَةُ عَلَیْهَا السَّلَامُ فَقَالَ لِیْ اَمَا تَرْضَیْنَ اَنْ تَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ سَیِّدَةَ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَوْ سَیِّدَةَ نِسَاءِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ۔

(بحار الانوار جلد ۴۳ ص ۲۴)

ترجمہ:

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سیّدہ عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ مائی صاحبہ نے فرمایا۔ ایک مرتبہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے تشریف لائیں۔ اس خدا کی قسم جو معبود برحق ہے! ان کی چال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چال کے مشابہ تھی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پر نظر پڑی تو دو مرتبہ یہ الفاظ فرمائے۔ خوش آمدید میری بیٹی! سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تو اس پر راضی نہیں کہ قیامت کو تو تمام مومن عورتوں یا اس امت کی تمام عورتوں کی سردار بن کر آئے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قسم اٹھا کر سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہ کی چال بیان کریں۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چال جیسی کہیں۔ کیا

یہ اُن کی اِن سے محبت کی دلیل نہیں۔ اگر بغض ہوتا۔ تو معاملہ کچھ اور ہی ہوتا۔ اور اُدھر خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا اپنے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سیدہ عائشہ کو سُنا رہی ہیں۔ اور ام المومنین عائشہ اُسے آگے بیان کر رہی ہیں۔ یہ دونوں طرف سے محبت اور پیار کا زندہ ثبوت ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جس قدر حضرت خاتونِ جنت سے محبت تھی۔ وہ اُن کے اِن اشعار میں ٹپک رہی ہے۔ یہ اشعار سیدہ عائشہ صدیقہ نے اس وقت کہے۔ جب خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کی شادی ہو گئی۔ اور آپ کو علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گھر لے جایا جا رہا تھا۔

یا نسوۃ استترن بالمعاجز	والحمد للہ علی افضالہ
وذکرن مایحسن فی المحاضر (۱)	والشکر للہ العزیز القادر (۲)
وذکرن رب الناس قد خصنا	سرن بھا واللہ اعلیٰ ذکرھا
بدینہ مع کل عبد شاکر (۳)	وخص منہ بطھر طاھر (۴)

(۱۔ بحار الانوار جلد ۴۳ ص ۱۱۶)

(۲۔ ناسخ التواریخ جلد اول ص ۶۲)

ترجمہ:

اے عورتو! پردوں کے اندر پوشیدہ ہو جاؤ اور محفلوں میں ان باتوں کا تذکرہ کرو جو پسندیدہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے تمام تعریفیں اور غالب قدرتوں والے کا ہی شکر اس بات پر ہے کہ اس نے اپنی بخشش سے نوازا ہے۔ اس پروردگار کا ذکر کرو جس نے اپنے شاکر بندوں کے ساتھ ہمیں بھی اپنے دین کے لیے مخصوص فرمایا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ چلو۔ اللہ تعالیٰ

نے اس کا چرچا اور غلغلہ بلند کیا اور بہترین پاکیزگی کے ساتھ انہیں مخصوص فرمایا ہے۔

آخر میں ایک حوالہ ذکر کر کے میں اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ اس حوالہ میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حسنین کریمین کے مابین رشتۂ مودّت اور ان صاحبزادوں کا مقام و مرتبہ مذکور ہے۔ اور وہ بھی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبانی۔

بحار الانوار

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَأَلَتِ الْفِرْدَوْسُ رَبَّهَا فَقَالَتْ اَیْ رَبِّ زَیِّنِّیْ فَاِنَّ اَصْحَابِیْ وَاَھْلِیْ اَتْقِیَاءٌ وَاَبْرَارٌ فَاَوْحَی اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلَیْھَا اَلَمْ اُزَیِّنْكِ بِالْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ

(بحار الانوار جلد ۴۳ ص ۳۰۶)

ترجمہ:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ فردوس (جنت) نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔ یا اللہ! میرے ہاں تشریف لانے والے تمام متقی اور نیک لوگ ہیں۔ اُن کے آنے سے پہلے مجھے خوبصورت کر دے۔ اور سجا دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف پیغام بھیجا۔ کیا حسن و حسین کے ساتھ تجھے میں زینت نہیں دے چکا۔

جنت الفردوس کی زینت حسنین کریمین ہیں۔ اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

ان کی یہ خوبی اور صفت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے بیان فرما رہی ہیں اگر سیدہ عائشہ کو ان صاحبزادوں کے ساتھ الفت نہ تھی۔ تو ان کی خوبیاں اور ان کی بڑائیاں کیوں ذکر کیں؟
بروایتِ حضرت سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نقل کیے ہیں۔ اور یہ مسلّمہ قانون ہے۔ کہ روایتِ صحیحہ کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کا راوی عادل متقی اور پرہیز گار ہو۔ اور اس کا ضبط بھی تام ہو۔ ورنہ وہ روایت صحیح نہیں ہو گی۔ تو میں پوچھتا ہوں کہ سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا میں یہ صفات موجود تھیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو پھر ان کی ذات پر لعن طعن اور تبرّا بازی کی وجہ سے اپنی عاقبت کیوں خراب کرتے ہو۔ اور اگر ان میں یہ صفات موجود نہیں تو پھر حسنین کریمین، سیدہ فاطمہ اور حضرت علی کے فضائل ومناقب ایسی غیر صحیحہ روایات کے ساتھ بیان کرنے میں لوگوں کو کیوں دھوکہ دیتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ روایات سب صحیحہ ہیں اور جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان حضرات کے مناقب وفضائل بیان کیے ہیں۔ یہ بھی بالکل صحیح ہیں۔ جس سے نتیجتاً یہ ثابت ہوا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ بنتِ صدیق رضی اللہ عنہا اعلیٰ درجہ کی عادلہ عارفہ اور محبوبۂ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت علی، سیدہ فاطمہ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کا انتہائی محبت وپیار کا رشتہ ہے۔ جس کی بنا پر انہوں نے مذکورہ روایات میں ان کی تعریف کی ہے۔

مختصر یہ کہ تمام صحابہ کرام اور حضرات اہل بیت مع ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم باہم پیار ومحبت اور عقیدت واحترام سے رہتے تھے۔ کسی سے کسی کو کسی قسم کی عداوت اور مخاصمت نہ تھی۔ بلکہ ان کے دل ایک دوسرے کی محبت

سے بر بر تھے۔ کیونکہ اس پر نص قطعی رحماء بینھم کی مہر ثبت ہو چکی ہے۔
لہٰذا ان حقائق اور واقعات کے پیش نظر ہم اہل سنت وجماعت اس پر فخر کرنے میں حق بجانب ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جہاں محبت صحابہ کرام سے نوازا۔ وہاں حضرات اہل بیت کی حقیقی دوستی بھی ہمیں عطا فرمائی۔ آخر میں میں اپنے تمام متوسلین ومریدین کو تنبیہ کرتا ہوں۔ اور واشگاف الفاظ میں یہ کہتا ہوں۔ کہ جو شخص سیدہ عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہما اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مابین دشمنی کا عقیدہ رکھتا ہو۔ یا ام المومنین سیدہ عائشہ اور خاتونِ جنت وحسنین کریمین کے مابین اخوت ومحبت کا منکر ہو۔ میرا اور میرے خانوادے کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اور نہ ہی تمہیں ایسے شخص سے کوئی تعلق رکھنا چاہیئے۔ امید ہے کہ میری گزارشات پڑھ سُن کر ذریعہ نجات بنیں گی۔ اور حق وہدایت کے متلاشی کے لیے زادِ راہ کا کام دیں گی۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی دُعا پر اختتام کرتا ہوں۔

الٰہی۔ بحق بنی فاطمہ — کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ

اگر دعوتم رد کنی ور قبول — من ودست ودامانِ آلِ رسول

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اللھم تقبل منا واعطما سالناك بجاہ حبیبك وحبیبۃ حبیبك واولیائك وصلی اللہ علی نبیہ ورسولہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

سید محمد باقر علی شاہ

سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف۔ ضلع گوجرانوالہ

ردِ شیعہ میں ہماری مطبوعات کا مختصر تعارف

پہلی کتاب

تحفہ جعفریہ — ۵ جلدیں

شیخ الحدیث مناظر اسلام علامہ مولانا محمد علی مدظلہ

اس کتاب کے تمام تر مضامین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذوات کے گرد گھومتے ہیں

مضامین جلد اول

مقدمہ۔ اس بارہ میں کہ معتبر شیعہ مؤرخین کا اعتراف ہے کہ شیعہ مذہب کا بانی عبداللہ بن سبا یہودی ہے۔ باب اول (مسئلہ خلافت) اس باب میں اولاً شیعوں کے وہ دلائل پیش کیے ہیں جو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافتِ بلافصل پر قائم کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ شیعہ کتب کی روشنی میں ان کا نہایت ٹھوس اور محققانہ رد کیا گیا ہے۔ اس کے بعد خلفاء راشدین کی خلافتِ حقہ پر قرآن مجید اور شیعہ کتب سے وزنی دلائل درج کیے گئے ہیں۔ ہر دلیل اپنی جگہ ایک تحقیقی مقالہ ہے۔ باب دوم۔ اس میں دو فصلیں ہیں (۱) پہلی فصل میں شیعوں کے اس دعوے کی تردید کی گئی ہے کہ حضرت علی سے دست صدیق اکبر پر جبراً بیعت لی گئی تھی۔ اور فصل دوم میں شیعہ کی تضاد بیانی واضح کی گئی ہے۔ کہ ایک طرف شیعہ حضرت علی کی طاقت و قوت خدا تک پہنچاتے ہیں اور دوسری طرف انہیں بہت بڑا بزدل ثابت کرتے ہیں۔ باب سوم

اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کامل الایمان اور جنتی ہونے پر قرآن کریم اور کتب شیعہ سے نو عدد فولادی دلائل ہیں۔ باب چہارم۔ یہ باب فضائل صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے متعلق ہے (فصل اول) میں فضائل جملہ صحابہ کرام از کتب شیعہ (فصل دوم) میں کتب شیعہ سے خلفاء ثلاثہ کے مشترکہ فضائل (فصل سوم) میں ابوبکر صدیق۔ عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم تینوں صحابہ کے علیحدہ علیحدہ مناقب بیان کیے گئے ہیں جو مکمل طور پر کتب شیعہ سے لیے گئے ہیں۔ کوئی انصاف پسند انہیں پڑھ کر شیعہ نہیں رہ سکتا۔

مضامین جلد دوم

باب اول۔ خلفاء ثلاثہ کے نبی و آل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خاندانی اور نسبی تعلقات کے بارہ میں ہے (فصل اول) اس میں ابوبکر صدیق اور ان کے اہل بیت کے نبی و آل نبی سات رشتہ داریاں کتب شیعہ سے ثابت کی گئی ہیں۔ (فصل دوم) عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نبی و آل نبی سے رشتہ داریاں اس ضمن میں نکاح ام کلثوم کے بارے میں چار طویل و عریض تحقیقی ابحاث ہیں۔ (فصل سوم) عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی نبی و آل نبی سے اٹھ رشتہ داریاں از کتب شیعہ۔ اس ضمن میں مسئلہ بناتِ رسول پر کتب شیعہ کی روشنی میں بے مثل تحقیق لائی گئی ہے جو اس موضوع پر شیعوں کو عاجز کر دینے کے لیے کافی ہے۔ باب دوم نبی علیہ السلام علی المرتضٰی اور اہل بیت رسول سے خلفاء ثلاثہ کے خوشگوار تعلقات۔ یہ بات تین فصلوں پر مشتمل ہے۔ باب سوم۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل اور بنو امیہ کے اہل بیتِ رسول سے مذہبی تعلقات فصل اول۔ شان امیر معاویہ کتب اہل سنت و اہل تشیع سے۔ فصل دوم

امیر معاویہ اور ان کے خاندان کے نبی علیہ السلام اور بنو ہاشم سے نسبی و خاندانی تعلقات۔ فصل سوم۔ دستِ امیر معاویہ پر حسنین کریمین کی بیعت کا ثبوت از کتب شیعہ۔ باب چہارم۔ فضائل امہات المومنین ازواجِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فصل اول۔ قرآن کی روشنی میں ازواج رسول آپ کی اہلبیت میں داخل ہیں۔ فصل دوم۔ فضائل جملہ ازواج از قرآن و کتب شیعہ۔ فصل سوم۔ فضائل سیدہ عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما۔

مضامین جلد سوم

باب اول۔ (بحث فدک) اس میں آٹھ فصلیں ہیں۔ فصل اول۔ باغ فدک کی تحقیقی بحث جغرافیائی حدود۔ فصل دوم۔ شمولِ فدک در مال فیئ اور فیئ کا حکم از قرآن کتب شیعہ۔ فصل سوم۔ سیدہ فاطمہ کی ابوبکر صدیق سے ناراضگی کی تحقیق۔ فصل چہارم۔ بنتِ رسول کی ناراضگی استحقاقِ خلافت پر اثرانداز نہیں۔ فصل پنجم۔ ہبہ فدک کی سنی روایات کی جرح۔ فصل ششم۔ انبیاء کی مالی میراث نہیں ہوتی۔ ثبوت از کتب شیعہ۔ فصل ہفتم سیدہ فاطمہ رضی صدیق اکبر سے راضی تھیں۔ ثبوت از کتب شیعہ۔ فصل ہشتم جنازہ سیدہ فاطمہ میں صدیق و فاروق کی عدم شمولیت کے طعن کا جواب۔ باب دوم۔ سے باب ھفتم تک ابوبکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی سیدہ عائشہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم پر شیعوں کے بعض اعتراضات کا نہایت ٹھوس اور منہ توڑ جواب ہے

مضامین جلد چہارم

جلد سوم کی طرح یہ بھی عظمتِ صحابہ پر کیے گئے اعتراضات کے جواب

یں ہے ۔ جلد سوم اور جلد چہارم یں درج شدہ بعض اعتراضات یہ ہیں ۔ ۱۔ صحابہ میدان احد سے بھاگ گئے ۔ ۲۔ ابوبکر صدیق سے سورہ براءت کے اعلان کی ذمہ داری نبی علیہ السلام نے واپس لے کر علی المرتضیٰ کو دے دی تھی ۔ ۳۔ حدیث قرطاس ۔ ۴۔ عمر فاروق نے سیدہ فاطمہ کو زندہ جلا دینے کی دھمکی دی ۔ ۵۔ اور سیدہ فاطمہ کے بطن پر دروازہ گرا کر حمل ضائع کر دیا ۔ ۶۔ حضرت عمر فاروق کو مدیبیہ یں نبی کی رسالت یں شدید شک ہو گیا تھا ۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر کیے گئے اعتراضات کی منہ توڑ تردید ۔ بعض اعتراضات یہ ہیں ۱۔ مروان کو نبی علیہ السلام نے مدینہ سے نکالا اور عثمان نے واپس بلایا ۔ ۲۔ عثمان نے بنتِ رسول ام کلثوم رضہ کو قتل کیا ۔ اور اس کی لاش سے جماع کیا ۔ (معاذاللہ) ۳۔ ابوذر غفاری رضہ جیسے جلیل القدر صحابی کو جلاوطن کر دیا ۔ ۴۔ عبداللہ بن مسعود کا وظیفہ بند کر دیا ۔ ۵۔ معتدد صحابہ کو معزول کر کے اپنے رشتہ داروں کو گورنریاں دے دیں ۔ اس ضمن یں عثمانی گورنروں اور عمال کی فتوحات اور کارنامے شیعہ کتب سے مفصل پیش کیے گئے ہیں ۔ ۶۔ اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عطیات دیے ۔ ۷۔ نتیجۃً لوگ مخالف ہو گئے اور عثمان غنی کو قتل ہونا پڑا ۔ ۸۔ تین دن تک لاش کوڑے کرکٹ پر پڑی رہی ۔ اسی طرح سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر اعتراضات کا جواب بھی قابل دید ہے ۔ بعض یہ ہیں ۱۔ پردہ کے احکامات کی مخالفت کی ۲۔ خلیفہ برحق سے بغاوت کی ۳۔ امام حسن کو روضہ رسول میں دفن نہ ہونے دیا اور لاش پر تیر پھینکے ۔ اس ضمن یں جنگ جمل اور جنگ صفین کا پس منظر اور بعض شہادت کا قابل مطالعہ ازالہ جلد سوم یں ملاحظہ فرمائیں ۔

☆

فقہ جعفریہ کی جلد اوّل کا تعارف

جلد اوّل میں مختلف موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے۔ طہارت، نماز، روزہ، زکوۃ، حج، نکاح و طلاق اور حلال و حرام کے مسائل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان موضوعات میں بہت سے مسائل اہل تشیع نے ایسے درج کر دیئے ہیں۔ جو ان کے خانہ ساز ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ "فقہ جعفریہ" ان کی گھڑی ہوئی فقہ ہے۔ اجمالی طور پر ہم نے ان مسائل کے تعارف کے لیے تین فصول باندھیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

فصل اوّل

"فقہ جعفریہ" کی بنیاد اور ماخذ چار کتابیں ہیں۔ اصول کافی، تہذیب الاحکام من لایحضرہ الفقیہہ اور الاستبصار۔ صاحب استبصار اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ (جن کی طرف نسبت کی وجہ سے فقہ جعفریہ کہلاتی ہے) کے مابین تقریباً تین صدیوں کا فاصلہ ہے۔ امام جعفر صادق اور ان کے والد گرامی سے جن لوگوں نے روایات بیان کی ہیں۔ وہ ان ائمہ کی زبانی ملعون اور مردود لوگ ہیں۔ ان لوگوں کی روایت کردہ احادیث سند کے اعتبار سے ناقابلِ اعتبار ہیں۔ کیونکہ حضرات ائمہ اہل بیت سے ان تک کے واسطے صحیح نہیں ہیں۔ یہ بات "فقہ جعفریہ" کے خود ساختہ ہونے

فصل دوم

اس میں اہل تشیع کے ایسے عقائد زیر بحث لائے گئے ہیں۔ جو توحید کے خلاف ہیں۔ اور مشرکانہ نظریات ہیں۔

فصل سوم

یہ فصل حضرات ائمہ اہل بیت کے اُن ارشادات میں ہے۔ جن میں انہوں نے "دین چھپانے"، کی تاکید کی۔ اور اس پر نہ عمل کرنے والے کو اپنا قاتل قرار دیا ہے

مسائلِ طہارت کے ضمن میں درج ذیل ابحاث مذکور ہوئیں

فصل اوّل

(۱) پانی سے بھرے ہوئے ایک بڑے مٹکے میں خواہ کتنی ہی نجاست گر پڑے، وہ ناپاک نہیں ہوتا۔

(۲) استنجاء کے لیے جو پانی استعمال کیا گیا۔ وہ پاک ہے۔ اور اگر اس میں کوئی کپڑا وغیرہ گر پڑے تو وہ ناپاک نہیں ہوتا۔

(۳) گدھے اور خچر کا پیشاب، ودی اور مذی اور علی جنابت کے لیے استعمال کیا گیا پانی پاک ہے۔

(۴) ہوا خارج ہونے سے وضوء میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔

۵) پردہ صرف قبل اور دُبر کا ہے۔ ان میں سے دُبر خود جوتڑوں میں چھپی ہونے کی وجہ سے پردہ میں ہے۔ اور اگلی شرمگاہ پر اگر ہاتھ رکھ لیا جائے۔ یا بیوی کا ہاتھ رکھ دے تو پردہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس پر کوئی چیز لیپ دی جائے تو بھی پردہ ہو جاتا ہے۔ دُبر میں وطی کرنے سے عورت کا نہ روزہ ٹوٹتا ہے۔ اور نہ ہی اُسے نہانے کی ضرورت ہے۔

۶) بول و براز پھرتے وقت قران کریم پڑھنا جائز ہے۔

۷) کُتّا یا چوہا اگر گھی یا ہنڈیا میں گر جائے تو اس سے طہارت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

۸) سور اور کتا، زندہ یا مردہ دونوں حالتوں میں پاک ہے۔

فصل دوم

۱) تیمم میں مُنہ میں سے صرف ماتھے کا مسح اور ہاتھوں میں سے صرف ہتھیلی کا مسح کرنا کافی ہے۔

۲) وضوء میں پاؤں دھونے کی بجائے ان پر مسح کرنے کا شیعی عقیدہ اور اس کی تردید۔ پاؤں دھونے پر ہر دور کے علماء کا اتفاق رہا۔ نیز وضوء میں ترتیب جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی المرتضٰے نے اختیار فرمائی اسی پر اہل سنت کا عمل ہے۔

فصل سوم

اس میں اذان کے مسائل میں سے پہلے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کہ اذان میں "علی ولی اللہ" بڑھانے والا ملعون، گنہگار اور بدعتی ہے۔ نیز جنبی کے اذان کے جواز پر حوالہ جات مذکور ہیں

کتاب الصلوۃ

اس موضوع کے ضمن چند مسائل بطور خاص یہ ہیں

فصل اوّل

۱۔ دورانِ نماز بچے کو دودھ پلانے سے ماں کی نماز نہیں ٹوٹتی۔

۲۔ لونڈی اور بیوی کو اگر نمازی دورانِ نماز چھاتی سے لگالے۔ تو نماز بدستور قائم رہتی ہے اسی طرح آلۂ تناسل سے کھیلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۔ پلید ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔

۴۔ دورانِ نماز لعنت بھیجنا سنتِ ائمہ ہے۔

فصل دوم

۱۔ بے نماز کی سزا۔ ستر دفعہ حقیقی ماں سے زناء کرنا، ستر پیغمبروں کو شہید کردینا ستر قرآن جلادینا اور سات دفعہ بیت المعمور کو گرانا، نماز نہ پڑھنے سے چھوٹے جُرم ہیں۔

۲۔ بے نماز کتے۔ خنزیر اور کافر سے بدتر ہے۔ اس کی تجہیز و تکفین نہیں کرنی چاہیئے۔

۳۔ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا ثبوت

۴۔ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کے ہاتھ باندھ کر نماز ادا کرنے کا ثبوت۔

چیلنج: حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ نے جو نمازیں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں ادا کیں۔ اگر کوئی شیعہ یہ ثابت کر دکھائے۔ کہ آپ نے وہ نمازیں

ہاتھ کھلے چھوڑ کر ادا کریں۔ تو اسے دس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ نیز اتنا ہی انعام اس شخص کو دیا جائے گا۔ جو یہ ثابت کر دے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ نے ان نمازوں کو دوبارہ پڑھا۔ جو ابوبکر صدیق کی اقتداء میں آپ نے ادا فرمائیں۔

فصل سوم

"التحیات للہ والصلوٰت والطیبات"، کے الفاظ کا ثبوت کتب شیعہ سے۔

نماز تراویح شیعہ لوگوں کے نزدیک اگر بدعت عمری ہے۔ تو حضرت علی نے اپنے دور خلافت میں اسے ختم کیوں نہ کیا۔ حضرت علی ہمیشہ اس کی تعریف کرتے رہے۔ ائمہ اہل بیت ہمیشہ نماز تراویح ادا کرتے رہے۔

فصل چہارم

۱۔ میت کو غسل دیتے وقت اس کے پاؤں قبلہ کی طرف ہونے چاہئیں۔

۲۔ مرنے کے فوراً بعد مرنے والے (شیعہ) کے منہ یا آنکھ وغیرہ سے منی نکلتی ہے۔

۳۔ جو بھی میت کو ہاتھ لگا دے۔ اس پر غسل واجب ہے۔

۴۔ غسل دیتے وقت میت کی بغلوں میں لکڑی رکھی جائے اور اس کی ٹانگیں مضبوط باندھ لی جائیں۔

۵۔ جنبی نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔ نماز جنازہ پڑھنے کے لیے شرمگاہ ڈھانپنا شرط نہیں ہے۔

۶۔ نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں اور رفع یدین کی تردید)

۷۔ قبر کو چوکور شکل بنانا خلاف شرع ہے۔

کتاب الزکوٰۃ

۱۔ مروجہ سکہ کے بغیر سونے چاندی پر زکوٰۃ نہیں۔

کتاب الصوم

۱۔ بیوی یا بیٹی کا تھوک نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا
۲۔ اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ بولنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

کتاب الحج

۱۔ جس کا ختنہ نہ ہو۔ اس کا حج باطل ہے۔
۲۔ عورت کو حج کرنے کے لیے محرم کا ساتھ ہونا ضروری نہیں۔

کتاب النکاح

۱۔ عورت کی شرمگاہ۔ کا بوسہ لینا، اُس میں انگلی پھیرنا، اس کی دُبر میں وطی کرنا سب جائز ہیں۔
۲۔ خوبصورت سے بلغم ختم ہو جاتی ہے۔
۳۔ معصوم اگر مسجد میں وطی کرے تو جائز ہے۔
۴۔ پیغمبروں کی خصوصیات مُرغ میں بھی پائی جاتی ہیں۔
۵۔ ریشمی کپڑا آلۂ تناسل پر لپیٹ کر محرم عورتوں سے بھی وطی جائز ہے۔
۶۔ ماں، بیٹی اور بہن وغیرہ محارم سے وطی کرنا ایک طرح جائز اور دوسری

طرح ناجائز ہے۔

۷۔ باپ بیٹا ایک دوسرے کی بیوی سے وطی کریں تو اس سے حُرمت نہیں آتی۔

۸۔ سیّدزادی کے ساتھ چوہڑے چمار تک کا نکاح جائز ہے۔

۹۔ کتب شیعہ میں نکاح کے لیے شہادت شرط نہیں۔

۱۰۔ اہل سنت کے ساتھ اہل تشیع نکاح کو حرام سمجھتے ہیں۔ شیعہ لوگوں کے نزدیک اہل سنت، یہود و نصاریٰ، حرام زادے اور کتّے سے بھی بدتر ہیں۔ لہذا سنیوں کو بھی شیعوں سے رشتہ ناطہ ہرگز نہیں کرنا چاہیئے۔

کتاب الحدود

۱۔ رضامندی سے زنا پر کوئی حد نہیں لگ سکتی۔

۲۔ بھول کر نکاح چھوڑ دینے کی صورت میں بھول کر وطی کر لینے سے بھی کوئی حد نہیں لگے گی۔

۳۔ چوری کی حد میں صرف ہاتھ کی انگلیاں کاٹی جائیں گی۔

"فقہ جعفریہ" ــــ جلد دوم

"فقہ حنفی" پر لگائے گئے اعتراضات، امام اعظم کی شخصیت پر دھرے گئے الزامات کا تفصیلی تذکرہ، خاص کر غلام حسین نجفی شیعی کی۔ کتاب "حقیقتِ فقہ حنفیہ" کا ترکی بہ ترکی جواب اس جلد کی مخصوص بحثیں ہیں۔

ان اعتراضات والزامات کا ایک اجمالی خاکہ ملاحظہ ہو۔

۱۔ فقہ حنفی کے ماخذ ثانی یعنی احادیث کے راوی مجروح ہونے کی بنا پر

یہ فقہ بے اصل ہے

۲۔ تاریخ بغداد میں ابو حنیفہ کو کافر لکھا گیا۔ اور ان کا ایمان و اسلام کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانا۔

۳۔ ابو حنیفہ کا فتنہ ابلیس اور دجال کے فتنے سے بھی بڑا ہے۔ اس فقہ نے اسلامی مضبوطی کو ختم کر دیا۔

۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو حنیفہ کی باتوں پر عمل کرنے سے منع کیا ہے

۵۔ ان کی کتاب "کتاب الحیل" نے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دکھایا۔

۶۔ ابو حنیفہ کی مجلس درود و سلام سے خالی ہوتی تھی۔ اور ان کے فتاوی حق کے خلاف ہیں۔

۷۔ ابو بکر صدیق کی گواہی کہ ابو حنیفہ نے دین کو بدل ڈالا ہے۔

۸۔ امام اعظم کے جنازے پر پادریوں کا اجتماع

۹۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے تو میری پیروی کرتے (ابو حنیفہ)

۱۰۔ باپ کا قاتل اور ماں سے نکاح کرنے والا مومن ہے۔

۱۱۔ ایمانِ ابو بکر صدیق اور ایمانِ ابلیس ایک ہی ہے۔ (معاذ اللہ)

ان اعتراضات و الزامات کے علاوہ پچاس کے قریب ایسے ہی لغویات کا جواب اس حصہ میں مذکور ہے۔ اور "تاریخ بغداد"، کے حوالہ جات سے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی عظمتِ شان، اور کتب شیعہ سے ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی منزلت بیان کی گئی ہے

فقہ جعفریہ جلد سوم

بحث ماتم کو شرح و بسط کے ساتھ اس جلد میں ذکر کیا گیا جس کا اجمالی خاکہ اس طرح ہے۔

فصل اول

اہل سنت کے نزدیک حضرات اہل بیت کی تعزیت کا مسنون طریقہ کیا ہے

فصل دوم

مروجہ ماتم کے ثبوت پر اہل تشیع کے گیارہ دلائل کا مسکت جواب۔

فصل سوم

قرآن وحدیث اور اقوال ائمہ اہل بیت سے مروجہ ماتم کی بیخ کنی۔

فصل چہارم

ماتم کس کی ایجاد ہے؟ اس کا فقہی حکم اور انجام کیا ہے؟ مروجہ ماتم پر شیخ قمی کی بحث اور مروجہ ماتم کی تردید۔

فصل پنجم

ماتم کرنے والوں کی نشانیاں۔ (داڑھی چٹ، مونچھیں لمبی، لباس سیاہ اور لوہے کے کڑے) ان علامات کی کتب شیعہ سے تردید۔

فصل ششم

تعزیہ نکالنے کی تاریخ۔ اس کی شرعی حیثیت اور ذوالجناح برآمد کرنے اور اس کی حقیقت کی تفصیلی بحث۔

نوٹ:

غلام حسین نجفی شیعی نے ثبوت ماتم پر ایک کتاب بنام "ماتم اور صحابہ" لکھی جس میں اس نے کمال عیاری اور مکاری سے گندی زبان کا سہارا لے کر مروجہ ماتم کو ثابت کرنے کی کوشش کی تقریباً ستاسی ۸۷ نمبرات ذکر کیے۔ ہم نے اُن کا پورا محاکمہ کیا۔ اس تفصیلی بحث کے بعد "جواز ماتم" کا قول بالکل پاگلانہ بات نظر آئے گی۔

فقہ جعفریہ جلد چہارم — متعہ کی بحث

بحثِ متعہ کو کمال خوبی کے ساتھ درج ذیل فصول میں مکمل کیا گیا ہے

فصل اول: متعہ کا رواج زمانۂ جاہلیت سے تھا۔

فصل دوم: کتب اہل سنت سے متعہ کی حقیقت۔

فصل سوم: تعارف متعہ از کتب شیعہ

فصل چہارم: متعہ کے جواز پر اہل تشیع کے چار دلائل اور ان کا دندان شکن جواب

فصل پنجم:

متعہ کے حرام ہونے پر قرآن کریم اور کتب شیعہ سے آٹھ دلائل قاہرہ۔

فصل ششم: اہل تشیع کے ہاں بے حیائی کے عجیب وغریب طریقے۔

فصل ہفتم:

"جواز متعہ" نامی کتاب میں پچیس کے قریب مذکور اُن مغالطوں اور دھوکہ بازیوں کا بے مثل جواب۔ جو جواز متعہ پر دیئے گئے۔ جن کے مطالعہ کے بعد حرمت میں ہر وہم از خود ختم ہو جاتا ہے

تحفہ جعفریہ جلد پنجم: اس جلد میں دو باب ہیں

باب ۱: باب اول میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیے گئے مطاعن کے دندان شکن جوابات

طعن ۱: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں خطیب حضرات کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت کیا کریں (معاذ اللہ)

طعن ۲: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عہد شکنی کی۔ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی بجائے یزید کو ولی عہد بنایا

طعن ۳: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس شرط کی مخالفت کی کہ اپنے بعد مسئلہ خلافت شوریٰ پر چھوڑ دیں گے

طعن چہارم: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلا کر شہید کر دیا۔

طعن پنجم: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے قاتل ہیں

طعن ششم: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں یزید کو ولی عہد بنا کر مسلمانوں کی خون ریزی کی بنیاد رکھی۔

طعن ہفتم: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صحابیٔ رسول جناب حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کو بلاوجہ قتل کیا۔

باب ۲ دوم: اہل تشیع کے مشہور مطاعن واعتراضات کے چند اور تحقیقی جوابات کے ساتھ ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کی ایک اور جھلک اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وسیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باہم الفت کا تذکرہ اس باب میں بھی چند فصول ہیں۔

فصل ۱: کربلائے معلی میں جانے والی ام کلثوم جو امام مسلم کی زوجہ تھیں۔ وہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی نہیں اور وہ ام کلثوم جو حضرت فاروق اعظم کی زوجہ تھیں۔ وہ خاتونِ جنت کے بطن اقدس سے تھیں۔

فصل ۲: ام کلثوم بنت علی کا عقد عمر فاروق سے باہمی رضامندی سے ہوا

فصل ۳: اس میں درج ذیل مطاعن اور ان کے جوابات درج کیے گئے ہیں۔

طعن ۱: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حسنین رضی اللہ عنہ کو اچھا نہ سمجھتی تھیں۔

طعن ۲: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض وعناد تھا۔

طعن سوم: سیدہ عائشہ رضی حضرت علی پر گالی گلوچ کیے جانے کو پسند کرتی تھیں۔

طعن چہارم: سیدہ فاطمہ الزہراء کو اپنی سوتیلی ماؤں سے شکایت رہتی تھی)

طعن پنجم: سیدہ عائشہ نے حضرت فاطمہ زہراء کی وفات پر اظہار افسوس تک نہ کیا

طعن ششم: سیدہ زہرا کے جنازہ پر آنے سے سیدہ عائشہ کو زبردستی روکا گیا۔ اور ابوبکر صدیق کی سفارش بھی ٹھکرادی گئی۔

طعن ہفتم: حضرت عثمان غنی کے قتل میں جناب طلحہ اور زبیر کے علاوہ ام المومنین سیدہ عائشہ بھی ملوث تھیں۔

طعن ہشتم: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی نے قتل عثمان کی کوشش کی۔

طعن نہم: حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما ہی حضرت عثمان کے قاتل ہیں۔

طعن دہم: حضرت عائشہ صدیقہ کا گھر فتنوں کی جگہ تھا۔

طعن یازدہم: حضرت طلحہ نے یہ تمنا کی کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے ہے کو شیعہ فرقہ ہی امام حسین و آل نبی کا قاتل ہے۔

آگے فصل نہم سے سیزدہم تک امام زین العابدین سے لے کر امام مہدی تک اپنے مقرر کردہ اماموں کی شان میں شیعوں کی بے ادبیاں اور گستاخیاں درج کی گئی ہیں۔

باب دوم ائمہ اہل بیت کی شیعوں سے بیزاری اور ان کے حق میں ان کی بد دعاؤں کا مفصل تذکرہ۔ جو تعجب خیز بھی ہے اور عبرت انگیز بھی

باب سوم (بحث بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم) فصل اول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چار حقیقی صاحبزادیاں تھیں۔ قرآن کریم اور کتب شیعہ سے ٹھوس دلائل (فصل دوم) چار عدد بناتِ رسول والی بعض شیعہ روایات کے راویوں پر شیعہ مولویوں کی ناجائز تنقید کا جاجزکن محاسبہ (فصل سوم) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو ربیبہ

بعد ان کی زوجہ عائشہ صدیقہ سے شادی کروں گا۔

طعن دوازدھم: عکرمہ صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ سے نکاح کیا تھا

فصل چھارم: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں چار تھیں اس پر چند تحقیقی حوالہ جات

فصل پنجم: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کی کتب شیعہ سے مزید جھلکیاں۔

فصل ششم: سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مابین مثالی محبت و الفت۔

دوسری کتاب

عقائد جعفریہ ۳ جلدیں

شیخ الحدیث مناظر اسلام علامہ مولانا محمد علی مدظلہ

یہ کتاب شیعہ فرقہ کے عقائد کا حقیقت نما آئینہ ہے

مضامین جلد اول:

باب اول۔ شیعہ فرقہ کے گستاخانہ عقائد۔ (فصل اول) اللہ کی شان میں شیعوں کی گستاخیاں۔ (فصل دوم) شانِ جملہ انبیاء میں گستاخیاں (فصل سوم) شانِ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم میں بے ادبیاں (فصل چہارم) شانِ امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں شیعوں کی جسارتیں (فصل پنجم) شان حضرت علی رضی اللہ عنہ میں شیعوں کی گستاخیاں (فصل ششم) سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عظمت میں بے باکیاں (فصل ہفتم۔ شانِ امام حسن میں گستاخیاں (فصل ہشتم) امام حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخیاں۔ اس ضمن میں کتبِ شیعہ سے بڑی شرح و بسط کے ساتھ ثابت کیا گیا

یعنی محض پروردہ بیٹیاں ثابت کرنے پر شیعوں کے دلائل کا سخت ترین علمی محاسبہ۔

مضامین جلد دوم

باب اول۔ (بحث امامت) (فصل اول) مسئلہ امامت کے متعلق سنی عقائد کا خلاصہ۔ اور شیعوں کا یہ عقیدہ کہ بارہ اماموں میں سے کسی کی امامت کا منکر یا ان کے مقابلہ میں دعویٰ امامت کرنے والا یا اسے امام ملننے والا کافر و مرتد ہے۔ یہ بارہ امام اللہ کی طرف سے منصوص ہیں (فصل دوم) شیعوں کے ہاں امامت کی شرط اول منصوص من اللہ ہونے کی تردید پر مفصل دیل۔ (دلیل اول۔) آل رسول میں سے مقتدی شخصیات نے ائمہ اہل بیت کے مقابلہ میں امامت کا دعویٰ کیا۔ چنانچہ اس دیل میں ثابت کیا گیا کہ امام زین العابدین کے مقابلہ میں محمد بن حنفیہ فرزند علی المرتضیٰ نے دعویٰ امامت کیا۔ امام باقر کے مقابلہ میں حضرت زید بن امام زین العابدین نے۔ امام جعفر کے مقابلہ میں نفس زکیہ آلِ امام حسن نے اور اسی طرح دیگر ائمہ کی امامت کا انکار کرتے ہوئے ان کے مقابلہ میں آلِ رسول کی بزرگ تر شخصیات دعوائے امامت کرتی رہیں۔ دلیل دوم۔ کسی خاص شخص کے لیے امامت و خلافت کے منصوص ہونے سے اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اور دیگر ائمہ اہل بیت کا انکار از کتب شیعہ (فصل سوم) شیعوں کے نزدیک امامت و خلافت کی دوسری شرط امام کے معصوم ہونے کی تردید اقوالِ ائمہ اہل بیت کی روشنی میں۔

باب دوم۔ شیعوں کی طرف سے اہل سنت پر امامت و خلافت سے متعلق بعض اعتراضات کا جواب

باب سوم۔ اس میں یزید کو اہل سنت کا امام قرار دینے پر شیعوں کے دلائل و اعتراضات۔ اور اہل سنت کے ہاں یزید کی پست ترین حیثیت کا بیان ہے۔ نیز اس ضمن میں شیعہ کتب سے ثابت کیا گیا ہے کہ یزید نے

قتل حسین پر منہ پیٹا۔ سب سے پہلے ماتم کیا۔ اور یزید سے بڑا محب، اہل بیت کا کوئی نہ تھا۔

مضامین جلد سوم: اس جلد میں تین امور پہ بحث کی گئی ہے۔

۱۔ کلمۂ اسلام کیا اور کتنا ہے۔ اور لفظ علی ولی اللہ کلمہ کا جز بنانا جائز ہے یا نہیں

۲۔ تحریف قرآن کی طویل بحث۔ اس بحث میں شیعہ کتب سے شمار سے زائد نہایت وزنی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔ کہ شیعہ فرقہ کا موجودہ قرآن پر ایمان نہیں ہے۔

۳۔ بحث تقیہ۔ تقیہ کیا ہے شیعوں کے ہاں اس کی کیا فضیلت ہے! اور اس کے بطلان کے دلائل۔

عقائد جعفریہ .... جلد چہارم

یہ جلد چار ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ اور اس بارے میں چار مطاعن کا جواب اس باب میں مذکور ہوئے۔

طعن اوّل: صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ نہیں پڑھا۔

طعن دوم:

اگر صحابہ کرام میں محبت رسول تھی۔ تو آپ کی تدفین سے قبل خلافت کے لیے دوڑ دھوپ کیوں کی؟

طعن سوم:

صحابہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے جنازۂ رسول میں تاخیر ہوئی۔

طعن چہارم:

ابوبکر، عمر اس وقت لوٹے جب آپ کی تجہیز و تکفین ہو چکی تھی۔

ان مطاعن کے علاوہ ایک الزامی چیلنج کہ کوئی شیعہ کسی مسند مرفوع اور صحیح حدیث سے یہ ثابت کر دکھائے۔ کہ تین ہی شیعہ حضرت علی المرتضیٰ کی نماز جنازہ

میں موجود تھے۔ تو منہ مانگا انعام پائے۔

باب دوم فضائل اہلبیت میں

اس باب میں بارہ ائمہ اہل بیت کے فضائل و مناقب کتب اہلسنت سے پیش کیے گئے ہیں۔ تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ اہل بیت کے حقیقی محب اہل سنت و جماعت ہی ہیں۔

باب سوم

بحث تقیہ۔ اس بحث کو چند فصول میں بیان کیا گیا۔

فصل اول: تقیہ کے متعلق شیعہ سنی نظریات۔

فصل دوم

اثباتِ تقیہ پر شیعہ دلائل اور ان کے جوابات۔

فصل سوم

اہل تشیع کے ہاں تقیہ کے فضائل اور اس کے ترک پر وعیدات۔

فصل چہارم

وسعتِ تقیہ۔

فصل پنجم:

تردید تقیہ میں قرآن کریم اور کتب شیعہ سے دلائل

فصل ششم:

دعا اور بخشش طلب کرتے وقت لعنت۔

فصل ہفتم:

تقیہ کی شکل میں ائمہ اہل بیت پر لعنت جائز ہے۔

باب چہارم: لفظ شیعہ اور سنی کی بحث۔ مذہب شیعہ کے حق ہونے کے تین ارکان اور ان کا جواب۔

رکن اوّل: لفظ شیعہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ لیکن لفظ سنی نہیں۔

رکن دوم: ابراہیم علیہ السلام شیعہ تھے۔

رکن سوم: کتب اہل سنت کہتی ہے کہ شیعہ جنت میں جائیں گے۔

جلد پنجم عقائد جعفریہ بمعہ ضمیمہ

یہ جلد دو ابواب اور چند فصول پر مشتمل ہے

باب اوّل:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے متعلق گفتگو۔

اس میں چند فصول درج ذیل ہیں

فصل اوّل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کی ہر دور میں افضلیت

فصل دوم: آپ ان لوگوں پر منتقل ہوتے رہے۔ جو ''ساجدین'' تھے۔

فصل سوم: آپ کے آباؤ اجداد زمانہ فطرت میں صاحبانِ ایمان اور توحید کے معتقد تھے

فصل چہارم: مودودی محدث ہزاروی وغیرہ سنی نما مولویوں پیروں کے امیر معاویہ کی ذات پر اعتراضات کے دندان شکن جوابات

فصل پنجم: امیر معاویہ کے بارہ میں اکابرین امت کے عقائد۔

فصل چہارم: آپ نے اپنے والدین کریمین کو دوبارہ زندہ کیا۔ اور اپنا کلمہ پڑھوایا۔

فصل پنجم: ان احادیث و روایات کے جوابات جن میں آپ کے والدین کا دوزخی ہونا آیا ہے

فصل ششم: امام اعظم کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو کافر کہا اس کی تردید۔ اور ملا علی قاری کی توبہ۔

باب دوم

ان کتب کا تذکرہ جو اہل تشیع دھوکہ دینے کے لیے ہم "اہل سنت کی معتبر کتاب" کے عنوان پیش کرتے ہیں

مثلاً ۱۔ شرح ابن ابی حدید۔ ۲۔ روضۃ الاحباب۔ ۳۔ حبیب السیر۔ ۴۔ تاریخ یعقوبی ۵۔ الصفوۃ الصفوۃ ۶۔ مروج الذہب ۷۔ تذکرۃ الخواص ۸۔ ینابیع المودۃ ۹۔ فرائد السمطین ۱۰۔ مقتل ابن ابی مخنف ۱۱۔ حلیۃ الاولیاء ۱۲۔ اخبار الطوال ۱۳۔ روضۃ الشہداء ۱۴۔ مقاتل الطالبین ۱۵۔ مودۃ القربیٰ ۱۶۔ الملل والنحل ۱۷۔ العقد الفرید ۱۸۔ تاریخ طبری ۱۹۔ الامامۃ والسیاسۃ ۲۰۔ خصائص نسائی ۲۱۔ معارج النبوۃ ۲۲۔ کتاب الفتوح اعثم کوفی ۲۳۔ روضۃ الصفاء ۲۴۔ تاریخ ابوالفداء ۲۵۔ مستدرک حاکم۔ وغیرہ

باب دوم:

اس باب میں ایک تحقیقی بحث ہے یعنی جب شیعہ لوگ اہل سنت وجماعت پر کوئی الزام قائم کرتے ہیں۔ یا اپنے مسلک کی توثیق پیش کرتے ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ کہ اہل سنت وجماعت کی فلاں فلاں معتبر کتاب میں یہ لکھا ہے۔ تو اس باب میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے۔ کہ یہ مذکورہ کتب

کیا اہل سنت کی ہیں یا اہل تشیع کی ؟

اگر اہل سنت کی ہیں تو کیا معتبر ہیں یا نہیں۔

عقائد جعفریہ جلد ششم

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر لعن طعن کرنے والے سنی نما دیوبندوں مودودیوں، بریلویوں اور پیروں کا معتبر کتب اہل سنت سے محاسبہ۔

اس جلد میں ایک باب اور چند مندرجہ ذیل فصول ہیں۔

فصل اول : شان صحابہ : **فصل دوم** : صحابہ کرام پر لعن طعن کرنے والوں کا انجام

فصل سوم : امیر معاویہ کے صحابی ہونے پر مدلل ثبوت

فصل چہارم : امیر معاویہ کے فضائل و مناقب

فصل پنجم : امیر معاویہ پر لعن طعن کرنے والے کس زمرہ میں۔

ماخذ و مراجع (کتبِ اہلِ سُنّت)

برائے تحفہ جعفریہ جلد پنجم

نام کتاب	نام مصنف و سن وصال	مطبوعہ سن طباعت
تاریخ طبری (فی تشیع)	محمد ابن جریر طبری سنہ ۳۱۰ھ	مصر
میزان الاعتدال	محمد ابن احمد ذہبی سنہ ۷۴۸ھ	مصر قدیم سنہ ۱۳۲۵ھ
تاریخ خمیس	حسین بن محمد بن حسن الدیار بکری سنہ ۹۸۲ھ	بیروت طبع جدید
الریاض النضرہ	محب الدین طبری	بیروت سنہ ۱۴۰۵ھ سنہ ۱۹۸۴ء
طبقات ابن سعد	محمد ابن سعد سنہ ۲۳۰ھ	بیروت سنہ ۱۳۷۷ھ سنہ ۱۹۵۷ء
تہذیب التہذیب	علامہ ابن حجر عسقلانی رح سنہ ۷۵۲ھ	دکن۔ حیدر آباد سنہ ۱۳۲۵ھ
عقد الفرید (فی تشیع)	احمد ابن محمد ابن عبد ربہ سنہ ۳۲۸ھ	بیروت طبع جدید۔
بخاری شریف	حضرت امام محمد بن اسماعیل رح	اصح المطابع کراچی
الامامۃ والسیاسہ (فی تشیع)	لابن قتیبہ (ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ) سنہ ۲۷۶ھ	مصر سنہ ۱۳۸۸ھ سنہ ۱۹۶۹ء
لسان المیزان	علامہ ابن حجر (ابی الفضل احمد بن علی) سنہ ۸۵۲ھ	دکن حیدر آباد سنہ ۱۳۲۹ھ
الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	ابن عبد البر اندلسی مع اصابہ سنہ ۴۶۳ھ	بیروت سنہ ۱۳۲۸ھ
اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ	عز الدین ابو الحسن علی بن ابو الکریم شیبانی سنہ ۶۳۰ھ سنہ ۱۲۳۲ء	بیروت۔ طبع جدید سنہ ۱۳۹۹ھ سنہ ۱۹۷۹ء

نام کتاب	نام مصنف و سن وصال	مطبوعہ سن طباعت
تفسیر قرطبی	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ احمد الانصاری القرطبی سنہ ۶۷۱ھ	مصر سنہ ۱۳۸۷ھ ۱۹۶۷ء
البدایہ والنہایہ	لابن کثیر عماد الدین ابو الفداء الدمشقی سنہ ۷۷۴ھ	بیروت۔ سنہ ۱۹۶۶ء
الکامل فی ضعفاء الرجال	عبد اللہ ابن عدی اکبر جانی سنہ ۳۶۵ھ	بیروت طبع جدید سنہ ۱۴۰۴ھ
الکامل ابن اثیر	عز الدین ابو الحسن علی بن ابو الکریم شیبانی سنہ ۶۰اھ سنہ ۱۲۳۲ھ	بیروت طبع جدید سنہ ۱۳۹۹ھ ۱۹۷۹ء
لسان العرب	جمال الدین محمد بن مکرم (فی تشیع) سنہ ۷۱۱ھ	بیروت طبع جدید سنہ ۱۳۸۸ھ ۱۹۶۸ء
ارشاد الساری	شہاب الدین احمد بن محمد سنہ ۹۲۳ھ	بیروت
عمدۃ القاری	بدر الدین عینی سنہ ۸۵۵ھ	بیروت۔ طبع جدید
مؤطا امام مالک رح	امام مالک رح سنہ ۱۸۹ھ	اصح المطابع کراچی طبع جدید
الاصابۃ فی تمیز الصحابہ	احمد بن علی ابن حجر عسقلانی رح سنہ ۸۵۲ھ	مصر سنہ ۱۳۲۸ھ
تاریخ ابن خلدون	عبد الرحمن بن محمد بن خلدون حضرمی سنہ ۸۰۸ھ ۱۴۰۶ء	بیروت سنہ ۱۴۰۱ھ ۱۹۸۱ء
زرقانی	محمد بن عبد الباقی الزرقانی مالکی سنہ ۱۱۲۲ھ	بیروت۔ طبع قدیم سنہ ۱۳۹۳ھ ۱۹۷۳ء
حلیۃ الاولیاء (فی تشیع)	لابی نعیم (احمد بن عبد اللہ اصفہانی) سنہ ۴۳۰ھ	بیروت سنہ ۱۳۸۷ھ ۱۹۶۷ء
نبراس شرح عقائد	عبد العزیز پرہاروی سنہ ۱۲۳۹ھ	ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور سنہ ۱۳۱۸ھ
ماثبت بالسنۃ	شیخ عبد الحق محدث دہلی سنہ ۱۰۵۲ھ	حمایت الاسلام پریس لاہور
مسند امام احمد بن حنبل رح	امام احمد بن حنبل رح سنہ ۲۴۱ھ	بیروت سنہ ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸ء
شفا شریف	قاضی عیاض رح سنہ ۵۴۴ھ	بیروت سنہ ۱۳۶۹ھ ۱۹۵۰ء

ماخذ و مراجع (شیعہ کتب) برائے تحفہ جعفریہ جلد پنجم

نام کتاب	نام مصنف و سن وفات	مطبوعہ و سن طباعت
تنقیح المقال	شیخ عبداللہ المامقانی سنہ ۱۳۲۳ھ ہجری	تہران۔ طبع قدیم سنہ ۱۳۴۹ھ
نہج البلاغہ	سید شریف ابوالحسن محمد رضی بن الحسن سنہ ۴۰۶ھ	بیروت طبع جدید سنہ ۱۹۸۰ء
الذریعہ الی التصانیف شیعہ	شیخ آقا بزرگ طہرانی سنہ ۱۳۱۲ھ	بیروت طبع جدید ۱۹۸۳ء سنہ ۱۴۰۳ھ
ناسخ التواریخ	مرزا محمد تقی سپہر لسان الملک سنہ ۱۲۹۷ھ	تہران سنہ ۱۳۶۳ھ
تفسیر منہج الصادقین	ملا فتح اللہ کاشانی	تہران سنہ ۱۳۳۳ھ
مسالک الافہام الی آیات الاحکام	جواد ابن سعد اللہ سنہ ۱۰۴۴	
قرب الاسناد	ابو العباس عبد اللہ بن جعفر حمیری قمی سنہ ۳۰۰ھ	تہران۔ طبع قدیم
الامالی شیخ طوسی	ابو جعفر محمد بن حسن طوسی سنہ ۴۶۰ھ	قم۔ ایران
شرح ابن ابی حدید	ابو الحامد عبد الحمید سنہ ۶۵۶ھ	بیروت۔ طبع جدید
الکنیٰ والالقاب	الشیخ عباس قمی سنہ ۱۳۵۹ھ	تہران۔ طبع جدید سنہ ۱۳۹۷ھ
جاگیر فدک	غلام حسین نجفی	لاہور سنہ
تاریخ یعقوبی	احمد بن ابو یعقوب سنہ ۲۸۴ھ	بیروت۔ طبع جدید
تہذیب المتین	سید مظہر حسین سہارنپوری	دہلی طبع قدیم سنہ ۱۲۴۹ھ
مروج الذہب	ابو الحسن علی بن حسین بن علی مسعودی سنہ ۳۴۶ھ	بیروت سنہ ۱۹۶۵ء ۱۳۸۵ھ
منتخب التواریخ	حاجی محمد ہاشم بن محمد علی خراسانی	تہران۔ طبع جدید سنہ ۱۳۴۷ھ
کتاب الصفین	ابن مزاحم	بیروت طبع قدیم سنہ ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۱ء
امالی شیخ صدوق	الصدوق محمد بن علی سنہ ۳۸۱ھ	قم ایران طبع قدیم سنہ ۱۳۷۳ھ
فروع کافی	محمد بن یعقوب کلینی سنہ ۳۲۹ھ	تہران طبع جد[illegible] سنہ ۱۳[illegible]ھ

نام کتاب	نام مصنف و سن وفات	مطبوعہ و سن طباعت
تحفۃ العوام	مفتی سید احمد علی	لکھنو۔ طبع قدیم سنہ ۱۹۴۵ء
بحار الانوار	ملا باقر مجلسی سنہ ۱۱۱۱ھ	تہران طبع جدید سنہ ۱۳۸۵ھ
چودہ ستارے	نجم الحسن کراروی	کتب خانہ امامیہ لاہور سنہ ۱۳۹۳ھ
کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ	ابوالحسن علی بن عیسیٰ بن ابی الفتح اربلی سنہ ۶۸۷ھ	تبریز سنہ ۱۳۸۱ھ
الاخبار الطوال	احمد بن داؤد الدینوری سنہ ۲۸۲ھ	بیروت طبع جدید
روضۃ الصفاء	محمد بن حامد شاہ سنہ ۹۰۳ھ	بمبئی۔ طبع قدیم سنہ ۱۲۷۱ھ
مقتل ابی مخنف	لوط بن یحییٰ	نجف اشرف سنہ ۱۳۷۵ھ ۱۹۵۴ء
مناقب آل ابی طالب	محمد بن علی بن شہر آشوب مازندانی سنہ ۵۸۸ھ	قم۔ ایران سنہ ھ ۱۹۶۶
احتجاج طبرسی	شیخ ابو منصور احمد بن علی طبرسی سنہ ۵۴۸ھ	نجف اشرف طبع قدیم سنہ ۱۲۸۶ھ
تاریخ ائمہ	سید علی حیدر نقوی	موچی دروازہ لاہور
امیر معاویہ تاریخ کے آئینہ میں	سید ذوالقرنین زیدی شیعی	
تاریخ احمدی	احمد حسین	لاہور
اعیان الشیعہ	الامام السید محسن الامین	بیروت طبع جدید سنہ ۱۹۸۳ء
جلاء العیون	ملا باقر مجلسی سنہ ۱۱۱۱ھ	تہران طبع قدیم سنہ ۱۳۹۸ھ
المبسوط	شیخ ابو جعفر محمد بن حسن الطوسی سنہ ۴۶۰ھ	تہران۔ طبع جدید۔
وسائل الشیعہ	محمد بن حسن الحر العاملی سنہ ۱۱۰۴ھ	" " " سنہ ۱۳۹۶ھ
دین حق	شرف الدین موسوی شیعی	بیروت طبع جدید۔
الامام الصادق	اسد حیدر	" " سنہ ۱۳۹۰ھ ۱۹۶۹ء
چہاردہ معصوم	عماد زادہ	تہران۔ سنہ ۱۳۸۰ھ
رجال کشی	محمد بن عمر الکشی (قرآن رابع)	کربلا۔